مارچ 2025
شعاع
www.pklibrary.com

بہنوں کا اپنا ماہنامہ

شعاع

واٹس اپ
03172266944

پہلی شعاع، 6
حمد، ڈاکٹر نثار ترابی 7
نعت، افتخار عارف 7
نبی ﷺ کی باتیں، ادارہ 8

سروے

رمضان المبارک کی رونقیں، شاہین رشید 16

انٹرویو

جب تجھ سے ناتا، س۔ک 13
شعاع کے ساتھ، ادارہ 202

ناول

دھوپ دریچہ، مریم عزیز 32

بانی محمود ریاض
مدیرِ منتظم ـــــ آسیہ ریاض
مدیرہ ـــــ رخسانہ جمیل
مدیرِ خصوصی ـــــ امت الصبور
قلمی معاون ـــــ شاہین رشید
قانونی مشیر ـــــ نورالدین سرکی اینڈ کمپنی
ایڈووکیٹس اینڈ لیگل کونسلرز

مارچ 2025
جلد 38 شمارہ 07
قیمت 150 روپے

مکمل ناول

ماء الملوک، نگہت سیما 176
شفا، عیشہ حسین 118
محبت معتبر ٹھہری، راشدہ رفعت 60

ناولٹ

مجھے معتبر کردو، نزہت جبین ضیاء 160

افسانے

دھوپ چھاؤں، آسیہ ساجد علی 66
قصہ ایک سحری کا، عینا عمر خان 101
جائز دھوکا، قرۃ العین خرم ہاشمی 110

انتباہ: ماہنامہ شعاع ڈائجسٹ کے جملہ حقوق محفوظ ہیں، پبلشر کی تحریری اجازت کے بغیر اس رسالے کی کسی بھی کہانی، ناول، یا سلسلہ کو کسی بھی انداز سے نہ تو شائع کیا جا سکتا ہے، نہ کسی بھی ٹی وی چینل پر ڈرامہ، ڈرامائی تشکیل اور سلسلہ وار قسط کے طور پر یا کسی بھی شکل میں پیش کیا جا سکتا ہے۔ خلاف ورزی کرنے کی صورت میں قانونی کارروائی عمل میں لائی جا سکتی ہے۔

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری

پاکستان (سالانہ) —— 1,800 روپے

امریکہ، کینیڈا، آسٹریلیا، یورپ — 25000 روپے

سالانہ خریداری کی ای میل کریں

subscriptions@khawateendigest.com

MEMBER APNS CPNE

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

رکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹرز

پہلا روزہ، لبنیٰ آصف 158

ایسے بھی ہو سکتا ہے، نگین فاطمہ 174

نظمیں غزلیں

نظم، زہرہ نگاہ 197

غزل، سیدہ سیما 197

خط و کتابت کا پتہ

ماہنامہ شعاع

37-اردو بازار، کراچی

مستقل سلسلے

خط آپ کے، ادارہ 24

باتوں سے خوشبو آئے، شگفتہ جاہ 198

کھلتا کسی پہ، واصفہ سہیل 203

تاریخ کے جھروکے، امت الصبور 204

مسکراہٹیں، ادارہ 201

موسم کے پکوان، واصفہ سہیل 208

خوبصورت بنیے، ادارہ 210

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ شعاع، 37 - اردو بازار، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 0092-21-32766872

Email: shuaa@khawateendigest.com website: www.khawateendigest.com

شعاع مارچ کا شمارہ لیے حاضر ہیں

یہ شمارہ آپ کو ملے گا تو آپ رمضان المبارک کا استقبال کر رہی ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر اور احسان ہے کہ ایک بار پھر رحمتوں اور برکتوں کا مبارک مہینہ ہم پر سایہ فگن ہو رہا ہے۔ یہ ہماری خوش بختی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی نیکیوں میں اضافہ کرنے کا موقع دے رہا ہے۔ زندگی سے زیادہ بے ثبات اور بے اعتبار چیز کوئی نہیں۔ پلک جھپکنے میں تمام ہو جاتی ہے۔ کون جانے کب کہاں ساتھ چھوڑ جائے باقی رہنے والے تو اعمال صالحہ اور نیکیاں ہی ہیں۔ گزرا کل ہمارے ہاتھ سے نکل چکا ہے۔ آنے والے کل کے دامن میں کیا چھپا ہے کوئی نہیں جانتا۔ یہی وقت ہے جو ہمارے ہاتھ میں ہے۔ ان لمحوں کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔ اس مبارک مہینہ کے ایک ایک لمحہ سے فیض یاب ہوں۔ رمضان المبارک میں قبولیت کی گھڑیوں کو بڑھا دیا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ سے زیادہ دعائیں کریں۔ اور ہمیں بھی اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں۔

عید نمبر

شعاع کا اپریل کا شمارہ عید نمبر ہوگا۔ عید نمبر میں دیگر دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ قارئین سے سروے بھی شامل ہوگا۔

سوالات یہ ہیں۔

1۔ کسی ایسی خوش گوار عید کا احوال جو آج بھی ذہن کے پردوں پر نقش ہے۔

2۔ عید کی تیاریوں میں سرفہرست کون سی چیز ہوتی ہے۔ اچھے پکوان، احباب کی تواضع یا کپڑے، جوتے اور میک اپ کی اشیاء، پہلے کیا خریدتی ہیں۔

3۔ گزشتہ سالوں میں بڑھتی ہوئی مہنگائی نے ہر چیز کو متاثر کیا ہے۔ ویسے بھی زندگی دھوپ چھاؤں کا کھیل ہے، کیا کبھی ایسا ہوا کہ آپ مہنگائی یا کسی اور وجہ کے سبب اپنے یا اپنے بچوں کے لیے عید کا اہتمام نہ کر سکیں۔

4۔ عید کے موقع پر خاص طور پر اپنے لیے کیا اہتمام کرتی ہیں۔

5۔ کوئی ایسی ڈش جو عید کے دن آپ کے گھر لازمی بنتی ہو۔

ان سوالات کے جوابات اس طرح بھجوائیں کہ ہمیں 20 مارچ تک موصول ہو جائیں آپ سروے کے جواب ای میل بھی کر سکتی ہیں۔

ای میل ایڈریس Email:shuaa@khawateendigest.com

حمد باری تعالیٰ

تجھ ہی سے حرفِ وصدا کا سفر سلامت ہے
تجھ ہی سے خوابِ دُعا کا سفر سلامت ہے

تیرے ہی نام سے کِھلتے ہیں آرزو کے کنول
تجھ ہی سے موجِ صبا کا سفر سلامت ہے

تیرے ہی دم سے ہے قائم یہ روشنی کا بھرم
تجھ ہی سے رنگِ ضیا کا سفر سلامت ہے

تیرے ہی کُن کا کرشمہ ہیں ساری دُنیائیں
تجھ ہی سے دستِ عطا کا سفر سلامت ہے

ہنر بدلتی ہے مٹی بھی اِذن سے تیرے
تجھ ہی سے آب و ہوا کا سفر سلامت ہے

ڈاکٹر نثار ترابی

نعت رسولِ مقبول ﷺ

دل و نگاہ کی دُنیا نئی نئی ہوئی ہے
درود پڑھتے ہی یہ کیسی روشنی ہوئی ہے

میں بس یونہی تو نہیں آ گیا ہوں محفل میں
کہیں سے اذن ملا ہے تو حاضری ہوئی ہے

جہانِ کُن سے اِدھر کیا تھا، کون جانتا ہے
مگر وہ نور کہ جس سے یہ زندگی ہوئی ہے

ہزار شکر غلامانِ شاہِ بطحا میں
شروع دن سے میری حاضری لگی ہوئی ہے

بہم تھے دامنِ رحمت سے جب تو چین سے تھے
جدا ہوئے ہیں تو اب جان پر بنی ہوئی ہے

سر اُٹھائے جو میں جا رہا ہوں جانبِ خلد
مرے لیے مرے آقا نے بات کی ہوئی ہے

مجھے یقیں ہے وہ آئیں گے وقتِ آخر بھی
میں کہہ سکوں گا زیارت ابھی ابھی ہوئی ہے

افتخار عارف

pklibrary.com

ادارہ

صلوٰۃ التسبیح

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا۔

"اے عباس (رضی اللہ عنہ) کیا میں تمہیں ایسی عبادت کے بارے میں بتاؤں کہ جس پر عمل کرنے سے اللہ تعالیٰ تمہارے اگلے اور پچھلے، نئے اور پرانے، قصداً اور سہواً چھوٹے اور بڑے، چھپے اور ظاہر تمام گناہوں کو بخش دے گا۔ تم روزانہ چار رکعت نماز تسبیح پڑھا کرو۔ اگر یہ ممکن نہ ہو تو جمعہ میں ایک بار (سات دنوں میں ایک بار) یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو سال میں ایک دفعہ پڑھ لیا کرو۔ اگر یہ بھی نہ کر سکتے ہو تو مہینے میں ایک مرتبہ پڑھ لیا کرو اور اگر ایسا بھی نہ کر سکو تو پھر ساری عمر میں کم از کم ایک دفعہ نماز پڑھ لو تو اللہ تعالیٰ تمہارے تمام گناہ معاف کر دے گا۔"

فوائد و مسائل:

آج کل کی بے پناہ مصروفیات میں نماز تسبیح کا روزانہ پڑھنا مشکل کام ہے حتیٰ کہ مہینے میں بھی ایک دفعہ اس کا اہتمام کرنے کا موقع شاید چند ہی خوش نصیب لوگوں کو ملتا ہوگا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تسبیح کی اتنی فضیلت بیان فرمائی ہے کہ اگر اسے سال میں ایک دفعہ بھی ادا کیا جائے تو اس کے بے پناہ اجر و ثواب سے مستفید ہوا جا سکتا ہے۔ لہٰذا اس بابرکت نماز کی ادائیگی کے لیے رمضان المبارک سے بہتر اور کوئی موقع نہیں ہو سکتا۔ ذرا سی توجہ اور کوشش سے رمضان المبارک میں جمعۃ المبارک سے قبل یا اس کے بعد چار رکعت نماز تسبیح با آسانی ادا کی جا سکتی ہے۔ اس طرح بابرکت اور بے پناہ اجر و ثواب کی حامل نماز کا اہتمام ممکن ہے۔

آپ چار رکعت نماز نفل اس طرح ادا کریں کہ ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے بعد اور کوئی دوسری سورت پڑھیں۔ اس کے بعد قیام کی ہی حالت میں کلمہ تمجید پندرہ بار پڑھیں۔

"سبحان اللہ والحمد للہ ولا الہ الا اللہ واللہ اکبر"

پھر رکوع میں جائیں۔ رکوع کی تسبیحات پڑھیں۔ پھر ان ہی کلمات کو دس بار دہرائیں۔ پھر رکوع سے اٹھ جائیں اور سمع اللہ لمن حمدہ کے بعد دس بار یہی کلمات پڑھیں۔

پھر سجدے میں جائیں (سجدے کی تسبیحات اور دعائیں) پڑھنے کے بعد یہی کلمات دس بار پڑھیں۔ پھر سجدہ سے سر اٹھا کر جلسہ میں اور (جلسے کی دعائیں پڑھنے کے بعد) یہی کلمات دس بار پڑھیں۔

پھر دوسرے سجدے میں چلے جائیں اور سجدے کی تسبیح کے بعد دس بار یہی کلمات دہرائیں (پہلے سجدے کی طرح) پھر سجدہ سے سر اٹھائیں اور جلسہ استراحت میں کچھ اور پڑھے بغیر دس بار اس تسبیح کو دہرائیں۔

یوں ایک رکعت میں 75 تسبیحات ہو جائیں گی۔ اس طرح چار رکعت پڑھی جائیں گی۔

تشہد میں تسبیحات التحیات سے پہلے پڑھیں۔

اعتکاف

اعتکاف کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ انسان چند دنوں کے لیے دنیا کی مشغولیات اور مصروفیات سے قطع تعلق کر کے مکمل طور پر اللہ تعالیٰ کی بندگی اختیار کرتے ہوئے اس کا رنگ اپنے اوپر چڑھالے۔ رمضان المبارک کے آخری دس دنوں میں مسجد میں معتکف ہونا مسنون عمل ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوری زندگی باقاعدگی سے اعتکاف میں بیٹھنے کا اہتمام فرماتے رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"جب رمضان المبارک کا آخری عشرہ آتا تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کمر کس لیتے، راتوں کو جاگتے، اپنے گھر والوں کو جگاتے اور اتنی محنت کرتے، جتنی کسی اور عشرے میں نہ کرتے۔" (بخاری و مسلم)

"نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان المبارک کے آخری عشرے کا اعتکاف فرماتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وفات دی۔ پھر رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازدواج مطہرات بھی اعتکاف کرتی رہیں۔" (بخاری و مسلم)

فائدہ: 1۔ اعتکاف تزکیہ نفس اور تقویٰ اختیار کرنے کا بہترین نسخہ ہے۔ سال کے 365 دنوں میں انسان دنیا کے مسائل اور دیگر مصروفیات میں ڈوبا رہتا ہے۔ اگر ان 365 دنوں میں صرف دس دن اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول اور اپنے سال بھر کے گناہوں اور خطاؤں کی بخشش کے لیے وقف کردیے جائیں تو یہ کوئی مہنگا سودا نہیں۔

2۔ اعتکاف کے دس دنوں کے لیے الگ سے ایک خصوصی ٹائم ٹیبل ترتیب دیا جاسکتا ہے۔ جس میں چند گھنٹے آرام کے سوا زیادہ تر وقت تلاوت، مطالعہ قرآن پاک، مطالعہ حدیث، مطالعہ اسلامی کتب، حفظ اور ذکر و اذکار اور دیگر عبادت الٰہی میں گزارا جاسکتا ہے۔

شب قدر

رمضان المبارک وہ مہینہ ہے جس میں ایک رات ایسی ہے جسے ہزار مہینوں سے بہتر قرار دیا گیا ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

"ہم نے اس قرآن کو شب قدر میں نازل کیا ہے اور تم کیا جانو کہ شب قدر کیا ہے؟ شب قدر ہزاروں مہینوں سے زیادہ بہتر ہے۔" (القدر۔ 297-3)

یہ مبارک رات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں تلاش کی جاسکتی ہے۔ اس رات کی فضیلت کو پانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے کی طاق راتوں میں عبادت پر خصوصی توجہ دینی چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

ایک سال رمضان المبارک آیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"تم لوگوں پر ایک مہینہ آیا ہے جس میں ایک رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، وہ سارے کی سارے خیر سے محروم رہ گیا۔ اس رات کو خیر و برکت سے محروم وہی رہتا ہے جو واقعی محروم ہے۔" (ابن ماجہ)

فائدہ: 1۔ چونکہ آخری عشرہ شروع ہونے تک روزہ داروں کی کافی تربیت ہوچکی ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کی عبادت کو سونے سے کندن بنانے کے لیے رمضان المبارک کے آخری عشرے اور بالخصوص طاق راتوں میں لیلۃ القدر تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔

2۔ اس حکم کا مقصد روزہ داروں کو زیادہ سے زیادہ عبادت الٰہی اور ذکر الٰہی کی ترغیب دینا ہے۔ چونکہ رمضان المبارک اپنی بھرپور رفعتوں کے ساتھ اختتام کی جانب بڑھ رہا ہوتا ہے۔ اس لیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو جہنم کی آگ سے بچانے کے لیے قیام اللیل اور اعتکاف کے ذریعے تربیت دینا چاہتا ہے۔

3۔ انسان کی تعلیم و تربیت کے لیے آسان سے مشکل کا اصول ایک کارگر نسخہ سمجھا جاتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے محبوب بندوں پر یک لخت کوئی بوجھ ڈالنے کے بجائے ان کی تعلیم و تربیت ماہ

رمضان المبارک میں اسی اصول یعنی آسان سے مشکل کے تحت کرنا چاہتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے پہلے دو عشروں کی نسبت آخری عشرے میں زیادہ ریاضت اور عبادت کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ...... "میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اگر مجھے معلوم ہو جائے کہ شب قدر کون سی ہے تو میں اس میں کیا پڑھوں؟" تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"اللّٰھم انک عفو تحب العفو فاعف عنی"

ترجمہ۔ "اے اللہ! بے شک تو بہت معاف کرنے والا ہے اور معاف کرنے کو پسند کرتا ہے، پس تو مجھے معاف کر دے۔"

فائدہ۔ انسان سال کی 365 راتیں سو کر گزارتا ہے۔ اگر ان 365 راتوں میں ایک رات اللہ تعالیٰ کی رضامندی کی خاطر عبادت میں جاگ کر گزاری جائے تو اس کا اجر و ثواب کا وعدہ ہزاروں راتوں کے برابر کیا گیا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اس سے بھی بڑھ کر اجر و ثواب دیتا ہے۔

اللہ کی راہ میں خرچ کرنا

نماز، روزہ اور حج کا تعلق زیادہ تر بدن سے ہے۔ لیکن زکوٰۃ اور صدقات کا براہ راست تعلق مال و دولت سے ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے۔

"اور جو لوگ سونا چاندی جمع کر کے رکھتے ہیں اور ان کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے سو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ایک بڑی دردناک سزا کی خبر سنا دیجیے جو کہ اس روز واقع ہو گی کہ ان کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا پھر ان سے ان لوگوں کی پیشانیوں کو اور ان کی کروٹوں اور پشتوں کو داغ دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ ہے وہ مال جس کو تم نے اپنے لیے جمع کر رکھا تھا۔ سو اب اپنے جمع کرنے کا مزا چکھو۔" (التوبہ۔ 9:34-35)

اسی طرح ایک اور آیت میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

"تم ہرگز نیکی حاصل نہ کر سکو گے، جب تک وہ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہ کرو جو تمہیں بہت عزیز ہے۔" (آل عمران۔ 3:92)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

"حضور صلی اللہ علیہ وسلم سارے انسانوں میں سب سے زیادہ فیاض اور سخی تھے، لیکن جب رمضان المبارک کا مہینہ آتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت اور فیاضی کی کوئی انتہا نہ رہتی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فیاضی میں بارش لانے والی ہوا کی مانند ہو جایا کرتے تھے۔" (بخاری)

فائدہ: 1۔ راہ خدا میں صدقہ و خیرات سے جہاں مال کی پاکیزگی کا فریضہ ادا ہوتا ہے، وہیں اس سے نہ صرف اللہ تعالیٰ کی رحمتیں اور نعمتیں بارش کی مانند خرچ کرنے والوں پر برستی ہیں بلکہ اس سے معاشرے میں موجود طبقاتی تقسیم اور عدم مساوات کی خلیج کو بھی پاٹنے کا موقع ملتا ہے۔ غریبوں اور ناداروں کی مشکلات میں کمی لانے اور ان کی مالی اعانت کے لیے اللہ تعالیٰ نے معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد پر ان کے مال و دولت کی پاکیزگی کی خاطر سال میں ایک دفعہ زکوٰۃ کی ادائیگی کو فرض قرار دیا ہے۔

2۔ زکوٰۃ کے لغوی معنی پاکیزگی کے ہیں جبکہ شریعت کی رو سے زکوٰۃ مال کے اس حصے کا نام ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں بتائے ہوئے طریقے یعنی نصاب کے مطابق معاشرے کے صاحب ثروت افراد معاشرے کے غریب، نادار، مساکین اور ضرورت مند افراد میں تقسیم کرتے ہیں۔

3۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے ماہ رمضان المبارک بہترین مہینہ ہے۔ ایک تو اس ماہ مبارک میں کسی بھی فرض اور نفل عبادت کا اجر اللہ تعالیٰ کئی گنا بڑھا کر دیتا ہے اور دوم چونکہ معاشرے کے صاحب ثروت اور مال دار افراد تو اپنی مال داری اور ثروت کی وجہ سے افطاری میں انواع و اقسام کی نعمتوں سے مستفید ہوتے ہیں، لیکن معاشرے

کے غریب اور مفلوک الحال افراد جو روزے کی شدت کے باوجود اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لیے دن بھر محنت مزدوری کرنے پر مجبور ہوتے ہیں لیکن پھر بھی ان کو کھانے پینے اور پہننے کی وہ سہولیات نصیب نہیں ہوتیں جو کسی بھی انسان کا بنیادی حق ہیں۔ اس لیے اگر اس ماہ مبارک میں مال دار اور صاحب ثروت افراد معاشرے کے محروم افراد کے دکھوں کا احساس کرتے ہوئے اپنی زکوٰۃ اور صدقات پوری ایمان داری کے ساتھ ادا کریں تو اس سے معاشرے میں غریب اور بے سہارا افراد کے دکھوں اور غربت کو بانٹنے میں کافی مدد مل سکتی ہے۔

رمضان المبارک میں خرچ کرنے کی اہمیت بیان کرتے ہوئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔

''جو شخص اس مہینے میں کسی روزہ دار کو افطار کرائے تو اس کے لیے گناہوں سے مغفرت اور دوزخ کی آگ سے رہائی ہے۔ اس کو اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا روزہ دار کو اور اس سے روزہ دار کے ثواب میں کوئی کمی واقع نہیں ہوگی۔

صحابہ رضی اللہ عنہم نے عرض کیا۔ ''اے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم! ہم میں سے سب کے پاس اتنا سامان تو نہیں ہوتا کہ روزہ دار کو افطار کرائیں۔''

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ یہ ثواب اس کو بھی عطا کرتا ہے جو ایک گھونٹ دودھ، ایک کھجور اور پانی کے ایک گھونٹ سے کسی روزہ دار کو افطار کرائے گا۔'' (بیہقی)

فائدہ: 1۔ اس حدیث شریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اگر کوئی صاحب حیثیت نہیں ہے اور اس کے پاس کسی کو دینے کے لیے یا کسی کو افطار کرانے کے لیے کچھ زیادہ نہیں ہے تو ایک گھونٹ پانی یا ایک گھونٹ دودھ یا ایک کھجور سے بھی کسی مسلمان بھائی کو افطار کرا کے گناہوں کی مغفرت اور جہنم کی آگ سے بچنے کا اہتمام کر سکتا ہے۔

2۔ اسلام صدقات و خیرات کی بھی بھرپور حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک میں ایک ایک دانہ اور ایک پیسہ صدقہ و خیرات کرنے پر کم از کم سات سو گنا اجر کا وعدہ فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ جس کو وہ چاہے گا، اس سے بھی زیادہ عطا کرے گا۔

3۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے علاوہ اس ماہ مبارک میں کوشش کرنی چاہیے کہ روزانہ کچھ نہ کچھ مال اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کیا جاتا رہے، جس سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوگی۔ اس عمل سے جہاں صدقہ و خیرات کرنے والوں میں شکر گزاری اور ایثار و قربانی کا جذبہ فروغ پائے گا، وہاں اس عمل سے غریب اور بے کس انسانوں کی امداد کی راہ بھی ہموار ہوگی۔

4۔ تقویٰ کے حصول کے لیے جہاں بدنی عبادت کی بہت زیادہ تاکید بیان کی گئی ہے، وہاں مالی عبادت یعنی صدقہ و خیرات اور زکوٰۃ کی بروقت مستحقین کو ادائیگی بھی لازمی شرط ہے۔

اسلام مال اور دولت کو سینت سینت کر جمع کرنے کی ویسے بھی مخالفت کرتا ہے، اس لیے اس مبارک مہینے کے توسط سے زیادہ سے زیادہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنے کا خصوصی اہتمام کرنا اللہ تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کا باعث بن سکتا ہے۔ زکوٰۃ تقسیم کرتے وقت اس بات کا خصوصی خیال رکھنا چاہیے کہ اس میں کسی غریب اور مستحق زکوٰۃ کی عزت نفس مجروح نہ ہو، بلکہ انتہائی عاجزی اور خاموشی سے کسی کو بتائے بغیر مستحق لوگوں کی مدد کرنی چاہیے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

''صدقہ و خیرات اس طرح کرنا چاہیے کہ اگر یہ دائیں ہاتھ سے دیا جائے تو بائیں ہاتھ تک کو اس کی خبر نہ ہو۔''

یعنی بڑی رازداری اور خاموشی سے بغیر کوئی احسان جتائے اپنے ضرورت مند مسلمان بھائی کی مدد کرنی چاہیے۔ اسلام میں احسان جتانے کو برا فعل قرار دیا گیا ہے۔

فطرانہ

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے۔ "صدقہ فطر کو اس لیے واجب کیا گیا ہے تاکہ روزوں میں روزہ دار سے جو فضول اور بے حیائی کی باتیں سرزد ہو جاتی ہیں، ان کا کفارہ بنے۔ مساکین و غریبوں کے لیے کھانے، پینے کا انتظام ہو جائے۔ جو اسے نماز عید الفطر سے پہلے ادا کرے تو فطرانہ قبول ہوتا ہے اور جو اسے نماز عید کے بعد ادا کرے تو یہ بھی دوسرے صدقات کی طرح کا ایک صدقہ ہوگا۔" (ابوداؤد)

فائدہ: 1۔ جیسا کہ اس حدیث مبارک میں فطرانے کا بنیادی مقصد روزے کی حالت میں سرزد ہونے والی خطاؤں کا کفارہ ادا کرنا ہے یعنی اگر رمضان المبارک میں روزہ دار سے بھول چوک اور بشری کمزوریوں کے باعث ایسی خطائیں سرزد ہو گئی ہیں جن کی وجہ سے روزے کی قبولیت اور اس کے اجر و ثواب میں کمی کا امکان ہو تو اس کمی کے ازالے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے صدقہ فطر یا فطرانے کی ادائیگی کا حکم دیا ہے۔

2۔ فطرانہ کی ادائیگی میں غیر ضروری تاخیر سے اجتناب کیجیے۔ کوشش ہونی چاہیے کہ فطرانہ عید الفطر سے قبل ادا کر دیا جائے بلکہ عید الفطر سے بھی اگر دو چار دن پہلے اپنے حصے کا فطرانہ مستحق افراد میں تقسیم کر دیا جائے تو اس طرح معاشرے کے ضرورت مند اور مستحق افراد کو بھی عید الفطر کی خوشیوں میں شریک ہونے کا موقع مل سکے گا۔ مستحقین کو فطرانے کی بروقت ادائیگی سے مستحقین بھی اپنے بال بچوں کے لیے کھانے پینے کی اشیا، کپڑے اور بعض دیگر ضروریات زندگی کی خریداری عید سے قبل ہی کرنے کے قابل ہو سکیں گے۔

3۔ جتنا فطرانہ ایک شخص پر واجب ہے اس کی عدم ادائیگی یا ادائیگی میں ٹال مٹول اور تساہل کا سخت گناہ ہے۔ لہٰذا عدم ادائیگی کا تو تصور ہی محال ہے۔ البتہ اگر کسی کی استطاعت ہو تو واجب الادا فطرانے سے زائد مال بھی معاشرے کے غریب اور مستحق افراد میں تقسیم کر سکتا ہے۔ واجب فطرانے سے زائد صدقہ و خیرات کی ادائیگی سے مال و دولت میں برکت پیدا ہوگی اور اس اخلاص سے اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہوگی۔

4۔ اسلامی اخوت و محبت کا بھی یہ تقاضا ہے کہ جو انسان عید الفطر کے موقع پر اپنے اہل و عیال اور دیگر عزیز رشتہ داروں کی خوشی کی خاطر خوراک، لباس اور دیگر ضروریات زندگی کے ڈھیر لگانے سے بھی دریغ نہیں کرتا اسے چاہیے کہ اپنے معاشرے کے محروم اور غریب و نادار افراد کو بھی اپنی خوشیوں میں یاد رکھے۔

5۔ فطرانے کے واجب ہونے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ معاشرے کے صاحب ثروت افراد کو اس بات کا پابند بنایا جائے کہ جہاں وہ عید الفطر کی خوشیاں اپنے لیے سمیٹنے میں مصروف ہوں وہاں اپنے اردگرد رہائش پذیر ایسے مسلمانوں کو بھی یاد رکھیں جو اپنی غربت اور لاچاری کی وجہ سے اپنے آپ اور اپنے اہل و عیال پر خرچ کرنے کی استطاعت نہیں رکھتے۔ اللہ تعالیٰ نے بیواؤں، یتامیٰ، غرباء اور مساکین کی معاشی مجبوریوں کا ازالہ کر کے اسلامی معاشرے کو معاشی عدم مساوات کے بھنور میں گرنے سے بچانے کے لیے زکوٰۃ، صدقات اور فطرانے جیسے احکامات نازل کر کے دین اسلام کو رہتی دنیا تک پوری انسانیت کے لیے معاشی لحاظ سے ایک بہترین نمونے کے طور پر پیش کیا ہے۔

☆☆

جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے

س۔ک

س۔شادی کب ہوئی؟

ج۔1990ء میں شادی ہوئی۔

س۔شادی سے پہلے کیا مشاغل تھے؟

ج۔کم عمری میں شادی ہوئی، سگی پھوپھو کے گھر پنجاب سے کراچی آ گئے تھے۔ بس وہی جو لڑکیاں بچیاں کرتی ہیں، کپڑوں گہنوں کا شوق، کچی کیریاں اور اچھا کھانے کا شوق۔

س۔شادی میں مرضی شامل تھی؟

ج۔مرضی کیسی؟ پوچھا ہی نہیں جاتا ہمارے یہاں، پھر سگی پھوپھو کا گھر تھا تو بیاہ دیا گیا۔ میری ساری بہنیں، بھائی پنجاب میں رہتے ہیں اور میں یہاں بیاہی جا رہی تھی، کچھ ڈر بھی تھا، بس ہمارے یہاں رواج نہیں کہ لڑکی لڑکے سے پوچھا جائے۔

س۔شادی سے پہلے سسرال والوں کے متعلق خیالات؟

ج۔بچے تو زیادہ تر ننھیال میں رہتے ہیں، دل ماموں، خالاؤں میں ہی لگتا ہے۔ سنا تھا کہ پھوپھو کراچی میں رہتی ہیں اور کبھی آئی ہوں گی بچپن میں تو کچھ ذہن میں نہیں، پر رشتہ لینے آ گئی تھیں اچانک رشتہ ڈالا اور میرے ابا نے ہاں کر دی۔

س۔رسموں کے لین دین پر کوئی جھگڑا ہوا؟

ج۔ہم میوانی ہیں ہمارے یہاں رسمیں بھی بہت ہوتی ہیں۔ پر اس وقت تو پھوپھو بڑی معصوم بنی تھیں کوئی جھگڑا لڑائی نہیں منگنی بھی ایک سال رہی، میرے ابا کراچی بھی آئے تو اس وقت ان لوگوں کے پاس زیادہ پیسہ بھی نہیں تھا، ابا کو لگا کہ بہن نے اپنے سب سے بڑے بیٹے کے لیے ہاتھ پھیلایا ہے تو انکار نہیں کرنا، میرے ابا کو تو کسی بھی بات پر کوئی اعتراض نہ ہوا اور نہ ہی پھوپھو اور میرے پھوپھا کی طرف سے کوئی اعتراض کیا گیا۔

س۔شادی کے بعد شوہر نے دیکھ کر کیا کہا؟

ج۔بچپن میں تو انہوں نے بھی نہیں دیکھا ہوا تھا کہ دور دور رہتے تھے، ہم پنجاب اور یہ کراچی، پر بات پکی ہوئی تو دل میں تو لڑکیوں کے ہوتا ہے کہ میرا ہونے والا شوہر کیسا ہے۔ شکر ہے کہ بندہ تو دیکھنے میں اچھا ہی لگا تھا اور اس وقت تو میں بھی اپنے گھر کا کھائے پیے ہوئے تھی، خوب سرخ سفید تھی پہلے بھی سب ہی تعریف کرتے تھے، پھوپھو کو بھی سب یہی کہتے تھے کہ بڑی اچھی بہو پسند کی ہے۔ شادی میں بھی یہ ہوا کہ بارات تو کھانے کے بعد کراچی کے لیے روانہ ہو گئی تو بس سب کچھ سفر میں ہی رہا۔ پر میرا میاں مجھے چاہتا تھا بہت پر اپنے گھر والوں سے ڈرتا بہت تھا۔

س۔شادی کے بعد کام کب شروع کیا؟

ج۔میں سب سے بڑی بہو تھی گھر میں، میری پانچ نندیں اور ایک جیٹھ اور ایک دیور تھا۔ ہمارے یہاں برادری میں شادیاں ہوتی ہیں لیکن میرے جیٹھ اور دیور نے اپنی پسند سے کی تھی، بچپن کی منگنیاں توڑ کر تو بس سارا کام کا بوجھ مجھ پر یعنی بیاہ کر آنے والی بڑی بہو پر پڑا بس نہ پوچھو کہ سر منڈواتے ہی اولے پڑے۔

ہمارا گھر پسماندہ علاقے میں تھا اور بڑا سا صحن تھا اس کے ارد گرد کمرے بنے تھے۔ میرے کمرے کی ایک کھڑکی کمرے میں کھلتی تھی، بس میری نندوں نے خاص کر ایک چھوٹی نند نے تو بہت ہی تنگ کیا کیا میاں بیوی کی بھی کوئی پرائیویسی ہوتی ہے، بس جب دل چاہا کوئی کام ہوا جھٹ کھڑکی کھولتی تو نہ کوئی شرم نہ حیا، میں صبح سویرے سے جو اٹھتی تو ایک پیر پر کاموں میں لگی رہتی۔ ہمارے یہاں جب بارش ہوتی تو سارا صحن پانی سے بھر جاتا اور یقین جانیں میں اس پانی

pklibrary.com

سے گزر کر باورچی خانے تک جاتی۔ سردی ہو یا گرمی ہو، میری تو چلت پھرت صبح شام رات لگی رہتی۔

س۔ سسرال میں جو مقام ملنا چاہیے تھا وہ ملا؟

ج۔ توبہ کرو جی، کیسا مقام ...... میں تو بس خاندان کی لڑکی نام کی تھی، پر خاندان سے باہر کی یعنی میری دیورانی، جیٹھانی مزے کرتیں اور میں کاموں میں جتی رہتی، ہماری پھوپھو تو بس نام کی تھیں، رشتہ لیتے وقت وہ اس قدر معصوم بنی تھیں پر بعد میں اس طرح کہ سوتیلے رشتے بھی شرمائیں، اوپر سے نندیں بھی وہ تو بعد میں ان کی شادیاں ہوئیں۔ پھر رب العزت کا کرم کہ میرے آتے ہی ان لوگوں کا کاروبار بڑھا۔ ہم نے اپنا گھر خریدا پہلے والا کرائے کا تھا، لیکن کیسا مقام، میرا شوہر بھی خاموش ہی رہتا۔

س۔ سسرال میں تنقید ہوئی یا تعریف؟

ج۔ میرے ہر کام میں کیڑے ہی نکلتے تھے، میری دیورانی، جیٹھانی کے رشتے دار یہاں کراچی میں ہی تھے پر میرے تو کوئی بھی نہ تھے، بس یہیں زندگی گزارنی، جلنا کڑھنا اور کاموں میں جتے رہنا، پھوپھو کے سامنے سر اٹھانے کی جرأت میرے شوہر کو نہ تھی کہ جیٹھ کا نام تھا۔ ان کی اچھی سرکاری نوکری تھی بس وہ ہی آگے آگے رہتے اور ان کے بیوی بچے، پھر میری جیٹھانی اور دیورانی کو مجھ سے خار بھی رہتی کیونکہ ایک میں ہی تو خاندان کی تھی، ان دونوں نے بھی میرا جینا حرام کیا میری پھوپھو کو میرے خلاف بھڑکاتی رہتیں۔ گھر علیحدہ ہوا۔ میرا مطلب کہ میرا پورشن الگ ہوا تو میرے شوہر نے اسے اچھی طرح بنوایا اور پھر میری خواہش کے مطابق اس پر کام بھی کروایا۔

س۔ پہلے بچے کی پیدائش؟

ج۔ میری پہلی بیٹی ہوئی، اس پر بھی باتیں کہ بیٹی ہوئی ہے۔ یقین جانیں انہوں نے مجھے اتنا تنگ کیا، میرا سانس لینا مشکل کر دیا، میں سب کچھ چھوڑ کر پنجاب چلی گئی تو انہوں نے میری بچی کو رکھ لیا کہ تو چلی جا۔ ہم اپنی بچی کو نہیں دے رہے۔ میرا دل کتنا بے چین رہا نہ پوچھیں اور پھر جب یہاں کے حالات کے بارے میں سوچتی تو یہ بھی عذاب لگتا پر یہاں کسی کو میرے احساسات کی فکر ہی نہ تھی۔ دوسرا بیٹا ہوا تو اسے میں نے اپنے سے الگ ہی نہ کیا پر بیٹی میری پھوپھو کو ہی امی کہتی اور مجھ سے اس کا برتاؤ غیروں جیسا تھا، تائی اور چچی بھی اس کے کان بھرتیں پر اوپر والے کی کرم نوازی کہ اس نے یہ دوریاں ختم کیں۔ میری بیٹی کی شادی ہوئی، اس کے ایک بیٹی ہے۔ بیٹے کی شادی بھی کی۔

س۔ جوائنٹ فیملی سسٹم پسند ہے یا علیحدہ؟

ج۔ ہم تو سب ساتھ رہتے تھے پر شادی کے بعد جو وقت میں نے گزارا میں نے اسی وقت سوچ لیا تھا کہ جیسا وقت میں نے گزارا ہے، میں اپنی بہو کے ساتھ ایسا نہیں کروں گی اور میں نے ایسا نہیں کیا۔ کوئی زور زبردستی نہیں ہے میری بہو پر، وہ پڑھی لکھی ہے میری طرح نہیں ہے، پھر زیادہ خودمختاری بھی انسان کے لیے نقصان دہ ہوتی ہے۔ پھر بھی میں اسے زیادہ کچھ نہیں کہتی۔ اس کا اپنا کمرا ہے روپے پیسے کی کوئی کمی نہیں ہے۔ جوائنٹ فیملی سسٹم اچھا بھی ہے پر میرا تجربہ برا تھا۔

س۔ سسرال کے ماحول کو بہتر بنانے کی کوشش کی؟

ج۔ توبہ کریں۔ ان کا بس چلتا تو مجھے اٹھا کر باہر پھینک دیتے پر میں کام کرنے والی مشین تھی کون ہمت کرتا، ہمیں تو سر جھکا کر کام کرنا تھا زندگی جو گزارنی تھی۔

خواتین اور دوشیزاؤں کیلئے اپنی طرز کا پہلا ماہنامہ

خواتین ڈائجسٹ

مارچ 2025ء
کے شمارے کی ایک جھلک

- "نقش مہر وماہ" آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول،
- "آئینے اور گرد" راشدہ رفعت کا مکمل ناول،
- "پردیس" سمیرا حمید کا مکمل ناول،
- "مالا" نمرہ احمد کا مکمل ناول،
- "انگنا پھول کھلیں گے" راحت جبیں کا ناول،
- نادیہ جہانگیر، حمیرا شفیع، عقیلہ ہاشمی، جویریہ مریم اور قرۃ العین سکندر کے افسانے،
- "رمضان المبارک کی رونقیں" قارئین سے سروے،
- مقبول مصنفہ "امت العزیز شہزاد" کے انٹرویو کا بقیہ حصہ،
- معروف اداکار "عبدالمنان" سے باتیں،
- ہمارے نام، آپ کے خط، ہمارے جواب،
- نفسیاتی ازدواجی الجھنیں اور عدنان کے مشورے اور دیگر مستقل سلسلے شامل ہیں،

خواتین ڈائجسٹ کا مارچ 2025 کا شمارہ آج ہی خریدلیں

pklibrary.com

رمضان المبارک کی رونقیں

ادارہ

رمضان المبارک کی آمد آمد ہے۔ رمضان المبارک کے مہینے میں سونے، جاگنے کھانے پینے سے لے کر عبادات تک ہمارے معمولات یکسر بدل جاتے ہیں۔ اس بار ہم نے اسی کے حوالے سے سروے کیا ہے۔

سوالات یہ ہیں۔

1:- کیا آپ رمضان میں ٹی وی کی نشریات سے استفادہ کرتی ہیں؟

2:- گیس اور بجلی کی لوڈشیڈنگ میں سحر اور افطار کا اہتمام کیسے کرتی ہیں؟

3:- جو چیزیں ہم سال میں ایک دو بار ہی کھاتے ہیں وہ افطار میں کھانا کیوں ضروری ہو جاتی ہیں۔ جیسے فروٹ چاٹ، دہی بھلے، پکوڑے، چنے چاٹ وغیرہ۔

4:- سوشل میڈیا کی رفاقت میں کیا رمضان جلدی گزر جاتا ہے؟

شازیہ الطاف ہاشمی ......(رائٹر)

1:- اتنا ٹائم ہی نہیں ہوتا کہ ٹی وی کی نشریات دیکھوں۔ دن بھی بہت چھوٹے ہوتے ہیں۔ تو دل چاہتا ہے کہ جتنا بھی وقت ملے، وہ عبادت میں ہی گزاریں۔

2:- گیس کی لوڈشیڈنگ میرے گھر ہو ہی نہیں سکتی۔ کیونکہ میاں صاحب ایک اضافی گیس سلنڈر بھروا کے رکھتے ہیں اور جب ایک سلنڈر ختم ہوتا ہے تو میں دوسرا فوراً لگا لیتی ہوں اور بجلی کے چلے جانے سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ میں موبائل کی ٹارچ آن کر کے اپنا کام کر لیتی ہوں۔ سادہ سی سحری بناتی ہوں اور گزارا کر لیتی ہوں، اس طرح افطاری میں بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ زیادہ کھانے کی عادت نہیں ہے۔ تو اس لیے مسئلہ نہیں ہوتا۔

3:- ہمارے یہاں ایسا نہیں ہے کہ کوئی چیز سال میں ایک دو بار ہی کھائی جاتی ہو۔ جب دل چاہتا ہے، بنا لیتی ہوں۔ سموسے، پکوڑے، دہی بھلے میرے لیے کچھ بھی لازمی نہیں ہوتا۔ چائے میں پیتی نہیں ہوں۔ بہت سردی ہو تو ایک آدھ پیالی پی لیتی ہوں۔ فاطمہ، تہمینہ اور ماریہ ہم اکثر باہر کھانا کھانے چلے جاتے ہیں۔ میری بیٹیوں کو چکن پکوڑے پسند ہیں تو وہ میں ان کو بنا دیتی ہوں اور میرے لیے پانی، دو کھجوریں اور کوئی اچھا سا سالن کافی ہوتا ہے۔ اور میاں صاحب کو چکن پلاؤ پسند ہے تو پھر وہی بنا دیتی ہوں یا پھر کوئی بھی فرمائش کریں تو بنا دیتی ہوں۔

4:- سوشل میڈیا کی رفاقت نہ بھی ہو تو کوئی

فرق نہیں پڑتا۔ رمضان المبارک کے مقدس دن اور راتیں بہت جلدی رخصت ہو جاتی ہیں۔ ویسے تو وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے مگر رمضان کریم کا گزرنا آپ سب کے سامنے ہی ہے۔ اس لیے اس تھوڑی سی زندگی کو زندہ دلی سے گزاریں، خوش رہیں اور اللہ سے اپنا رابطہ کبھی نہ ٹوٹنے دیجیے۔

شگفتہ یاسمین...... ہوسٹ، آر جے، شیف

1:- میں تو خود ٹی وی کی نشریات میں جا رہی ہوتی ہوں۔ پھر گھر کا کام، عبادات، تو میرے پاس اتنا ٹائم ہوتا ہی نہیں ہے کہ میں نشریات دیکھ سکوں۔ پہلے ہوتا تھا ٹائم، اب نہیں۔ اب تو جاب سے آ کر نماز پڑھی، پھر افطار کا وقت ہونے لگتا ہے، اس کے بعد کچن۔

ہاں رات میں وقت ہوتا ہے مگر اس وقت گیم شوز چل رہے ہوتے ہیں اور مذہب کے بارے میں ذرا کم بات ہو رہی ہوتی ہے اور سحری کے بعد میرے سونے کا وقت ہو جاتا ہے کیونکہ اگلے دن مجھے پھر جاب پر جانا ہوتا ہے۔

2:- میرے سارے کام پہلے سے کیے ہوئے ہوتے ہیں۔ چونکہ میں ورکنگ وومن ہوں تو میں نے بیسن بھی پہلے سے گھول کے رکھا ہوا ہوتا ہے۔ پیاز کٹی ہوئی ہوتی ہے اور ہم پہلے ہی ڈیسائیڈ کر لیتے ہیں کہ آج کیا پکنا ہے جیسے میں مختلف ٹائپ کے پکوڑے بناتی ہوں۔ تو آج اگر پیاز کے پکوڑے بنانے ہیں تو کٹی ہوئی ہوگی۔ چنے بھی بوائل کر کے ان کے پیکٹ بنا کر فریزر میں رکھ دیتی ہوں۔ دہی بڑے کے بڑے پہلے سے بنا کر لاک بیگ میں ڈال کر فریز کر دیتی ہوں۔ تو میرا کام روزوں میں بڑا آسان ہو جاتا ہے۔ دہی میں اپنے گھر میں جماتی ہوں تو وہ تین چار دن چل جاتی ہے۔ تو میرا پچاس فیصد کام یا اسی فیصد کام پہلے سے ہی ڈن ہوتا ہے۔ تو رات کو اپنے سارے کام کر لیتی ہوں۔

گیس کا شیڈول رمضان میں آ جاتا ہے تو گیس کے ٹائم میں روٹیاں پکا کر سالن کو ہاٹ پاٹ میں گرم کر کے اوپر سے کسی موٹے کپڑے سے کور کر دیتی ہوں تا کہ وہ ٹھنڈا نہ ہو۔ چائے تھرماس میں بند کر کے رکھ دیتی ہوں۔ یہ سحری کا اہتمام ہوتا ہے تو میں بڑی آسانی سے تیزی سے اپنا کام کر لیتی ہوں۔

اسی طرح سالن کا بھی یہی حال ہے۔ چکن بنایا اور مسالہ بنا کر اسے مختلف پیکٹ میں رکھ دیتی ہوں تو ایک ہلدی والا، ایک آلو گوشت والا بنا دیا۔ تو رمضان میں مجھے صرف پیکٹ نکال کر اس میں سبزی ڈالنی ہوتی ہے۔

چار دن کا بنا کر رکھتی ہوں، اس سے زیادہ کا نہیں اور اس طرح چار دن کے بعد دوبارہ بنا کر رکھ دیتی ہوں۔ تو گیس ہو نہ ہو۔ بجلی ہو نہ ہو، کام تو کرنا ہے تو میں اس طرح اپنے کام کو آسان کر دیتی ہوں۔

3:- یقین کریں، ہمارے گھر میں دہی بھلے بنتے ہی رہتے ہیں۔ چنا چاٹ بھی بنتی رہتی ہیں اور جب شام کے وقت مہمان آ جائیں تو پھر دہی پھلکیاں ہی بنتی ہیں۔ چاٹ بنا لیتی ہوں تو سب بہت شوق سے کھاتے ہیں اور کچھ دن پہلے میں نے مہمانوں کے سامنے یہ اہتمام کیا تو انہوں نے کہا کہ یہ اہتمام تو رمضان میں ہوتا ہے۔ تو میں نے کہا کہ ہمارا تو جب

pklibrary.com

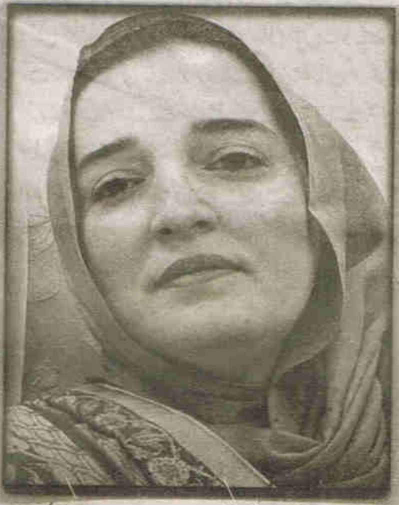

روزے میں قرآن کی قربت بہترین مصروفیت ہے۔

مریم عزیز......رائٹر+ڈرامہ رائٹر+ناول نگار

1:- سارا دن تو ٹائم ہی نہیں ملتا، قرآن پاک پڑھنا اور نماز، یہ دونوں کام بہت ریگولر ہو جاتے ہیں۔ افطار کے بعد فہد مصطفیٰ کا شو میں دیکھتی تھی اور گزشتہ سال میں پاکستان میں نہیں تھی، 2024ء میں کیونکہ وہاں (دبئی) میں چینل کی نشریات کے لیے پے کرنا پڑتا ہے۔ خیر افطار کے بعد ٹی وی نشریات دیکھ لیتی ہوں۔

2:- ہمارے پاس گیس سلنڈر رہے اور پاکستان سے باہر دبئی جہاں زیادہ رہتی ہوں۔ وہاں گیس پانی اور بجلی کا کوئی مسئلہ ہے ہی نہیں۔

3:- مجھے ہی روزہ رکھنا ہوتا ہے، اس لیے میں کوئی خاص اہتمام نہیں کرتی۔ سحری میں چپاتی، انڈا یا کوئی سالن۔

اور افطار میں دہی بھلے پسند نہیں اور پکوڑے بھی میں نے نہیں کھانے ہوتے کہ زیادہ پسند نہیں ہیں۔ البتہ فروٹ چاٹ ضرور کھاتی ہوں۔ کھجور اور پانی کے ساتھ روزہ کھول کے نماز پڑھتی ہوں اور اس کے بعد کھانا کھاتی ہوں، چائے بہت ضروری ہوتی ہے اور دل چاہتا ہے، ہم بنا لیتے ہیں۔

پکوڑے میرے شوہر کو بہت پسند ہیں تو وہ عام دنوں میں بھی اکثر فرمائش کر کے شام کے وقت پکوڑے بنوا لیتے ہیں۔ اور زیادہ تر پیاز کے پکوڑے بنتے ہیں......

ہاں فروٹ چاٹ ہمارے یہاں نہیں بنتی......

اور میرے خیال میں فروٹ چاٹ اس لیے بنائی جاتی ہے کہ آپ روزے کی حالت میں ہوتے ہیں تو آپ کو انرجی چاہیے ہوتی ہے، چونکہ پورا دن پانی بھی نہیں پیا ہوتا تو پیٹ میں فائبر کا جانا بہت ضرور ہوتا ہے تو اس پوائنٹ آف ویو سے فروٹ چاٹ بنائی جاتی ہے تو میں عام دنوں میں فروٹ چاٹ نہیں بناتی البتہ رمضان میں ضرور بناتی ہوں۔ جبکہ عام دنوں میں اکثر سلاد بنا لیتی ہوں۔

4:- یقین مانیے، سوشل میڈیا دیکھ رہے ہوتے ہیں۔ وہ تو پھر اپنے حساب سے ہی گزار رہے ہوں گے۔ جبکہ میرے پاس اتنا ٹائم نہیں ہوتا کہ میں سوشل میڈیا پر چیزوں کو دیکھوں اور روزے کی حالت میں تو میں بہت گریز کرتی ہوں اور میں دیکھنا بھی نہیں چاہتی۔ ہاں افطار کے بعد سارے کام کر کے جب میں آرام کرنے کے لیے لیٹتی ہوں تو تھوڑا بہت دیکھ لیتی ہوں، سوشل میڈیا اپنی فیس بک اور انسٹا گرام کو بھی اپ ڈیٹ کر رہی ہوتی ہوں تو پھر آرام سے سکون سے یہ کام کرتی ہوں۔

الماس خالد

1:- رمضان میں ٹی وی ڈراموں سے دور رہتی ہوں۔ البتہ مذہبی پروگرام دیکھ لیتی ہوں۔

2:- میں نے سلنڈر چولہا رکھا ہوا ہے۔ پھر بھی کافی پریشانی ہوتی ہے۔ اگر گیس یا بجلی نہ آ رہی ہو۔

3:- روزہ ایک عبادت ہے فروٹ اور پکوڑوں کی محتاج نہیں لیکن مسلم ممالک میں افطار کا اپنے روایتی کھانوں سے اہتمام کیا جاتا ہے۔

4:- سوشل میڈیا صرف وقت کا ضیاع ہے۔

pklibrary.com

رات کو نماز کے بعد جب بھوک لگتی ہے تو فروٹ چاٹ کھاتی ہوں۔ اس طرح وزن بھی کنٹرول ہو جاتا ہے۔

4:- روزہ کھولنے کے بعد سحری تک میں جاگتی رہتی ہوں اور روزہ کی نیت کر کے میں سو جاتی ہوں اور ظہر کے وقت اٹھتی ہوں تو سوشل میڈیا سے فائدہ اٹھاتی ہوں۔ مطلب دیکھتی ہوں مگر زیادہ نہیں۔

شاہدہ مرتضیٰ...... آرٹسٹ

1:- ہر چیز کے نگیٹو اور پوزیٹو اثرات ہوتے ہیں۔ اس طرح رمضان کی نشریات میں مثبت اثرات کم ہوتے ہیں اور منفی اثرات زیادہ ہوتے ہیں۔ مثبت اثرات میں جیسے مذہبی پروگرام ہیں۔ کوئز پروگرام ہیں تو ان پروگراموں سے لوگوں کی نالج میں اضافہ ہوتا ہے۔ باقی چیزیں جو رمضان سے متعلق نہیں ہوئیں وہ کمرشل پوائنٹ آف ویو سے چل رہی ہوتی ہیں۔ اور کمرشلز میں بھی جو مرچ مسالہ ڈالا جاتا ہے وہ اس موقع کے لیے بالکل نامناسب ہوتا ہے اور رمضان نشریات کے لیے جن خواتین و حضرات کو بٹھایا جاتا ہے معذرت کے ساتھ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جنہوں نے خود بھی کبھی عملی زندگی میں اس پر عمل نہ کیا ہوگا۔

پہلے ''عالم آن لائن'' جیسا پروگرام ہوتا تھا جو کہ بے حد معلوماتی ہوتا تھا۔ اب تو خواتین جنہوں نے اپنی عام زندگی میں دوپٹہ بھی نہیں اوڑھا ہوتا، وہ سر پر دوپٹہ لیے ہوئے ہوتی ہیں اور اس موقع پر بھی ان کے بال کھلے ہوتے ہیں اور چہرہ میک اپ سے بھرپور ہوتا ہے۔ بچپن میں ہم نے جو ٹی وی نشریات دیکھی تھیں اب ایسا کچھ نہیں ہوتا۔ پہلے آغاز میں ہی تلاوت حمد و نعت اور پھر دیگر پروگرام...... اب تو روزے کو بیچا جا رہا ہے افطاری اور سحری کو بھی بیچا جا رہا ہے۔ اب پروفیشنلزم تو رہا ہی نہیں ہے۔

2:- یہ تو پورے پاکستان کا المیہ ہے کہ نہ گیس ہے نہ بجلی اور نہ ہی پانی۔ لیکن الحمد للہ۔ الحمد للہ جہاں میں رہتی ہوں، وہاں گیس اور بجلی معمول کے مطابق نہیں جاتیں۔ کبھی مینٹیننس کے لیے چلی جائے وہ اور بات ہے۔ البتہ گیس کا بھی ایک شیڈول ہے

اس لیے مشکل نہیں ہوگی۔

پہلے جب میں ڈیفنس میں رہتی تھی تو وہاں بجلی اور گیس کے مسائل تھے تو پھر میں اپنے حساب سے سب کچھ مینج کر لیتی تھی یعنی بجلی اور گیس کے شیڈول پر چلتی تھی۔ اب جہاں رہتی ہوں، وہاں ایسے مسائل ہیں۔ مگر پھر بھی میں نے گیس سلنڈر رکھا ہوا ہے۔

3:- یہ ساری چیزیں بہت ضروری نہیں ہوتی ہیں۔ ہمارے گھر کا تو رول ہے کہ اگر چیزیں ہیں تو ٹھیک ہے، نہیں ہیں تو ضروری نہیں ہے۔ جس طرح ہم عام دنوں میں کھانا کھاتے ہیں اسی طرح ہم افطار میں بھی کھاتے ہیں۔ افطار کھجور اور نمک سے کرتے ہیں۔

کچھ لوگوں کا بلکہ اکثریت کا یہ مائنڈ سیٹ ہوتا ہے کہ افطار کے وقت یہ بھی ہو، وہ بھی ہو۔ تو ایسا نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کسی چیز کے لیے دل مچل رہا ہو تو ضرور بنائیے۔ لیکن میں سمجھتی ہوں کہ افطار کے وقت جو آٹھ دس قسم کی چیزیں ہوتی ہیں جیسے فروٹ چاٹ، سموسے، دہی پھلکیاں، پاپڑ، پکوڑے شربت بھی دو

pklibrary.com

تین قسم کے کسٹرڈ بھی کھلا ہے تو پڈنگ بھی ہے۔ سالن بھی ہے چاول بھی ہے نگٹس بھی ہیں تو یہ سب کچھ نہیں ہونا چاہیے۔ ایک تو بندہ اتنا کچھ کھا نہیں سکتا۔ زیادہ تر چیزیں بچ جاتی ہیں اور اکثر و بیشتر ضائع بھی ہو جاتی ہیں۔ سالن روٹی یا چاول کے ساتھ ایک دو چیزیں جیسے فروٹ چاٹ اور پکوڑے ہوں تو بہتر ہے۔

کفایت شعاری اختیار کریں کہ روزہ بھی یہی سکھاتا ہے۔ اور میں نے دیکھا ہے کہ جتنا رزق رمضان میں ضائع ہوتا ہے کسی اور مہینے میں نہیں ہوتا۔

4:- آپ بالکل ٹھیک کہہ رہی ہیں، اب لوگ زیادہ تر وقت موبائل کا استعمال کر کے گزارتے ہیں۔ یا ٹی وی دیکھ کر، گیمز کھیل کے اپنا وقت گزارتے ہیں۔ رمضان المبارک کی افادیت سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور ٹائم گزارنے کے لیے شیطانیت والے کام کرتے ہیں۔ آؤ مووی دیکھتے ہیں دو تین گھنٹے آرام سے گزر جائیں گے۔ چلو گیم کھیل لو۔ چلو یوٹیوب دیکھ لو۔ نہیں تو سو جاؤ، نمازوں کی کوئی فکر نہیں ہوتی۔ تو بہتر ہے کہ ہم اپنا زیادہ وقت عبادت میں گزاریں۔

سائرہ رضا......ڈرامہ نگار+

افسانہ نگار، ناول نگار

1:- گزشتہ تقریباً آٹھ سال سے ہم بہت کم ٹی وی آن کرتے ہیں۔ ہاں نیوز کے لیے ضرور ٹی وی آن کرتے ہیں یا پھر کوئی بہت ہی اچھا ڈرامہ چل رہا ہو تو دیکھ لیتے ہیں۔

میری والدہ کے گھر میں تو رمضان المبارک میں ٹی وی چلتا ہی نہیں ہے۔ بہت ہوا تو گھر میں ایک وقت نیوز کی خاطر ٹی وی آن ہو جاتا ہے۔ وہ بھی امی لگا لیا کرتی تھیں۔ اور پھر کوئی ایسی نشریات ہوتی بھی نہیں ہیں کہ جن کی خاطر ٹی وی لگایا جائے۔ ہاں اگر ذہنی آزمائش کا پروگرام چل رہا ہو تو میں ضرور دیکھتی ہوں کیونکہ مجھے اس ٹائپ کے پروگرام بہت پسند ہیں یا پھر اگر میری بچی کے اسکول کے بچوں نے جیو پاکستان کے پروگرام میں حصہ لیا تو پھر وہ ضرور دیکھتی ہوں۔ اللہ مجھے معاف کرے، باقی کچھ دیکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

بچپن میں جب میں اسکول کالج کی طالبہ ہوتی تھی تو اس وقت، رمضان میں رمضان ٹرانسمیشن کی مختصر نشریات آتی تھیں تو اس کی بہت ایکسائیٹمنٹ ہوتی تھی کیونکہ پروگرام کی کوالٹی بہت اچھی ہوتی تھی اس وقت مہمان اور میزبان بہت اچھے ہوتے تھے اور جو عالم دین ہوتے تھے، ان کی بات بہت گہری ہوتی تھی جو کہ دل و دماغ پر اثر کرتی تھی۔ اور لگتا تھا کہ بات مستند ہے۔ اب ایسا کچھ نظر نہیں آتا۔ اب تو تمام چینلز کی نشریات سے مجھے ننانوے فیصد اختلاف اور اعتراض ہے اور میں کبھی پسند نہیں کرتی اور اگر کبھی غلطی سے بیٹھ بھی جاؤں تو مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔

ہاں گزرے وقت میں، میں نے اگر رمضان میں کسی ڈرامے کو شوق سے دیکھا تو صائمہ اکرم چوہدری کا "چوہدری اینڈ سنز" تھا شاید...... وہ ضرور شوق سے دیکھا۔ اور جیسا کہ ابھی بتایا، کوئز پروگرام ضرور شوق سے دیکھ لیتی ہوں۔

2:- گیس اور بجلی کی لوڈ شیڈنگ میں ظاہر ہے ڈسٹرب ہوتے ہیں اور اسی حالت کے اندر رہتے ہوئے اہتمام کر رہے ہوتے ہیں۔ کئی روزے تو ایسے بھی گزرے کہ بچوں اور بڑوں نے چائے بسکٹ پر گزارا کیا یا پھر باہر سے شیر مال آجاتا ہے۔ ویسے میرے گھر میں باہر سے کھانا آنے کے چانسز بہت کم ہوتے ہیں۔ اب میں نے گیس کے لیے ایک الیکٹرک چولہا رکھا ہوا ہے۔ اس سے کام چلا لیتی ہوں۔

ایک بار میری بیٹیوں نے کہا کہ سحری کے وقت گیس کم ہو جاتی ہے تو مما ہم نے سحری کی نیت سے بارہ ایک بجے کھانا کھا لیا تھا تو وہی کافی ہے تو میں نے انہیں سمجھایا کہ سحری کی اپنی ایک افادیت ہے۔ حکم بھی

ہے اور سحری کرنا افضل بھی ہے۔ تو بس کیا کہوں خوار ہو جاتے ہیں گیس اور لوڈشیڈنگ میں لوگ بد دعائیں دیتے ہیں انہیں جو کہ عرش تک جائیں گی۔

(قصور بھی تو ہمارا ہی ہے سیارہ! پندرہ سال کا گیس معاہدہ کیوں ختم کیا گیا؟ قیمتی گیس بسوں اور گاڑیوں میں پھونک دی گئی۔ کارخانے بند ہو گئے، چولہے ٹھنڈے ہو گئے ایک پل کے لیے یہ کس نے کیا کبھی ہمیں سوچنا چاہیے کہ ایسا کیوں ہوا)

3:- اس سوال کا جواب تو میں خود بھی جاننا چاہتی ہوں کہ ہم رمضان میں یہ چیزیں کیسے کھا لیتے ہیں۔ اور یہ بھی معلوم کرنا چاہتی ہوں اور کسی کو معلوم ہو تو بتائے کہ یہ پکوڑے افطاری میں کہاں سے گھس گئے۔ بنتے تو میرے یہاں بھی ہیں اور شروع کے آٹھ دس دنوں تک بڑے اہتمام سے بنتے ہیں۔ مگر پھر آہستہ آہستہ کم سے کم ہوتے جاتے ہیں پکوڑے بننا۔ چنوں میں غذائیت ہے کھجور میں غذائیت ہے۔ پھل میں غذائیت ہے۔ تو شاید غذائیت کے پوائنٹ آف ویو سے اہتمام کر لیتے ہوں گے تو غذائیت تو اور بھی بہت سی چیزوں میں ہوتی ہے۔ نہ جانے کہاں سے ہمارے رمضان کلچر کا حصہ بن گئیں یہ چیزیں...... اور جب اتنا اہتمام کریں افطاری کا تو پھر رات کا کھانا نہیں ہوتا۔ بہت ہوتا ہے تو کوئی آدھی روٹی یا دو چار لقمے لے لیتا ہے رات کو۔ ورنہ عموماً پھر رات کو کھایا نہیں جاتا۔

4:- بالکل ایسا ہی ہے جو لوگ موبائل کے عادی ہیں۔ جن کو موبائل کا نشہ ہے، وہ گھنٹوں اس کے ساتھ گزارتے ہیں اور پھر ان کو آواز لگانی پڑتی ہے کہ بھئی آجاؤ روزہ کھل گیا ہے تو کہتے ہیں اچھا روزہ کھل گیا ہے، موبائل نے آپ کی پوری زندگی کو مار دیا ہے تو رمضان بھی اسی کا حصہ ہے۔

خدیجہ سلیم...... آرٹسٹ

1:- جی بالکل کرتی ہوں۔ الحمدللہ

2:- جی مشکل تو بہت ہوتی ہے۔ جلدی بھی

اٹھنا پڑتا ہے۔ مگر کام چل ہی جاتا ہے۔

3:- میرا خیال ہے کہ افطار کے وقت اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو روزہ کی فیلنگ نہیں آتیں۔ روٹی سالن یا چاول تو عام دنوں میں کھا ہی رہے ہوتے ہیں۔

4:- جی...... لیکن اگر آپ اسے پوزیٹو وے میں لیں تب۔ کم سے کم میں تو اسے بہت پوزیٹو لیتی ہوں۔

اقبال بانو...... رائیٹر

1:- میں تو عام دنوں کی نشریات میں استفادہ نہیں کر سکتی تو بھلا رمضان میں کیا کروں گی۔ رمضان میں تو میں ٹی وی بالکل بند رکھتی ہوں۔

2:- میرے گاؤں میں گیس نہیں ہے اور نہ ہی اگلے سو سال تک آنے کا امکان ہے تو جناب من گیس سلنڈر زندہ باد۔ البتہ بجلی کا متبادل موجود ہے یو پی ایس کی شکل میں۔ اس لیے مجھے ان دونوں کا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

3:- ہاں بھئی۔ کبھی کبھی میں بھی سوچتی ہوں کہ جب گیارہ مہینے ان چیزوں کے بغیر رہا جا سکتا ہے تو اس ایک مہینے میں بھی گزارا کرنے میں کوئی خاص مسئلہ ہوتا ہے۔ لیکن میں خود بھی تو شوق سے کھاتی

ہوں۔ہاہاہا۔

4:-شاید......لیکن ہمارا روزہ تو اس کی رفاقت کے بغیر بھی بہت تیزی سے گزر جاتا ہے۔میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کی عبادتیں قبول فرمائے۔ (آمین)

سعدیہ عزیز آفریدی......رائیٹر

1:-جی بھی بھی ورنہ مصروفیت کی وجہ سے کم ہی ٹائم ملتا ہے۔

2:-بجلی کی لوڈشیڈنگ کو تو کسی نہ کسی طرح مینج کر ہی لیا جاتا ہے لیکن گیس کی لوڈشیڈنگ میں ذرا مشکل ہوتی ہے تو ایک ایک منٹ کا حساب کتاب کرتے ہوئے سحر و افطار کا اہتمام کرنا پڑتا ہے۔

3:-یہ سوال بہت اچھا ہے۔کیونکہ رمضان برکتوں کا مہینہ ہے تو بہت سے ایسے اہتمام کا سبب بھی بن جاتا ہے جو نارملی ہم ذرا کم کم ہی کرتے ہیں۔افطاری ہو یا سحر اللہ کی برکتوں کے نزول کی وجہ سے آسان ہو جاتی ہے، اس لیے کھانے پینے کا چارٹ کچھ......بلکہ مکمل اپ ڈیٹ ہو جاتا ہے ساتھ بیٹھنے سے اور ساتھ مل کر افطار کرنے سے محبتوں کا ذریعہ بھی بن جاتا ہے۔

4:-رمضان میں ہمارے گھر میں سوشل میڈیا کے مقابلے میں رمضان کو خیر و برکت، نماز و قرآن کے ذکر کے ساتھ گزارنے کی عادت ہے۔ہاں تھوڑا بہت نیٹ وغیرہ بھی استعمال کر لیا جاتا ہے لیکن افطار کے بعد......میری دعا ہے کہ رمضان سب کے لیے خیر و برکت لے کر طلوع ہو اور ہمارے گناہوں کی مغفرت کے ساتھ غروب ہو۔(آمین)

نزہت سمن......ڈرامہ نگار

1:-رمضان کی نشریات نہیں دیکھتی کیونکہ رمضان المبارک میں ٹائم ہی نہیں ملتا۔میرے گھر میں ٹی وی افطار کے بعد کھلتا ہے اور وہ بھی میرا بیٹا کھولتا ہے صرف فہد مصطفیٰ کا شو دیکھنے کے لیے۔اس کے اختتام پر ٹی وی بند ہو جاتا ہے۔میرا خیال ہے کہ رمضان عبادت کا مہینہ ہے، اس میں وقت کا بہترین اور صحیح استعمال عبادت ہے۔

2:-ہم سحری اور افطاری دونوں ہی وقت سے پہلے بنا لیتے ہیں۔کیونکہ وقت جوں جوں قریب آتا ہے گیس کا پریشر کم ہو جاتا ہے البتہ بجلی کی لوڈشیڈنگ ہماری طرف نہیں ہوتی۔

3:-ہماری فیملی کا یہ خیال ہے کہ پکوڑوں اور فروٹ چاٹ کھانے کا جو مزہ رمضان میں ہے وہ اور دنوں میں نہیں ...... ہمارے ہاں افطار میں بہت اہتمام کیا جاتا ہے اور کھانا بھی ضرور بنتا ہے۔میرا خیال ہے، رمضان میں دسترخوان کی رونق افطار کے پکوان سے ہی ہوتی ہے۔اور افطار کا مطلب سموسے، رول، چنا چاٹ، فروٹ چاٹ، دہی بڑے، پکوڑے اور دیگر چیزیں ہی ہیں۔ورنہ چاول، روٹی سالن تو ہم سارا سال ہی کھاتے ہیں۔

4:-سوشل میڈیا کا استعمال روزہ کی حالت میں بہت کم ہوتا ہے سوائے فون یا میسج کے فون استعمال ہی نہیں ہوتا۔لیکن عشاء اور تراویح کے بعد ہم اپنے پسندیدہ ڈرامے ضرور دیکھ لیتے ہیں۔

pklibrary.com

گل ارباب......رائیٹر

1:- جی نہیں ہمارے یہاں ایک مدت سے ٹی وی اسکرینز بند پڑی ہیں۔ سوشل میڈیا پہ کسی رمضان سیریل کی شہرت دیکھ کر وہ ڈرامہ عید کے بعد یوٹیوب پہ دیکھ لیتی ہوں (شہرت اچھی یا بری ہونا شرط نہیں ہے)

2:- یہ دل کے زخموں پر نمک چھڑکنے والا سوال ہی نہیں ہے بلکہ دل کے زخموں کو چھیڑنے والا سوال بھی ہے۔ میں چونکہ پشاور کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں رہتی ہوں تو زمینی حقائق سے بخوبی واقف ہوں۔ ہمارے یہاں بجلی اور گیس کی لوڈ شیڈنگ بہت ہوتی ہے اور ماشاء اللہ سے دونوں محکمے وقت کے اس قدر پابند ہیں کہ بجلی اور گیس کے بٹن دبانے میں پابندی کرنے میں ایک سیکنڈ کی تاخیر نہیں کرتے لیکن بجلی، گیس کی واپسی کے وقت ان کی وقت کی پابندی والی تمام حسیات ختم ہو جاتی ہیں یادداشت بھی کھو جاتی ہے۔ "آن" کرنا ہی بھول جاتے ہیں۔

عام دنوں میں تو گزارا کرنا پڑتا ہے مگر رمضان میں ایسا نہیں ہو سکتا۔

بجلی کے لیے تو ہم نے تین سال سے سولر سسٹم لگایا ہوا ہے اور گیس کے لیے سلنڈر رکھا ہوا ہے۔ چاہے جتنا بھی مہنگا ہو جائے سحری میں تاخیر منظور نہیں۔ ویسے تو سحری اور افطار کے لیے لوڈ شیڈنگ نہ کرنے کا اعلان کر دیا جاتا ہے لیکن ایسا ہوتا نہیں ہے۔ غیر اعلانیہ لوڈ شیڈنگ تو معمول کا حصہ بن جاتی ہے۔

3:- سچ کہوں تو میں سموسے، پکوڑے، دہی بھلے اور فروٹ چاٹ جیسے "شرفا" سے بہت محبت اور عقیدت رکھتی ہوں اور شکر ہے کہ بچپن کی محبت سے کبھی بے وفائی نہیں کی......

ہمارے یہاں ناشتہ اور رات کا کھانا کھانے کا رواج ہے تو شام کی چائے پر بھوک چمک رہی ہوتی ہے۔ دوپہر کا کھانا چھوڑ کر جو کیلوریز بچاتے ہیں، وہ شام کی چائے میں سموسے پکوڑوں سے پوری ہو جاتی ہے اور ہم سب شکوہ کناں رہتے ہیں کہ مجال ہے جو دوپہر کا کھانا چھوڑنے سے بھی ایک چھٹانک وزن بھی کم ہوا ہو اور ایسا رمضان میں بھی ہے کہ ایک چھٹانک بھی وزن کم نہیں ہوتا۔

4:- سچ تو یہ ہے کہ میں عام دنوں میں بھی سوشل میڈیا پر کافی ایکٹو رہتی ہوں۔ لیکن خاص طور پر رمضان میں یا تو فیس بک کی آئی ڈی ڈی ایکٹیویٹ کر دیتی ہوں یا پھر سوشل میڈیا کا استعمال کم سے کم کر دیتی ہوں۔ کوشش یہ ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ وقت عبادات میں مصروف رہ کر گزارا جائے۔ قرآن پاک کی تلاوت معمول سے زیادہ رمضان میں سر فہرست رہتی ہے کیونکہ الحمد وللہ، الحمد وللہ پانچ وقت کی نماز تو ویسے بھی روٹین کا حصہ ہوتی ہے۔ اور باقی کا وقت بچوں اور صاحب کی پسند کے کھانے بنا کر گزار دیتی ہوں اور میرا خیال ہے کہ تقریباً سب ہی خواتین کا وقت عبادات اور کھانے پکانے میں ہی گزرتا ہوگا۔

☆☆

pklibrary.com

خط آپ کے

خط بھجوانے کے لیے پتا۔
ماہنامہ شعاع۔ 37۔ اردو بازار کراچی۔
Email:shuaa@khawateendigest.com

صدف ناصر گوجرانوالہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے
فروری کا ٹائٹل بہاروں کا سا ہوتا مگر نہیں ہے۔ بالکل پسند نہیں آتا۔ مگر خوشیوں سے دامن اس قدر بھرا ہے، ماشاء اللہ کہ یہ بھی پسند آگیا۔ حسب سابق، حسب روایت بچوں نے سالانہ امتحانات میں کامیابیوں کے نئے ریکارڈ قائم کردیے۔ الحمد للہ! چاروں بچوں نے نہ صرف ڈبل پوزیشنز حاصل کیں بلکہ "مناہل" نے "اسٹار آف دی کلاس" کا پرائز بھی حاصل کیا۔ "پارہ اور قرآن کلاس" میں سب نے بہترین پوزیشن لیں۔

یہ سب اللہ کا کرم، ہمارے والدین اور المشرق سائنس کالجز کے ساتھ ساتھ آپ سب کی دعاؤں کا ثمر بھی ہے۔

امتحانات کی تقریب انعامات اختتام کو پہنچی تو ہم خوشی سے سرشار واپسی کی راہ چلنے لگے تو سب مہمانوں کو "سی آف" کرنے کے لیے اسکول کی دو نہایت بہترین اور سینئر ٹیچر مس "فوزیہ فیصل" اور "نوشین کنول" کھڑی تھیں۔ ہم انہیں خوشی خوشی بتانے لگے کہ "ہمارے بچوں نے بہت سی پوزیشنز لی ہیں۔ ہم بے حد خوش ہیں۔ تو" مس نوشین" کہتی ہیں۔ "ہم آپ کی خوشی شعاع اور خواتین میں پڑھ لیں گے۔" پوچھا "جو پہلے لکھتی رہی، وہ نہیں پڑھا آپ لوگوں نے۔" تو مس فوزیہ اور نوشین بولیں کہ "پڑھا تو تھا مگر افسوس! ان سب میں ہمارا ذکر اور نام تو کہیں تھا ہی نہیں۔" ان کی بات سن کر قہقہہ کھل اٹھا۔ اور ان دونوں سے وعدہ کیا کہ ہم اب آپ کا ذکر ضرور کریں گے۔ آپ اداس نہ ہوں (ہاہاہا)

"حمد" اور "نعت" ہمیشہ کی طرح دل بہار" پیارے نبی کی پیاری باتیں" دل نشین۔

"اترا نئے سال کا سورج" دونوں ماہ اچھا بھی تھا مگر اداس بھی کرگیا۔ سوال نمبر 2 کے جوابات خاصے اداس کردینے والے تھے۔ "خط آپ کے" اداسی سے پڑھا کیونکہ خود کو غیر حاضر پایا۔ مگر پچھلے ماہ تبصرہ کیا۔ لکھنا تھا۔ "شازیہ جمال طارق" اور "راحت جبیں" کے شریک حیات کی وفات نے دل اتنا پریشان کرڈالا تھا کہ ڈائجسٹ پڑھے بغیر ہی آگے روانہ کردیے تھے۔

اس رات چار بجے تک نیند نہیں آئی۔ شازیہ چوہدری، فرحانہ ناز، آسیہ رزاقی، خالدہ جیلانی کون کون نہیں تھا،" جس نے رلایا نہ ہو۔ ہر دوسرے تبصرے میں شازیہ جمال کی تحریر کی فرمائش اور درخواست کرتی رہی۔ پرانے ڈائجسٹ میں جب خریدنے گئی۔ یہی کوشش رہی کہ شازیہ جمال کی تحریر والا ڈائجسٹ ہو۔ اتنی زبردست رائٹر اتنی اچانک چھوڑ کر چلی گئیں، دل پر ایک اور دکھ کا اضافہ ہوگیا۔ بہرحال سب کے لیے مغفرت اور جنت الفردوس کی دعائیں ہیں ہر نماز اور قرآن کے بعد دعا میں۔

"دھوپ دریچہ" تیزی اور خوب صورتی سے آگے بڑھتی تحریر" زیمل" کی اللہ خیر کرے، یہ" کومل" اور" حارث" کے شر سے محفوظ ہی رہے تو بہتر ہے۔ کومل کی خوش فہمیاں حد سے بڑھی ہوئی ہیں۔ "علیزہ" کا کردار بالکل اچھا نہیں لگتا۔ آپ سے گزارش ہے تحریر کی "پچھلی اقساط کا خلاصہ" ضرور دیں، ایک دم سے نئی قسط شروع

pklibrary.com

کرنا مشکل لگتا ہے۔

"ماء الملوک" کی "زمل" سے ملاقات کی۔ (زمل اور مریم عزیز کی زیمل، نام بھی ملتے جلتے اور حالات بھی) صد شکر کہ "چراغ شاہ کی بروقت کی بہادری نے زمل کو بچالیا۔ مگر پھر خود دنیا سے منہ موڑ کر چلا گیا۔

"عرفان شاہ" کا انجام بدترین ہونا چاہیے۔

"آزین" صاحب نے ہنوز سر درد کر رکھا ہے۔ نہ منہ سیدھا نہ حرکتیں سیدھی۔ عجیب نفسیاتی لڑکا ہے۔ بہرحال نگہت سیما بے حد تعریف کی حق دار ہیں جو حویلی کے ماحول کو اتنی اپنائیت اور محبت سے لکھتی ہیں کہ یہ اپنائیت دل میں اتر جاتی ہے۔

"نجات دل کا عالم" لے آئی ہیں۔ "بشریٰ احمد" ایک یہ بشریٰ پھر نعیمہ اور شازیہ جمال طارق ان کی تحریروں میں خاندانوں کا گٹھ جوڑ، سکون اور محبت، رواداری اور خلوص ملتا ہے۔ تبھی تو ہم ان کے فین ہیں۔

"سمیرا حمید" کی "ماہی" نے شروع میں دل تنگ کیا، پھر درمیان میں افسردہ اور اینڈ پر خوش کر دیا۔ ہمیں پختہ یقین تھا کہ یہ "دانیال" صاحب ہی ہیں۔ جو خطوط لکھتے ہیں بہرحال اچھی تحریر۔

"عیشہ حسین" کی تحریر کی دونوں اقساط ایک ساتھ ہی پڑھ کر بتائیں گے۔

"افسانہ نگری" میں آسیہ جحہ کی "ان کہی، ان سنی" ہو بہو ہر گھر، ہر گلی، محلے کی کہانی۔

"عقیلہ ہاشمی" نے "اصلی نقلی" کی خوب ہی پہچان کروادی، تحریر میں "ساس اور بہو" کی کیمسٹری خوب اچھی رہی۔

"ناشکری عورت" نے افسردہ کر دیا۔ حوا کی بیٹی کا اول و آخر لقب یہی ہے ہمیشہ سے یہی رہنا ہے شاید۔

"قرۃ العین سکندر" نے خوب "بدلہ" لیا۔

"مصباح" سے۔ اس کی "بے بسی" نے خوشی دی۔

"مستقل سلسلوں" نے فریش کر دیا۔ "واصفہ سہیل" کے "لذیذ پائے" بے حد اچھے رہے۔ اوو آل! ماہ فروری نے ماہ جنوری کی ساری اداسی کم کر دی۔ بے حد گزارش ہے کہ "نازیہ جمال" سے ملاقات کریں۔ ہمیں تفصیلی آگاہ کر دیں کہ "شازیہ جمال" کو کیا ہوا تھا؟

پیاری صدف! اللہ تعالیٰ آپ کو ایسے ہی خوشیوں سے نوازتا رہے۔ سچ ہے کہ اولاد کی کامیابی سے بڑھ کر کوئی خوشی نہیں ہوتی۔ بچے لائق ہوں یہ والدین کی بڑی خوش نصیبی ہوتی ہے۔

کراچی سے تسنیم کوثر شریک محفل ہیں، لکھا ہے

خوب صورت ناولز دلکش افسانے تمام سلسلے ہی شعاع میں چار چاند لگاتے ہیں۔ خاص طور پر مریم عزیز کا دلکش ناول دھوپ دریچہ کی کیا بات ہے مگر اس میں فرقان اور ضامن کا کردار سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ناول میں ان کی نوعیت کیا ہے اور اس کے علاوہ سسپنس سے بھرپور ناول ماء الملوک زبردست جارہا ہے مگر اب جلدی حقیقت کے قریب آجانا چاہیے نگہت سیما ویسے آپ بے حد اچھا لکھ رہی ہیں اس کے علاوہ عیشہ حسین کی شفا نے زیادہ متاثر نہیں کیا، دیکھتے ہیں اگلی قسط میں کیا ہوتا ہے۔ سمیرا حمید کی ماہی اچھی لگی مگر تھوڑی تھوڑی سی۔ اس کے علاوہ نجات دل کا عالم بہت بہت اچھا لکھا اور ہمیں تو بے حد پسند آیا۔ بشریٰ احمد آپ نے شاندار اسٹوری رقم کی اس کے لیے بہت مبارک باد قبول ہو۔

افسانوں میں ناشکری عورت لاجواب لگی قرۃ العین خرم ہاشمی خوش رہیں اور قرۃ العین سکندر کی پیاری سی کہانی بدلہ بہت اچھی لگی۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا تو بہت ہی اچھا لگتا ہے زیادہ تر سب کے ہی ملتے جلتے حالات ہوتے ہیں اس پیار کے ناتے میں ش س کراچی کا احوال یا آپ بیتی اچھی تھی خاص طور پر ان بہن کا سب کچھ بھلا کر ساس کی خدمت بڑی بات ہے لیکن سچی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اجر ضرور دیتا ہے۔ سروے بھی اچھا تھا۔ عینا عمر خان کی تحریر اچھی لگی۔ اس ماہ کی مسکراہٹیں بہت مزے دار لگیں اور کھلتا کسی پہ کیوں کے اشعار بہت اچھے تھے۔

پیاری تسنیم آپ کی محبتوں کے تہ دل سے ممنون ہیں اور آپ کو اپنی بہن سمجھتے ہی نہیں آپ ہماری بہن ہیں۔ ہر ماہ آپ سے ملاقات ہوتی ہے۔ یہ تعلق محبت کی وجہ سے ہی قائم ہے۔

رضوانہ وقاص کرلاں ہری پور سے تشریف لائی ہیں

شعاع اس دفعہ پانچ تاریخ کو مل گیا۔ لیکن پڑھ جلدی نہیں سکی۔ کیونکہ طبیعت خراب ہے۔ لیکن پھر رہا نہ گیا لکھنے بیٹھ گئی کہ خط لکھ ہی دوں۔ ماڈل ہنستی مسکراتی اچھی لگی۔ لیکن مجھے اس طرح بکھرے بال آگے اچھے نہیں لگتے۔ ”پہلی شعاع پڑھی۔ شکر ہے غزہ کے شہریوں کو سکون کی سانس نصیب ہوئی۔

”حمد ونعت“ پڑھی۔ پھر ”پیارے نبی کی پیاری باتیں پڑھیں“ حدیث کی روشنی سے ایک دو باتیں پوچھنا ہیں جو بیٹا یا بیٹی مردہ پیدا ہوتی ہے اسے قبرستان میں دفنانا چاہیے یا نہیں۔ اور دوسری شادی شدہ یہ جو آج کل چل رہا ہے یہ سب سلسلہ کہ میاں کسی اور لڑکی کے پیچھے اور بیوی کسی اور مرد کے پیچھے پلیز ضرور بتانا ہے، مسئلے پر شکریہ۔

”ناتا جوڑا“ پڑھا، ش س اپنی اپنی سوچ کی بات ہے۔ ماں اور بہنوں نے بھی تو بیٹا ہو، بھائی ہو شادی تو کروانی ہوتی ہے۔ تو اگر اپنی پسند سے کرلی تو بہو کو قبول کرنا چاہیے۔ ”اترا نئے سال کا سورج“ سب دوستوں کو پڑھا سب کے اپنے اپنے دکھ پریشانیاں ہیں۔ میں سب کو پڑھتی ہوں اچھا لگتا ہے۔ اب ایک ایک کا نام لیا تو خط لمبا ہو جاتا ہے۔ پھر جگہ نہیں دیں گی۔ سب کچھ پڑھ کر اچھا لگا۔ دیار حسن سے ملاقات کچھ خاص نہیں۔ سوری ”دستک“ میں شہریار زیدی کو پڑھ کر اچھا لگا۔ تفصیل سے لیں، انٹرویو، کتنے بیٹے، بیٹیاں ہیں۔ ”خط آپ کے“ نہ پڑھوں یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ عارفہ فضل کے خط میں پڑھا ہے سمجھ میں نہیں آئی کہ فرحانہ ناز ملک کے شوہر نازیہ کے شوہر کیسے ہوئے۔

حمیرا شفیع آپ کا ٹوٹکا اچھا لگا۔ میں صبح گرم پانی پیتی ہوں، کیا سارا دن گرم پانی پیا کروں۔ بتانا ہے ضروری۔

فرخندہ سلیم شکریہ۔ تسنیم کوثر شکریہ آپ میرے لیے دعا کرتی ہیں اور مجھے اپنی بہن سمجھتی ہیں خوشی ہوئی یہ پڑھ کر۔ عدینہ لغاری شکریہ آپ کا بھی آپ کو میری امی کا ناتا جوڑا اچھا لگا۔ جو جو مجھے یاد کرتی ہیں مجھے پڑھ کر خوشی ہوتی ہے میں سب کے خط لازمی پڑھتی ہوں اور پڑھ کر سب سے ملاقات ہو جاتی ہے۔

آپ سے پھر پوچھوں بھائی کی شادی کا احوال کب لگائیں گی۔ جنوری فروری میں تو نہیں لگایا۔ اور میری ایک دوست سمیرا اکھلا بٹ کی جو میرے خط میری باتیں لکھی ہوئی اچھی لگتی ہے۔ انہیں وہ خاموش قاری ہے تو ہمارے گاؤں میں ٹیچر عائشہ کی ٹرانسفر ہوئی ہے اس کے ذریعے میرا نمبر ٹیچر نے سمیرا کو دیا۔ تو جس دن سمیرا اکھلا بٹ نے فون کیا مجھے بہت بہت خوشی ہوئی۔ اسی طرح میرا دل کرتا ہے۔ ان سے ملاقات ہو جائے۔ اور اب بھتیجے کی مٹھائی بھی ٹیچر عائشہ کے ذریعے بھجوائی اب وہ مجھ سے بات کرتی ہیں اچھا لگتا ہے۔ یہ بھی مختصر لکھ رہی ہوں کہ خط لمبا ہو جائے گا آپ سے میرا نمبر مانگتی ہے تو دیں اچھا لگے گا آپ سے بات کر کے۔ میری اب یہی چھوٹی چھوٹی خوشیاں ہیں۔ شکریہ ”ان کہی ان سنی“ اللہ معاف کرے بھی بولتی ہے۔ آپا ماسی پھوپھی لیکن دوسری کے پیچھے بھی لگتی ہے۔ ”اصلی نقلی“ کیا کہنے کوثر چچی لگائی بجھائی میں پہلے نمبر پر ہے۔ ”نجات دل کا عالم“ اچھی لگی۔ تائی اور دادی عیشا اور انابیہ کو پسند نہیں کرتی تھیں۔

ہماری دادی تو سب سے بہت پیار کرتی تھیں۔ لیکن ہمارے پاس رہتی تھیں تو ہم سے بہت لاڈ پیار کرتی تھیں۔ اور ہم بھی ان کا بہت خیال رکھتے تھے۔ بہت یاد آتی ہے ان کی۔ ہم سے بچھڑے تین سال ہوگئے۔ دادی نے اچھا فیصلہ کیا اپنی پوتی کے لیے اور تائی کو بھی اب انابیہ ہی اچھی لگی بھانجی نے تو اپنا روپ جلدی دکھا دیا۔ ”ناشکری عورت“ ہم عورتیں ناشکری نہیں ہوتیں۔ پیار کی بھوکی ہوتی ہیں۔ اپنے والدین کو چھوڑ کر جاتی ہیں۔ تو شوہر کو تو زیادہ خیال پیار محبت کرنا چاہیے اور میری جیسی تو ہر حال میں اللہ کا شکر ادا کرتی ہے لیکن بعض بہت تیز طرار ہوتی ہیں۔ جو لڑکیاں بچے چھوڑ کر دوسرے کے پیچھے جاتی ہے۔ اور اس کی وجہ سے اب ساری عورتیں ہی کٹہرے میں کھڑی کی جاتی ہیں۔

”ماء الملوک“ شکر ہے زمل کو کوئی نقصان نہیں ہوا۔

چراغ سائیں کی وجہ سے زِل بچ گئی پلیز پلیز نگہت آپا زِل اور آزین کی شادی کرادیں۔ "شفا" دوسری قسط دیکھ کر ابھی نہیں پڑھی پڑھوں گی تو تبصرہ کروں گے۔ نظم اور غزل دونوں اچھی لگی۔

پیاری رضوانہ! اللہ تعالیٰ آپ کو صحت کاملہ سے نوازے۔ آمین۔ بہن رضوانہ کا فون نمبر 0333-5487289، جو بہنیں رضوانہ کو کسی ڈاکٹر یا حکیم کے متعلق بتانا چاہتی ہیں یا کوئی دعا بتانا چاہتی ہیں تو اس فون نمبر پر ان سے بات کرسکتی ہیں۔ رضوانہ بہن کو اللہ تعالیٰ سلامت رکھے۔ بہت محبت کرنے والی اور پیاری شخصیت کی مالک ہیں۔

نازیہ جمال، فرحانہ ناز ملک کی خالہ زاد بہن ہیں۔ فرحانہ ناز ملک کی وفات کے بعد ان کے شوہر نے نازیہ جمال سے شادی کرلی ہے۔

فرخندہ زوجہ سلیم لکھتی ہیں

اے اپیا کا حال ہے نے ثمرا؟ طبیعت کیسی ہے اور کراچی موسم کہ آیاں ملتان میں باہت اچھا موسم ہوگیا ہے نے۔ روز دھوپ نکلے ہے ایسا لاگے ہے جیسے سردیاں ختم ہوگئیں اور سردی کم کم لاگے ہے۔ ہمرے کو ای زبان باہوت پسند ہے۔ ہمرے اماں ابا اگرچہ ہندوستان کے ہیں نے ہجرت کرکے آئے تھے کہ او کمینے ہندوؤں اور بے سرم انگریزوں نے جینا حرام کرر کھا تھا نے۔

اور ہمرا پیدائشی شہر سندھ سکھر ہے پورا ہمرا بچپن سندھیوں کا ساتھ گزرا پھر شادی کے بعد ہم پنجاب آگئے اور ای حال ہے کہ ہم کو تو سندھی بولنی نہ آوے۔ ہے ہاں سمجھ آجاوے ہے اور پنجابی بی بس سمجھ آجاوے ہے بولنی نا ہی آتی۔

ہاں بہاری زبان باہوت پسند ہے پھر ہم کا ڈرامہ قدوسی صاحب کی بیوا باہوت شوق سے دیکھتی تھی نے اور اب ڈرامہ بجو بی باہوت پسند ہے کہ ذلیل بجو کی بھاوج نوین بی بہاری ہے نے۔ ہاں اپریل شمارے واسطے سروے کے سوال باہوت مزے کے رکھیے گا نے اور ساری سوال ہمرے خواتین ڈائجسٹ کا بارے میں ہونے چاہئیں نے تو کا خوب رہے اور سرورق پر کوئی زیورات سے لدی پھندی سی دلہن لگا دیجیے گا نے کہ بھر بھرا سرورق اچھا لاگے ہے کہ سالگرہ نمبر کی بی خوشی ہووے گی۔

ہم کا تو ای لاگے ہے کہ ہم جنت میں بی اللہ سے ڈائجسٹ مانگیں گے کہ ہم کو ڈائجسٹ پڑھنے واسطے دیجیے کہ ای ہمرا پسندیدہ کام ہے۔ ہمکا لاگے ہے کہ ہمری طوالت کی وجہ سے نے ہمری شادی کا احوال لیٹ ہورہا ہے جی مگر ہم بی کیا کریں کہ ہم کو زیادہ لکھنا پسند ہے جی۔

شعاع کے تازہ شمارے کا سرورق بہتر تھا مگر یہ سارے سرورق نہ جانے کیوں ایک جیسے لگتے ہیں۔ اداریہ میں تم نے غزہ سے متعلق اچھی خبر سنائی جسے پڑھ کر دل کو خوشی ہوئی۔

اس بار نبی کی باتیں بہت ہی اہم موضوع پر تھیں یعنی نکاح کے متعلق۔ بہت اصلاحی معلومات پڑھنے کو ملیں۔ دیار حسن سے ملاقات بہت پسند آئی کہ تفصیل سے تھی۔

نانا جوڑا بھی طویل ہونے کی وجہ سے اس بار بہت اچھا لگا۔ سروے کے جواب بھی دلچسپ تھے۔ اس بار تاریخ کے جھروکوں میں اتنی اہم اور دلچسپ معلومات دیں کہ دور آدم علیہ السلام کا آغاز کیسے ہوا تھا جو بہت اچھا لگا۔

خطوط میں رضوانہ کو دائمی صحت کی دعا کہ جلد اپنے پاؤں پر چل کر دروازے سے شعاع وصول کریں۔ صائمہ گل اپنی دلکش وادی کی طرح پیاری ہیں۔ عدینہ لغاری سلامت رہیں اور جویریہ حیدر، دونوں ناہید اقبال واسماعیل، ام ہادیہ اور صدف ناصر حاضر ہوجائیں۔

دھوپ دریچہ اپنے آغاز سے ہی بہت دلچسپ ہے اور میرا پسندیدہ ہوگیا ہے۔ حارث کے ساتھ علیزہ کاش سیٹ نہ ہی ہو زیمل کا کردار بھی اچھا ہے ہاں اس قسط میں ثاقب کا ذکر نہیں ہوا جو ہالا کو پسند کرتا ہے اور ناہید بیگم تو شیطان کی اچھے سے تربیت لی ہوئی ہیں۔ خیر ناول بہت سنسنی خیز دلچسپ ہے۔

نگہت سیما کے ناول کی قسط بھی خوب رہی جس میں شکر ہے زِل کے ساتھ کچھ برا نہیں ہوا مگر شانزے کی کہانی سن کر افسوس ہوا جسے کمینہ شوہر ملا اور شایان تو مجھے اب

pklibrary.com

آزین سے زیادہ اچھا لگنے لگا ہے۔

عیشہ حسین کے ناول کی پہلی قسط بہت پسند آئی کہ ناول کا پلاٹ منفرد تھا اور انداز تحریر بھی بہت اچھا تھا فاطمہ کا افسوس ہوا اور کاش ضرار اور یہ آخر میں ایک ہو جائیں اور میرے کلیجے میں ٹھنڈ پڑ جائے۔ جمال پر زلزلہ آ جائے جو نورے اور حارث کا الٹ ہے۔

بشریٰ احمد کافی دنوں بعد بہت ہی اچھے اور دلکش سے ناول کے ساتھ آئیں جس میں انابیہ کا کردار بہت پسند آیا جس نے شہری ہو کر بھی گاؤں کو قبول کیا اور ثابت قدم رہی۔ اس کا اچھا اینڈ ہوا۔

سمیرا حمید کا ناولٹ اپنے منفرد طرز کی بنا پر پسند آیا جس میں ہیروئن کافی منفرد سی تھی مگر ہیرو کا کردار بہت اچھا تھا پھر اینڈ بھی دیار غیر میں اچھا ہو گیا۔

عقیلہ ہاشمی کا دلچسپ افسانہ حقیقت سے قریب تھا۔

آسیہ جبہ بھی دوسروں کی ٹوہ لینے والوں کی داستان افسانے میں اچھے سے بتاتی نظر آئیں اور عنبرین کا کردار بہت پاورفل تھا اور واقعی دوسروں کی ہر بات میں فکر نہیں کرنی چاہیے کہ لوگوں کو تو بس بکواس کرنے کی عادت ہے۔

ناشکری عورت افسانہ ٹاپ پر تھا بہت ہی اہم اور اصلاحی موضوع پر رائٹر نے لکھا انداز تحریر دلچسپ تھا ہاں اکثر طویل افسانے بھی کتنے اچھے ہوتے ہیں۔ آخری افسانہ گھریلو سا تھا مجھے تو ویسے ہی ایسی کہانیاں پسند ہیں جو ساس نند اور بھابھیوں کی ہوں کہ اب تو رہ رہ کر دیکھ دیکھ کر دماغ بس ان میں ہی رہ گیا اور ایسی کہانیوں میں ہی سکون ملتا ہے کہ ہر کردار سے ایک مثبت یا اصلاحی پیغام ملتا ہے خیر افسانہ بہت اچھا تھا۔

پیاری فرخندہ! ہمکا تمری زبان میں لکھا خط بہت مشکل سے سمجھ میں آیا۔ بہاری سنی تو ہے لیکن کبھی پڑھی نہیں خوش رہو اور اسی طرح ہنستی ہنساتی رہو۔ شعاع پسند آیا بہت شکریہ۔ یہ جو تمہاری عادت ہے تفصیل سے باتیں کرنے کی۔ ہمیں بڑی اچھی لگتی ہے۔ خط پڑھ کر مزا آتا ہے۔ شائع نہیں کر سکتے۔ ہماری مجبوری تو تم جانتی ہی ہو۔

ناہید اقبال نے کراچی سے لکھا ہے

جنوری کے رسالے میں پہلی شعاع پڑھی امید و ناامیدی کے درمیان بھی آپ نے استقامت کا درس دیا دیکھیں ہم سب کی دعائیں قبول ہو گئیں فروری میں آزادی غزہ کی خوش خبری کے ساتھ پہلی شعاع حاضر ہے۔

جنوری میں مصروفیت بہت تھی مگر خواتین و شعاع باقاعدگی سے پڑھے۔ حمد پڑھی دوسرے شعر پر دل سے اللہ اکبر کی صدا بلند ہوئی نعت بھی بہترین تھی۔ میں سوچ رہی تھی آپ سے درخواست کروں گی نکاح کے بارے میں حدیثیں شائع کریں اس ماہ نبی کی باتیں بغیر فرمائش کے شائع ہو گئیں واقعی دل کو دل سے راہ ہوتی ہے جزاک اللہ، ناتا پڑھا ایک اور سبق ملا۔

”نئے سال کا سورج“ جنوری کے شمارے میں جگہ دینے کے لیے شکریہ۔ سدرہ کا رشتہ لگ گیا ہے، اتوار کو لڑکے کا منہ میٹھا کرانے جائیں گے۔ ”خط آپ کے“ حمیرا شفیع نے مجھے شاباش دی۔ میرا سینہ فخر سے پھول گیا ہے شکریہ حمیرا اپی آپ سے فرمائش کرنی ہے ہمارے فوجی بھائیوں پر بہت عرصے سے کوئی کہانی نہیں چھپی، ساجدہ حبیب بہت یاد آتی ہیں۔ ویسے تاریخ پیدائش کے حساب سے وطن کی محبت ہمارے خون میں بس رہی ہے اور فوجیوں کی بھی تو جی پھر کوئی کہانی ہو جائے فوجی بھائیوں پر۔

رضوانہ کے خط پڑھ کر لگتا ہے، وہ سامنے موجود ہیں۔ دھوپ دریچہ تینوں قسطیں ایک ساتھ پڑھیں اچھی کہانی ہے کوئل تو ”انگنا بول کھلیں گے“ کی ثانیہ لگ رہی ہے۔ ”ان کہی ان سنی“ (آسیہ جبہ) حیدر کا کردار اچھا تھا خدا خیر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ پھر ”ماہی“ پڑھی سمیرا حمید کی نئے سال میں دونوں ماہ انٹری مزہ آ گیا ماہی دل کی اچھی تھی۔ آخر میں خط والا مل گیا اینڈ اچھا کیا سمیرا نے (اصلی نقلی) عقیلہ ہاشمی اچھا سبق ہے ایک چپ سو سکھ کوثر جیسی عورتوں سے جیتنا مشکل ہے (نجات دل کا عالم) بشریٰ احمد موضوع بہت اچھا ہے۔ نبیؐ نے اسی لیے فرمایا ہے بچوں کو گود لو مگر ان کی ولدیت میں باپ کا نام ہی لگاؤ

سبق آموز کہانی تھی ویلڈن بشریٰ ناشکری عورت (قرۃ العین ہاشمی) حساس دلوں کے لیے دل کو چھوتی کہانی بہترین۔

اب نگہت سیما (ماہ الملوک) خوبصورت کہانی جنوری میں بہترین قسط تھی اس ماہ تشنگی رہی نگہت ذرا جلدی آگے بڑھائیں کہانی زل کے ساتھ ٹھیک نہیں کر رہا آزین۔ بدلہ (قرۃ العین سکندر) جیسی کرنی ویسی بھرنی مگر سب کی مجبوری ہے وقت میں برکت ختم ہو گئی ہے اچھی کہانی لکھی۔

عیشہ حسین کا ناول 'شفا' پڑھا اس ماہ کی بہترین تحریر کہانی نے شروع سے ہی اپنے حصار میں جکڑے رکھا سورۂ بقرہ اور مرض کا مطلب جزاک اللہ اگلی قسط کا بے چینی سے انتظار رہے گا۔ کہانی پڑھتے ہوئے لگ رہا ہے مالا پڑھ رہی ہوں خوش رہیں عیشہ۔

باتوں سے خوشبو آئے۔ علم میں اضافہ ہوا۔ بچوں کو سناتی ہوں خدا ان کو عمل کی توفیق دے آمین۔ دستک میں شہریار صاحب کا انٹرویو پڑھا پی ٹی وی پر نیرہ نور کے ساتھ ان کا ایک گانا آتا تھا ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا یہ نیرہ جی کے شوہر ہیں شکریہ شاہین! تاریخ کے جھروکوں سے اس دفعہ تو کمال ہی ہو گیا حضرت آدمؑ کے ساتھ اتنی اشیاء، رب کریم کے ہر کام میں حکمت پنہاں ہے۔ جزاک اللہ پورا شعاع ہی بے مثال ہے چمن خان کا شعر اچھا لگا۔

پیاری ناہید! شعاع آپ کو پسند آیا۔ تہ دل سے ممنون ہیں۔ سدرہ کے رشتہ پر مبارک باد اور دعائیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں خوشیاں دے۔ آمین۔

زاہدہ شوکت نے ساہیوال سے لکھا ہے

یہ سال بھی ختم ہو گیا۔ کچھ اچھی یادیں بھی ہیں اور غم بھی۔ گزشتہ سال جنوری 28 کو میرے تیسرے بیٹے عثمان کی شادی ہوئی اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ سارے کام بیٹے کی خواہش کے مطابق ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ ان کو خوش رکھے، پوتے کے تین سال بعد بڑے بیٹے کے بیٹی ہوئی جس کا استقبال بیٹوں سے بھی زیادہ کیا، ہمارے گھر میں اللہ کی رحمت ہو گئی۔ رزق میں اضافہ ہوا۔ نئی گاڑی گھر میں آئی۔ اللہ کا جتنا بھی شکر کریں کم ہے۔ کچھ قریبی دوست دنیا سے رخصت ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ جنت میں اعلیٰ مقام دیں اور مغفرت کریں۔

پیاری زاہدہ! بیٹے کی شادی اور پوتی کی آمد مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ آپ کی زندگی کو اسی طرح ہرا بھرا رکھے۔ زندگی میں کسی چیز کی کمی نہ ہو۔ آمین

ایچ ایس ایچ تحصیل سمبڑیال سے لکھتی ہیں

سرورق پہ براجمان دوشیزہ انڈین ایکشن مووی کی ہیروئن لگ رہی ہے۔ پینٹنگ ہے ہائے داوے ایک ہی کیٹگری کی ماڈلز آ رہی ہیں آج کل پلیز تھوڑا چینج لائیں یہ فروری کا مہینہ تھا تو سرورق پہ ماڈل کو بھی بارش کے سنگ آنا چاہیے تھا اب مارچ آ رہا ہے تو پلیز اچھا سا ہو پلیز پلیز

......

سب سے پہلے پہلی شعاع پڑھی شکر ہے غزہ میں جنگ بندی ہو گئی۔ ان شاء اللہ ہمارا کشمیر بھی ایک دن اپنی آزادی پائے گا، اس کے بعد فہرست پہ نظر دوڑائی ارے واہ سمیرا کا ایک اور ناولٹ شکریہ آپ کا بھی۔ شفا بہت ہی خوب عیشہ ویسے یہ ناول پڑھ کے مجھے حسنہ حسین کی وائبز آئی ہیں مجھے لگتا ہے عیشہ حسین بھی حسنہ حسین کی بہن ہیں اس کے بعد خط پڑھے ارے ہاں مجھے شکریہ کرنا تھا آپ کا اتنے خوب صورت جواب اور دعا کے لیے ان شاء اللہ میں بھی اس ڈائجسٹ کے آسمان پہ دوسری رائٹر ستاروں کے ساتھ ٹمٹماؤں گی ان شاء اللہ آپ سب کی دعا ہونی چاہیے۔ آپی پوچھنا تھا یہ رنڈوا تو نہیں ہوتا۔ جس کی بیوی فوت ہو جائے یا کنوارے کو بھی یہی کہتے ہیں۔ دھوپ دریچہ مریم عزیز آپ کی تحریریں مجھے بہت پسند آئی ہیں ویسے آپ کی تعریف بھی نہ سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ خوب صورت الفاظ نہیں ہوتے میرے پاس اس لیے بس، اچھی ہے، بہترین ہے شان دار ہے بہت خوب ہے، جیسے الفاظ سے کام لیتی ہوں پلیز میرے ان بے رنگ موتیوں کو قبول کر لیا کریں۔

بشریٰ احمد کا ناول بھی خوب رہا۔ مجھے لگتا تھا اویس اور انا یہ دونوں دودھ شریک بہن بھائی ہیں۔ مزہ آیا کہانی پڑھ کر۔ اب بات ہو جائے افسانوں کی تو اس ماہ ٹاپ آف دی لسٹ جو افسانہ تھا وہ ان کہی، ان سنی ویری

pklibrary.com

ویلڈن آسیہ جی، باقی افسانے بھی اچھے تھے، بہت کچھ کہتے ہوئے اور بہت کچھ سناتے ہوئے اور واصفہ جی آپ کا بھی بہت بہت شکریہ اتنے مزے کے پکوان دینے کے لیے ہاں ایک بہن نے ایک ناول کے بارے میں پوچھا تھا جس میں وہ سب مسالے والی چائے پیتے تھے اس کا نام "احساس" ہے آپ سے گلہ بھی ہے کہ جو رائٹرز غائب ہوتی ہیں ان سب کو لے آئیں چاہے سب کی کنپٹی پر بندوق تان کر (ویسے نہ آپ رائٹر لوگ پریشان نہ ہوں میں تو بس ایویں ہی مذاق کر رہی تھی بھئی میرے بس میں ہو تو پھول بچھاؤں آپ کی راہ میں)

پیاری بہن! تعریف کے لیے شان دار الفاظ کی ضرورت نہیں۔ سچے جذبات کی ضرورت ہوتی سچے دل سے کی گئی تعریف شان دار الفاظ سے زیادہ اثر رکھتی ہے۔ رائٹرز نے آپ کو چھوڑا نہیں ہے۔ بس وقت نہیں ملتا۔ اس لیے لکھ نہیں پاتیں عرصے بعد شعاع میں سمیرا حمید کی تحریر شائع کر کے ہمیں بھی بہت خوشی ہوئی ہے۔ رنڈوا اس کو کہتے ہیں جس کی بیوی فوت ہو جائے۔

عینا عمر خان نے کراچی سے لکھا ہے

عارفہ فضل جی آپ نے جو کچھ شازیہ جمال کے بارے میں لکھا ایک ایک لفظ میرے دل کا ترجمان ہے، شازیہ جی کی موت کا یقین ہی نہیں آتا ایسے لگتا ہے جیسے کوئی بہت اپنا بچھڑ گیا ہو۔ میرا دل بہت زیادہ دکھی ہے۔ میں سمجھتی تھی کہ شاید مجھے ہی بہت زیادہ دکھ ہے شازیہ جی کے دنیا سے جانے کا مگر آپ کا خط اور بہت ساری دوسری بہنوں کے خط پڑھ کر پتا چلا کہ وہ صرف مجھے بہت پیاری نہیں تھی بلکہ وہ ہر دل عزیز تھی۔ وہ سب کو بہت پیاری تھی ساری بہنیں اس کے لیے ایسے دکھی ہیں جیسے کوئی بہت اپنا بچھڑ گیا ہو۔ آہ! شازیہ! جب بھی تمہارا نام آئے گا دل سے اک......آہ......نکلے گی۔

نازیہ جمال صاحبہ اگر آپ میرے یہ الفاظ پڑھیں تو تعزیت قبول کریں۔ اللہ آپ کے دل کو صبر عطا کرے آپ کی بہن سے ہم نہ کبھی ملے نہ کبھی انہیں دیکھا اس کے باوجود ہمارا دل غم سے نڈھال ہے تو آپ کا کیا حال ہوگا، اللہ ہے جو دلوں پر مرہم رکھتا ہے اور دلوں کو صبر دیتا ہے اللہ تعالیٰ آپ سب کے دلوں کو صبر عطا کرے۔ اسماء بنت محمود فیاض آپ نے مجھے رائٹر بننے پر خوش آمدید کہا اور اپنے گھر کا فرد سمجھا۔ بہت شکریہ۔ آپ کا تعلق بازار گاؤں سے ہے تو یہ خوش خبری بھی سن لیں کہ میرا تعلق بھی بازار گاؤں سے ہے اور ہمارا بازار گاؤں اتنا بڑا تو ہے نہیں چھوٹا سا گاؤں ہے ہمارا یقیناً ہم ایک دوسرے کو جانتے ہوں گے، کہتے ہیں نا کہ دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آپ نے یہ نہیں لکھا کہ کراچی میں آپ کہاں رہتی ہیں اگر کیماڑی میں رہتی ہیں تو آپ سے ضرور ملاقات ہوگی۔

صائمہ گل صاحبہ آپ نے مجھے اپنے گاؤں مردان آنے کی دعوت دی مگر افسوس آپ کا دعوت نامہ جب میں نے پڑھا تو واپس کراچی آ چکی تھی مگر اس کے باوجود آپ کا بہت شکریہ، اگر قسمت میں ہوا تو ضرور ملاقات ہو جائے گی۔

شعاع میں بہت شوق سے پڑھتی ہوں اس کے سارے سلسلے مجھے بہت پسند ہیں خاص طور پر (ناتا)

پیاری عینا! شازیہ جمال کی اچانک موت سے ہمارے دل کو بھی شدید دکھ پہنچا ہے۔ مگر کیا کر سکتے ہیں اللہ کی مشیت کے آگے بندہ لاچار ہے شعاع کی پسندیدگی کے لیے شکریہ۔

صائمہ غلام رسول سمہ سٹہ سے شریک محفل ہیں، لکھا ہے

پہلی شعاع کی دعا اللہ پاک قبول کرے (آمین) حمد اور نعت بہت لاجواب ہے۔ پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھ کر بڑا سکون ملا ہے دل کو۔ جب تجھ سے ناتا جوڑا ہے پڑھ کر بہت ساری سبق آموز نصیحتیں ملیں۔ تمام افسانے بے حد لاجواب اور سبق آموز تھے۔ مکمل ناول پرنس چارمنگ (فلک تنویر) کا لاجواب ہے۔ کیا مصنفہ (فلک تنویر) کوئی اور اچھا ناول لکھیں گی؟ موسم کے پکوان تو لاجواب ہیں۔ خوب صورت بننے کے جتنے ٹوٹکے ہیں، میں نے سارے استعمال کیے ہیں انتہائی کمال اور لاجواب ہیں آپ سوچ رہے ہوں گے کہ میں نے خوب صورت بننے کے ٹوٹکے کیوں استعمال کیے تو میں بتا ہی دیتی ہوں کیونکہ

pklibrary.com

میری بہت جلد شادی ہونے والی ہے۔ آپ سب میرے لیے دعا کریں۔ میری دو بھابھیاں اور دو جیٹھ بھائی ہیں اور چار نندیں ہیں جن میں تین بڑی نندیں اور ایک چھوٹی نند ہے۔ ایک دیور بھائی ہے۔ میری بڑی نند میری بڑی آپی ہے۔ اور باقی نندیں میری باقی آپیاں (آپی) ہیں اللہ پاک میرے مرحوم ساس سسر (یعنی امی ابو) کو جنت الفردوس میں جگہ دے۔

پیاری صائمہ! شادی کی مبارک باد! ہماری دعا ہے کہ زندگی کا یہ نیا موڑ آپ کی زندگی کو خوشیوں سے بھر دے۔ آمین۔

انیقہ مرید نے شہر کالا ضلع ڈیرہ غازی خان سے شرکت کی ہے، لکھتی ہیں

اس دفعہ میں نے سوچا کیوں نہ اپنے شہر کالا کا تعارف کرادوں۔ یہ دیہات اور شہر کا مکسچر ہے۔ یہاں بولی جانے والی زبان سرائیکی ہے۔ ادھر کے زیادہ تر لوگ کھیتی باڑی سے وابستہ ہیں۔ بعض فوجی، چند ڈاکٹر (ایم بی بی ایس) بہت سارے دکان دار ہیں۔

یہاں تین تین بوائز گرلز پرائمری اسکول ہیں بمعہ ایک گرلز اور ہائی اسکول کے واحد بوائز کالج قریبی شہر "شادن لنڈ" میں ہے، کوچنگ سینٹر بے شمار ہیں۔ ایک بڑا سرکاری اسپتال ہے۔ ہمارے گھر کی لائن میں چار گھر چھوڑ کر بہت بڑا بازار ہے۔ جس میں جانے کا آج تک ہمیں شرف حاصل نہیں ہوا۔ وجہ یہ بلوچوں کا کہنا ہے لڑکیاں بازار میں اچھی نہیں لگتیں۔ جو پسند آجائے، گھر میں خرید لو کہیں آتے جاتے پردے کے اندر ہی ہم بازار کی گہما گہمی اور ہل چل محسوس کر لیتے ہیں۔

ہمارے گھر سے آگے دو گلیاں چھوڑ کر کھیتوں کا ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ "جہاں ہم کسی بھی وقت" باادب باملاحظہ" جاسکتے ہیں۔ وجہ ان میں بیشتر حصہ ہمارا اپنا ہے۔ کھیتوں میں چند ایک لوگوں کے آم کے باغ ہیں۔ بچے چوری سے توڑ کر ادھر گڑھے میں چھپا کر خالی ہاتھ واپس آتے ہیں۔ معاملہ ٹھنڈا ہونے پر آدھے سے کم برآمد کر لاتے ہیں۔ نوجوان سعودی عرب دبئی جانے کے خواب دیکھتے ہیں وہاں سے چھتر دل کروا کے ماں باپ کی خوب قدر کرتے ہیں۔

لڑکیاں یہاں کی بڑی پڑھاکو ہیں جن میں کچھ غازی یونیورسٹی، ڈی جی خان کا نام روشن کر رہی ہیں اور کچھ اپنی ذہانت کو پس پشت ڈال کر سسرال میں نوکری کر رہی ہیں۔

صرف یہی نہیں کچھ ایسی بھی ہیں جو شادی بیاہ پر پہننے والے کپڑے دکھانا تو درکنار کسی کے ہم شکل بھی زیب تن کرنا توہین سمجھتی ہیں۔ اگر کبھی اتفاقاً ایسا ہو جائے تو غصے میں مجمع کو چیرتے ہوئے فوراً سے بیشتر جا کر لباس تبدیل کر لیتی ہیں۔ پوچھنے پر ہاتھ اٹھا کر ناک چڑھا کر" بہت الجھن ہو رہی تھی اس لیے اب کچھ سکون ملا ہے۔" جواب دیتی ہیں۔ حقیقت ہے یہ۔ میری شاپنگ کا اندازہ اوپری لائن سے لگالیں۔ خیر قاری بہنیں دعا کریں بھائی مجھے غازی یونی میں ایڈمیشن کروانے دیں۔ انٹر ادھر سے کر کے اب میں فارغ ہوں۔

مزے کی بات رسالے پڑھنے پر یہاں کوئی پابندی نہیں ہے۔

اب ماہ الملوک پر تبصرہ نگہت یہ شایان اتنی جلدی سدھر گیا، اب اس میں ہیرو (زل کا) بننے والی تمام خصوصیات ہیں دیر کس بات کی۔ سمیرا حمید کا خصوصی شکریہ ہمارے لیے وقت نکالنے کے لیے۔ شفا اور دھوپ دریچہ ناول پر تبصرہ اگلے ماہ پر ادھار ہے۔

پیاری انیقہ! آپ نے اپنے گاؤں کا تعارف کرایا، جان کر حیرت ہوئی۔ اب بھی کچھ ایسی جگہیں ہیں جہاں پرانی روایات باقی ہیں۔ آپ کے ہاں اچھی بات یہ ہے کہ روایات کی پاس داری ضرور ہے لیکن لڑکیاں پڑھ بھی رہی ہیں اور اعلا تعلیم بھی حاصل کر رہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کے خواب بھی پورے کرے اور آپ کے بھائی آپ کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن دلوا دیں، ہماری دعائیں آپ کے ساتھ ہیں۔

☆☆

مریم عزیز

دھوپ دریچہ

لاہور کے ایک بڑے بزنس مین غلام عباس کی خوب صورت بیٹی یونی ورسٹی میں پڑھتی ہے جہاں ایک لڑکا ثاقب اس میں دلچسپی لیتا ہے ہالہ اسے نظر انداز کرتی ہے۔ غلام عباس کا بڑا بیٹا حارث بزنس میں باپ کا ہاتھ بٹاتا ہے۔ اس کی ناہید خالہ جو لاہور کے پسماندہ علاقے میں رہتی ہیں اپنی ماں کے کہنے پر ان کی دیکھ بھال کرتا رہتا ہے ان کی بڑی بیٹی کوئل حارث کے خواب دیکھتی ہے جبکہ حارث کی منگنی بچپن ہی میں اپنے مرحوم چچا ایاز کی بیٹی زیمل سے ہو چکی ہے۔ زیمل کی ماں فرحانہ کی شادی اس کے لالچی بھائی وحید نے عبدالقدوس سے کروی تھی زیمل اپنے ماموں کے پاس رہتی تھی اس کے ماموں ممانی اس کی شادی پیسوں کے لالچ میں کسی غنڈے سے کرانا چاہتے تھے۔

بیرون ملک سے آئی شاہانہ اپنی بھتیجی زیمل کو غلام عباس کے گھر لے آتی ہے۔ ضامن اور فرقان گہرے دوست ہیں ضامن کا باپ ہاشم اپنی بیوی شاہینہ سے دبتے ہیں جن کی کئی بہنیں کینیڈا میں رہتی ہیں۔ ضامن کی دوست علیزہ اس سے شادی کی خواہش مند ہے ایک فنکشن میں وہ ڈرنک کرتی ہے ضامن اس سے ناراض ہوتا ہے اور وہ معافی مانگتی ہے۔

کوئل زیمل کے آنے پر خوف زدہ ہے وہ ہر حال میں حارث کو پانا چاہتی ہے اس کے لیے وہ نیند کی گولیاں

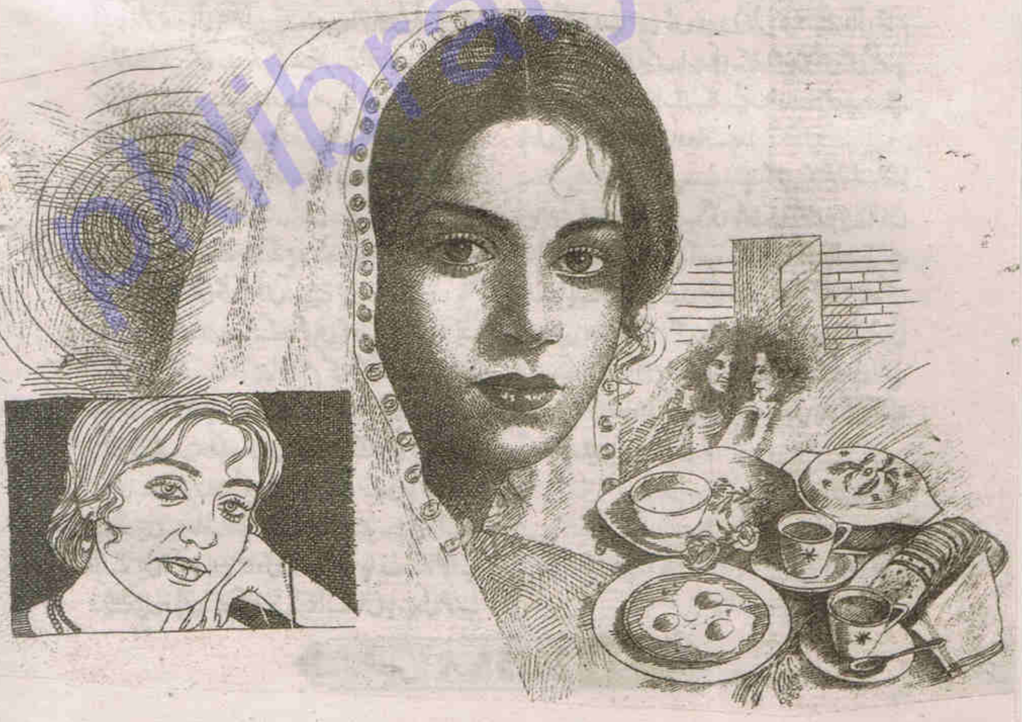

pklibrary.com

pklibrary.com

کھالیتی ہے مجبوراً حارث اس کو شادی کے لیے اپنا پہلا آپشن بتاتا ہے۔

چوتھی قسط

"کومل کا چہرہ خوشی سے کھل اٹھا۔ "لیکن تم نے آج جو حرکت کی ہے یہ مجھے بالکل پسند نہیں آئی۔" کومل نے سر جھکا لیا تھا۔

"سوری۔ چلو اب آرام کرو پھر ملاقات ہوگی۔" کہہ کر وہ تیزی سے نکلا باہر کوئی نہیں تھا وہ سر جھٹکتے بیرونی دروازے کی طرف بڑھا۔ دروازہ لاک ہوتے ہی ناہید اور عالیہ جلدی سے کمرے سے نکل کر کومل کے کمرے میں داخل ہوئیں۔

"کیا بنا۔" ناہید نے بے تابی سے پوچھا تو کومل نے مسکراتے ہوئے دو انگلیاں دکھا کر وکٹری کا نشان بنایا۔

☆☆☆

گھر تک پہنچتے پہنچتے اس کا سر درد کے مارے پھٹ رہا تھا۔ پہلے میٹنگ کی ٹینشن پھر خالہ کے فون کی ٹینشن اور سب سے زیادہ ٹینشن اسے کومل کی باتوں سے ہوئی تھی۔ وہ اسے پسند تھی اور وہ یہ بھی جانتا تھا وہ اسے پسند کرتی ہے لیکن اتنا جذباتی ردعمل اگر وہ نس کاٹ لیتی یا زیادہ گولیاں کھانے سے جان چلی جاتی تو شاید وہ خود کو ذمہ دار مان کر ساری زندگی گلٹ محسوس کرتا رہتا۔ وہ اسے کہہ تو آیا تھا کہ وہ اس سے شادی کرے گا لیکن جانتا تھا اسے بہت مشکل کا سامنا کرنا پڑے گا۔

غلام عباس کو ناہید خالہ اور ان کی فیملی بالکل پسند نہیں تھی اور ان کی بیٹی کو بہو بنانا جیسے ناممکن سا تھا لیکن جس کو وہ اس کی بیوی اور اپنی بہو بنانا چاہتے تھے وہ اس کو بالکل اپنی زندگی میں شامل نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ وہ اس کے باپ کی ضد تھی اور اسے ان کی ضد سے ضد تھی جیسے کسی وقت انہوں نے اس کی پسند سے ضد کی تھی۔ صرف اس لڑکی کی وجہ سے جسے اس نے دیکھا بھی نہ تھا تب سے اسے زیمل نامی لڑکی سے چڑ ہو گئی تھی۔

اس نے کار پورچ میں کھڑی کر کے اپنی دونوں آنکھوں کو زور سے بند کیا اور پھر گہرا سانس لے کر آنکھیں کھولیں اور کار سے اتر گیا۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوا تو لاؤنج میں انوری بوا کے ساتھ نفیسہ ٹی وی دیکھ رہی تھیں۔

"السلام علیکم!" وہ سلام کرتا ہوا ان کے قریب بیٹھ گیا۔

"اتنی دیر ہو گئی آج۔" نفیسہ نے بغور اس کا تھکا چہرہ دیکھا۔

"جی کچھ کام تھا۔" اس نے ٹی وی پر نظریں جمائے کہا۔

"کھانا لگاؤں۔"

"نہیں میں چائے پیوں گا نہیں بوا آپ بیٹھیں میں خود لے لوں گا۔"

انہیں اٹھتا دیکھ کر وہ فوراً بولا۔ "ہالہ کچن میں تھی اسے کہہ دو خود بنانے کھڑے نہ ہو جانا" انوری بوا کے کہنے پر وہ سر ہلاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھا۔ لیکن پہلے کچن کی طرف آیا۔

"ہالہ ایک کپ اسٹرونگ سی چائے بنا دو میں فریش ہو کر آتا ہوں۔" وہ زور سے آواز لگاتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ شیلف صاف کرتی زیمل نے حیرت سے اس کی فرمائش سنی یقیناً اس نے اسے نہیں دیکھا تھا۔

اس نے تولیہ دھو کر اسٹینڈ پر ڈالا اور ساس پین میں پانی ڈال کر چولہے پر رکھا۔ وہ ہاتھ لے کر باہر آیا تو اس کا رخ کچن کی طرف تھا "بھائی" حماد کی آواز پر وہ رکا اور مڑ کر اسے دیکھا۔

"بابا آپ کو بلا رہے ہیں اسٹڈی میں۔" حارث نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

"اسٹڈی کا مطلب غلام عباس کا موڈ ٹھیک نہیں۔" وہ دستک دے کر اندر داخل ہوا۔

"بابا آپ نے بلایا؟" وہ بڑے سے ٹیبل کے پیچھے رکھی اپنی مخصوص آرام دہ کرسی پر بیٹھے تھے "بیٹھو۔" ان

pklibrary.com

کا سنجیدہ انداز اسے پریشان کر رہا تھا لیکن وہ بظاہر نارمل نظر آنے کی ایکٹنگ کر رہا تھا۔
"تم جانتے تھے آج کی میٹنگ کتنی اہم تھی اور میں نے تم پر بھروسہ کر کے پورا پروجیکٹ تمہیں ہینڈل کرنے کو دیا اور تم نے کیا کیا بجائے ڈیل فائنل کرنے کے ان فارنرز کو اپنے سیکرٹری کے حوالے کر دیا دماغ کام کر رہا تھا تمہارا۔" سنجیدگی سے بات کرتے ان کا لہجہ سنجیدہ غصیلا ہو گیا۔
"بابا میں نے ان سے تقریباً ساری بات فائنل کر دی تھی اور وہ ایگری بھی تھے پر ناہید خالہ کے گھر ایمرجنسی ہو گی تو مجبوراً مجھے جانا پڑا ورنہ میں ایسا نہ کرتا۔"
"فضول ایکسکیوزمت دو حارث، تمہیں لگتا ہے میں آئندہ تم پر اتنے بڑے پروجیکٹ کے لیے یقین کروں گا۔" "بابا۔" اس نے حیرت اور افسوس سے انہیں دیکھنے لگا۔ "بابا میں اپنا کام پورا کر کے گیا تھا۔"
"کام پورا نہیں ہوا حارث صاحب وہ لوگ بغیر جواب دیے چلے گئے۔ بغیر کوئی ایگریمنٹ سائن کیے۔"
وہ دانت پیس کر طنزیہ انداز میں بولے، اب کی بار حارث بول نہیں سکا۔
"آئی ایم سوری بابا آپ پریشان نہ ہوں میں سب ٹھیک کر دوں گا۔"
غلام عباس کتنی دیر سنجیدگی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہے۔
"تم نے ایک بار پھر مجھے مایوس کیا حارث!"
ان کی بات پر اس نے سختی سے اپنے دانت پر دانت جمائے، نظریں قالین کے ڈیزائن پر جما دیں۔
"تمہارے لیے کام سے زیادہ اس فضول عورت کی فون کال ضروری تھی۔ اس کی کیا ایمرجنسی ہو گئی۔ کون سا رونا رو کر تمہیں الو بنایا ہے۔"
"ایسا کچھ نہیں بابا ان کی طبیعت واقعی خراب تھی۔" وہ ان کی آنکھوں میں دیکھ کر جھوٹ نہیں بول سکتا تھا اس لیے نظریں چراتے ہوئے بولا۔
"ہنہ۔" انہوں نے طنزیہ ہنکارا بھرا۔ "مجھے وہ ڈرامے باز عورت بالکل پسند نہیں میں صرف تمہاری ماں کی وجہ سے کئی باتوں کو اگنور کرنے پر مجبور ہوں لیکن اگر اس عورت کی وجہ سے یا اس کے بچوں کی وجہ سے میرے گھر کا ماحول خراب ہوا یا ہمیں کوئی نقصان پہنچا تو میں سارا لحاظ بھول جاؤں گا۔"
ان کے لہجے میں صاف اور واضح تنبیہ تھی اس نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔
"جاؤ اب۔" ناراضی سے کہہ کر انہوں نے سامنے رکھی کتاب پر نظریں جما دیں۔ تو وہ ضبط سے سرخ پڑتا چہرہ لیے باہر آیا۔ غصے سے اس کی مٹھیاں بھنچی تھیں۔ وہ ہمیشہ ان کو خوش رکھنے کی کوشش کرتا تھا اور وہ ہمیشہ اس کو مایوس ہونے کا طعنہ دیتے تھے صرف ایک خواہش کر کے جو ان کی خوشی سے مختلف تھی۔ اس کا دماغ بری طرح خراب ہو رہا تھا۔ "آپ کی چائے۔" نسوانی آواز پر اس نے چونک کر دائیں طرف دیکھا۔ اور زیمل پر نظر پڑتے ہی اس کے ماتھے پر بے شمار بل پڑ گئے تھے اور غصہ عود کر آیا تھا اس نے زور سے ہاتھ مار کر چائے کا کپ گرا دیا تھا۔ گرم گرم چائے زیمل کا ہاتھ جلا گئی تھی وہ ایک دم چیخ کر دو قدم پیچھے ہٹی اور بے ساختہ اپنا دایاں ہاتھ تھاما۔
"عجیب بے شرم لڑکی ہو ہر وقت میرے ارد گرد منڈلاتی رہتی ہو تمہیں کہا تھا میں نے چائے بنانے کو۔ ہاں بولو کہا تھا۔ اس طرح کر کے تمہیں کیا لگتا ہے میری نظروں میں آ جاؤ گی جس غلط فہمی میں تم ہو اس سے نکل آؤ ورنہ" اس سے پہلے وہ مزید بولتا نفیسہ کی غصیلی آواز پر اس نے غصے سے گردن گھمائی۔
انوری بوا، حماد اور نفیسہ حیرت اور پریشانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔
"کیا؟" اپنی طرف یوں دیکھتا پا کر حارث نے ابرو اچکائے اور مزید کوئی بات کیے تیز تیز قدموں سے چلتا اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ جبکہ زیمل ابھی تک صدمے کی کیفیت میں تھی۔

انوری بوا تیزی سے اس کی طرف بڑھیں اور اس کا سرخ ہوتا ہاتھ تھاما تو اس نے تڑپ کر ہاتھ کھینچا۔ صدمے کی کیفیت ختم ہوئی تو درد کی لہر ہاتھ سے لے کر پاؤں تک دوڑ گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

''بوا آپ اس کے ہاتھ پر برنال لگا دیں میں یہ گند سمیٹ لیتا ہوں۔''

اس کے بھیگے چہرے سے نظریں چراتے حماد نے انوری بوا سے کہا اور خود جھک کر ٹوٹے ہوئے کپ کی کرچیاں سمیٹنے لگا۔ کمرے میں آتے ہی اس نے موبائل جیب سے نکال کر بیڈ پر اچھالا۔ تب ہی دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے مڑ کر دیکھا اور نفیسہ کو دیکھ کر ہونٹ بھینچے وہ غصے سے اسے دیکھ رہی تھیں۔ ''یہ کیا حرکت تھی حارث!'' ان کی ناراضی دیکھ کر وہ خاموش رہا۔ ''کس بات کا غصہ کس پر نکال رہے ہو۔ کیا کہا اس نے تمہیں، تمہارے لیے چائے لے کر آئی تھی۔''

''میں نے کہا تھا اسے کہ وہ لے کر آئے۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''ہاں تم ہی اسے کچن میں کہہ کر آئے تھے۔'' ان کے کہنے پر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔ ''میری سمجھ میں آرہا آخر وہ یہاں آئی کیوں ہے۔''

''کیوں آئی ہے۔'' نفیسہ نے حیرت سے دہرایا۔ ''یہ گھر اس کا گھر ہے منگیتر ہے تمہاری۔''

''بہت ہو گیا اماں، میں بہت پہلے کہہ چکا ہوں میں اس سے کوئی رشتہ نہیں رکھنا چاہتا تو کیوں آپ لوگ زبردستی اسے میرے سر پر تھوپنا چاہتے ہیں۔''

نفیسہ نے افسوس سے اسے دیکھا۔ ''کیوں اپنے باپ کے غصے کو ہوا دے رہے ہو، جانتے ہو نا وہ زیمل کو یہاں اسی لیے لائے ہیں کہ وہ اس گھر کی بہو ہے تم انکار کر کے انہیں شرمندہ کرنا چاہتے ہو۔''

''اماں آپ لوگوں کو جو سمجھنا ہے سمجھیں لیکن میں بابا کی یہ خواہش پوری نہیں کروں گا۔''

وہ ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ''اور اس لڑکی کو بھی آپ سمجھا دیں کہ مجھ سے دور رہے۔''

کہہ کر وہ رکا نہیں باتھ روم میں جا کر دروازہ بند کر دیا۔ نفیسہ کتنی دیر وہیں کھڑی رہیں ان کے چہرے پر تفکر کی لکیریں صاف دیکھی جا سکتی تھیں۔

☆☆☆

ٹرین سے نکلتے ہی اس کے قدم تیزی سے آگے بڑھ رہے تھے جبکہ کانوں میں ایئر فون لگے تھے۔ محمد رفیع کی سریلی آواز سے لطف اندوز ہوتا وہ آگے بڑھ رہا تھا۔ جب فون کی گھنٹی کے بجتے ہی محمد رفیع کی آواز غائب ہو گئی۔ اس نے فون نکال کر اسکرین کی طرف دیکھا۔ ''ہیلو علیزہ! کیسی ہو۔''

''میں تو ٹھیک ہوں تم کیسے ہو۔''

''میں بھی ٹھیک ہوں۔''

''چل رہے ہو۔'' اس کی تیز ہوتی سانس سے اس نے اندازہ لگایا۔

''ہاں۔''

''فرقان بھی ساتھ ہے۔''

''نہیں وہ آج نہیں آیا آفس، کیوں تم کیوں پوچھ رہی ہو۔''

''ویسے ہی جب تم اس کے ساتھ ہوتے ہو تو پھر تمہیں کوئی اور یاد نہیں آتا۔'' اس کے کہنے پر ضامن نے افسوس سے سر ہلایا۔

''فون کیسے کیا۔''

''کیا مطلب فون کیسے کیا۔ میں کیا تمہیں ہمیشہ کام کے لیے فون کرتی ہوں۔''

''میرا یہ مطلب نہیں تھا۔''

''مجھے تو آج تک تمہارے مطلب ہی سمجھ نہیں آئے۔ دو دن سے ویٹ کر رہی ہوں تمہاری کال کا لیکن انتظار انتظار ہی رہا۔ لگتا ہے تم ابھی بھی مجھ سے ناراض ہو۔''

''نہیں علیزہ میں بزی تھا آفس میں آج کل کام بہت زیادہ تھا۔ اس لیے میں فون نہیں کر سکا۔''

''ایٹ لیسٹ میسیج ہی کر دیتے۔''

''ہاں میسیج کرنا چاہیے تھا پر بزی تھا دھیان نہیں رہا۔''

دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

''علیزہ!'' اس کی مسلسل خاموشی پر اس نے اس کا نام لیا۔ اس کی رونے کی آواز سن کر اس نے ہونٹ بھینچ لیے۔

''علیزہ میں سچ کہہ رہا ہوں میں واقعی بزی تھا اگر تم اس طرح بی ہیو کرو گی تو میں فون بند کر دوں گا۔''

''او کے۔'' اس کی بھاری آواز سنائی دی۔ ''آج ڈنر کریں۔''

''اب پھر تم ناراض ہو جاؤ گی جواب سن کر۔''

''تم منع کرنے والے ہو۔'' وہ ناراضی سے بولی۔

''ہاں کیونکہ دو دن سے میں جلدی کام پر جا رہا ہوں اور لیٹ آتا ہوں تو آرام کرنے کا ٹائم نہیں ملا آج آرام کرنے کا موڈ ہے ویک اینڈ پر چلتے ہیں۔''

''چلو ٹھیک ہے جیسے تمہاری مرضی۔'' وہ آہستہ سے بولی اور فون بند کر دیا۔

''پتا نہیں سب لڑکیاں اتنی ہی عجیب ہوتی ہیں۔'' زیر لب بڑبڑاتے ہوئے اس نے کی ہول میں چابی گھماتے دروازے کھولا سائیڈ پر رکھے شوز ریک میں جوتے اتار کر رکھے اور ننگے پاؤں چلتا آگے بڑھا لیکن کچن سے آتی آوازوں پر اس کے قدم بے ساختہ رکے تھے۔

''میں نے کبھی تمہاری کسی بات پر اعتراض کیا نہ تم پر کوئی روک ٹوک لگائی جو تم مجھ پر پابندیاں لگا رہی ہو۔'' وہ غصیلی اور اونچی آواز ہاشم علی کی تھی۔ ''میں نے کبھی بھی تمہاری زندگی میں دخل نہیں دیا بلکہ تمہاری خوشی کے لیے اپنی زندگی کے دو سال برباد کر دیئے۔ تم نے اور تمہاری اس دقیانوسی فیملی نے۔ تم بڑا ماں باپ کرتے رہتے ہو کیا کیا انہوں نے تمہارے ساتھ جب تک تم کماتے رہے بیٹا بیٹا کرتے رہے جیسے ہی کچھ دن بے کار ہوئے ان ہی ماں باپ نے آنکھیں ماتھے پر رکھ لیں۔ تم بھول سکتے ہو میں نہیں، کیسے تمہاری ماں مجھے دن رات ٹارچر کرتی تھیں۔''

یہ آواز شاہینہ کی تھی جو یہاں کے بہترین کالج کی گریجویٹ تھیں ان کے سرکل میں ان کے اچھے اخلاق کی مثالیں دی جاتی تھیں وہ اس وقت جاہل عورتوں سے بدتر انداز میں اپنے شوہر کو اس کے ماں باپ کے طعنے دے رہی تھیں۔

''شاہینہ منہ سنبھال کر بات کرو تم میری ماں کی بات کر رہی ہو۔'' ہاشم علی کی آواز میں واضح غصہ تھا۔

''ابھی تک منہ سنبھالا ہی ہوا ہے منہ کھولنے پر تم مجھے مجبور کر رہے ہو، میں نے بہت پہلے کہہ دیا تھا مجھے تمہاری فیملی سے کوئی واسطہ نہیں رکھنا اور نہ میرے گھر کوئی آئے گا۔''

''شاہینہ۔'' ہاشم علی نے بے بسی سے ان کا نام لیا۔ ''وہ میری بہن ہے، سالوں بعد اس سے ملوں گا۔ وہ مجھ سے ملنے میرے گھر آ رہی ہے میں کیا کہوں کہ وہ میرے گھر نہیں آ سکتی۔''

''ہاں بالکل ایسا ہی کہنا ہو گا کیونکہ یہ میرا گھر ہے اور یہاں مہمان بھی میری مرضی سے آئیں گے کیونکہ ایسے ہی تمہاری ماں مجھے کہتی تھی کہ وہ اس کا گھر تھا اور وہاں اس کی مرضی چلے گی۔''

''مر گئی ہے میری ماں شاہینہ! چھوڑ دو اب پرانی باتیں۔'' وہ زچ ہو کر بولے۔

''میں نے چھوڑ دی تھیں پرانی باتیں ہاشم! لیکن تم مجھے دوبارہ یاد دلا رہے ہو، میں تمہاری بہن کی شکل نہیں دیکھنا چاہتی جو بالکل تمہاری ماں کی طرح ہے۔ بات ختم ہو گئی وہ یہاں نہیں آئے گی۔''

''وہ آئے گی وہ میری بہن ہے اور وہ اپنے بھائی کے گھر آ رہی ہے۔''

''ہاشم اگر تم اسے یہاں لے کر آئے تو اپنی بے عزتی خود کرواؤ گے کیونکہ میں تو اس کی خاطر مدارت کرنے سے رہی۔''

گلاس ٹوٹنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی ہاشم علی باہر نکلے اسے سامنے دیکھ کر وہ ٹھٹک کے رہ گئے، ان کا چہرہ اور آنکھیں بھی سرخ تھیں وہ بنا کوئی بات کیے سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئے۔ ضامن تیزی سے ان کے پیچھے آیا تھا ہاشم علی بیڈ پر بیٹھے تھے اور انہوں نے سر دونوں ہاتھوں میں گرا رکھا تھا۔

''ڈیڈی۔'' وہ ایک دم جا کے گھٹنوں کے بل ان کے سامنے بیٹھ گیا اور زبردستی ان کے دونوں ہاتھ ہٹائے وہ رو رہے تھے۔ ضامن کو جیسے دھچکا لگا اس نے کبھی ان کو روتے نہیں دیکھا تھا۔

''ڈیڈی۔'' اس نے ایک دم انہیں اپنے بازوؤں کے گھیرے میں لیا۔ ''ڈیڈی پلیز۔'' ان کو گلے لگا وہ روہانسا ہو رہا تھا۔

''تمہاری ماں چاہتی ہے میں اپنی بہن کو یہاں نہ لے کر آؤں۔''

وہ اس سے الگ ہوتے بولے وہ خاموشی سے انہیں دیکھنے لگا۔

''تمہاری ماں کی خوشی اور اس گھر کے سکون کے لیے۔ میں نے پاکستان جانا چھوڑ دیا اب میری بہن آ رہی ہے میں کیا اسے آنے سے منع کر دوں کتنا اس کا دل دکھے گا۔''

پتا نہیں اس کی پھوپھو کا دل دکھے گا یا نہیں پر اس کے باپ کا دل دکھ گیا تھا اور ان کو ایسے دیکھ کر اس کا خون کھول رہا تھا۔

''میری پھوپھو آ رہی ہیں وہ ہم سے ملنا چاہتی ہیں تو ایسا ہی ہوگا۔ ڈیڈی آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں۔'' اس کے مضبوط لہجے پر ہاشم علی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔

''تمہاری ماں بہت ضدی ہے۔ وہ نہیں مانے گی۔''

''اگر وہ ضدی ہیں تو میں بھی ان کا بیٹا ہوں بے فکر رہیں۔'' وہ مسکرا کر بولا۔

''اور پلیز ڈیڈی آئندہ میں آپ کو ایسے کمزور اور بے بس نہ دیکھوں ابھی آپ کا بیٹا زندہ ہے۔''

وہ ان کا ماتھا چوم کر کر بولا اور تیز تیز قدموں سے چلتا نیچے اترا، اس کا رخ کچن کی طرف تھا، جہاں اس کی ماں اب اپنی کسی بہن کو اپنا کارنامہ سنا رہی تھیں۔ وہ خاموشی سے وہاں جا کر کھڑا ہو گیا اور ان کا انتظار کرنے لگا اسے کھڑا دیکھ شاہینہ نے فون بند کر دیا۔

''منی کچھ چاہیے تھا؟''

''آپ نے ڈیڈی سے کہا کہ پھوپھو یہاں نہیں آ سکتیں۔'' اس کے سنجیدہ انداز پر شاہینہ نے پہلے چونک کر پھر ناگواری سے اسے دیکھا۔

''لگا دی تمہارے باپ نے شکایت۔''

''انہوں نے کچھ نہیں کہا — خود اپنے کانوں سے سنا ہے جو بھی آپ نے ڈیڈی سے کہا۔''

''میں نے جو بھی تمہارے ڈیڈی سے کہا کچھ غلط نہیں کہا تمہارے ڈیڈی کو اچھی طرح پتا ہے کہ اس کے گھر والوں نے میرے ساتھ کیسا سلوک کیا تھا۔ میری نفرت بلاوجہ نہیں۔''

"وہ سب پرانی باتیں ہیں ماما ان باتوں کی وجہ سے آپ ڈیڈی کو ہرٹ کرنا بند کردیں۔"

"میں فیصلہ کر چکی ہوں وہ عورت یہاں نہیں آئے گی۔" وہ نخوت سے بولیں۔

"تو پھر آپ بھی سن لیں ماما! آج کے بعد آپ کی بہنیں بھی یہاں نہیں آئیں گی۔" شاہینہ حیرت کے مارے ساکت ہوئیں۔

"کیا کہا تم نے؟ تم ہوتے کون ہو منع کرنے والے؟ یہ میرا گھر ہے؟" جس طرح یہ آپ کا گھر ہے بالکل ویسے ہی یہ میرا اور ڈیڈی کا بھی گھر ہے۔ اگر ڈیڈی کی بہن نہیں آسکتی تو آپ کی بھی نہیں آئیں گی اور یہ میرا آخری فیصلہ ہے اور اگر وہ یہاں آئیں تو آپ جانتی ہیں میں کیا کروں گا۔"

"ہنی!" اب کے ان کی آواز رندھ گئی۔ "تم اپنی ماں کو دھمکی دے رہے ہو اس غیر عورت کے لیے۔"

"میں دھمکی نہیں دے رہا صرف اسی انداز میں بات کر رہا ہوں جیسے آپ نے ڈیڈی سے بات کی۔ دوسرا وہ غیر عورت نہیں میرے باپ کی بہن ہے جس طرح آپ کی بہنیں ہیں۔ اگر اس کے باوجود آپ نے کوئی تماشا کیا تو میں ڈیڈی کے ساتھ کہیں اور شفٹ ہو جاؤں گا۔"

کہہ کر وہ رکا نہیں جن قدموں سے آیا تھا ان ہی قدموں سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

"خیریت مجھے اتنی ایمرجنسی میں یہاں کیوں بلایا۔" فرقان جب اس کے پاس پہنچا اس کا سانس پھول رہا تھا جیسے بھاگ کر آیا ہو۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔" اس کے کہنے پر فرقان نے اس کی طرف ایسی دیکھا جیسے اس کا دماغ چل گیا ہو۔

"اتنی سی بات تم مجھے فون پر بھی بتا سکتے تھے۔" اس نے افسوس سے سر ہلایا۔

"اب بتاؤ ہوا کیا ہے۔" کافی کا مگ اس کے سامنے رکھتے فرقان نے بغور اس کی سنجیدہ شکل دیکھی تو ضامن نے گہرا سانس لیتے ہوئے اسے سارا قصہ سنادیا۔

"وہ تو ٹھیک ہے ضامن! لیکن تمہیں آنٹی سے اتنی روڈلی بات نہیں کرنی چاہیے تھی۔"

"ہاں۔" اس نے افسوس سے سر پر ہاتھ پھیرا۔ "لیکن ڈیڈی کو میں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔" اس نے کہہ کر کافی کا گھونٹ لیا۔

تب ہی اس کا فون بجا۔ "ماما کالنگ" آرہا تھا۔ اس نے فون بند کردیا۔

فرقان نے ایک نظر اس کے ناراض چہرے کو دیکھا۔

"چلو کچھ عرصہ کہیں دور چلتے ہیں ویسے بھی کافی دیر ہوگئی ہے ہمیں کہیں گئے ہوئے۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔" ضامن نے سامنے ٹی وی کی طرف دیکھتے کہا۔

"ابو کب سے کہہ رہے ہیں۔ پاکستان چکر لگالوں میرے کزن کی شادی بھی آرہی ہے دونوں ساتھ چلتے ہیں تم پاکستان بھی گھوم لینا اور شادی بھی انجوائے کر لینا۔"

"اچھا دیکھتے ہیں۔" وہ بیزاری سے بولا تب ہی اس کا فون دوبارہ بجا۔ اب کی بار ڈیڈی کالنگ تھا۔

"جی ڈیڈی۔" اس نے جلدی سے فون آن کیا۔

"جی ڈیڈی میں ٹھیک ہوں آپ پریشان نہ ہوں میں فرقان کی طرف ہوں۔ بس کافی ختم کر کے نکل رہا ہوں۔"

اس نے جلدی جلدی دو گھونٹ میں کافی ختم کی اور کھڑا ہو گیا۔

☆☆☆

وہ کلاس سے نکلی تو بہت خوش تھی کیونکہ اس کی اسائنمنٹ اس دفعہ سب سے اچھی تھی اور سر نے جس پوائنٹس کی سب سے زیادہ تعریف کی تھی وہ سب پوائنٹس ثاقب کے بتائے ہوئے تھے۔ ان پانچوں نے ایک گروپ میں رہ کر اپنی اپنی اسائنمنٹ بنائی تھی اور اسے پورا یقین تھا کہ ثاقب کی اسائنمنٹ اس سے زیادہ اچھی تھی اس لیے آج بھی وہ کلاس میں سر کے بتانے تک کنفیوژ تھی۔

"آپ یہاں اکیلی بیٹھی ہیں۔" وہ اپنے خیالوں میں اتنی مگن تھی کہ اسے ثاقب کے آنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

"فائزہ میرے ساتھ تھی کیفے ٹیریا گئی ہے۔"

"اچھا۔" وہ سر ہلاتا اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ گیا۔ ہالہ نے کن اکھیوں سے اس کی طرف دیکھا جواب اپنا موبائل نکالے اس پر کچھ دیکھ رہا تھا جب سے سر نے انہیں ایک گروپ میں شامل کیا تھا تب سے ہالہ کو ثاقب کو جیسے جاننے کا موقع ملا تھا اور اسے اندازہ ہوا تھا۔ وہ ایک ڈیسنٹ اور فرینڈلی پرسن ہے۔ وہ ثاقب معین عبید سے بے تکلف اب بھی نہیں تھی لیکن اس کے ساتھ ہونے سے اسے ان کنفرٹیبل محسوس نہیں ہوتا تھا۔

"مجھے آپ کو تھینکس کہنا تھا۔" ہالہ کے کہنے پر ثاقب نے چونک کر اسے دیکھا۔

"اور وہ کیوں۔" "آپ نے اسائنمنٹ بنانے میں میری بہت مدد کی۔"

"مائی پلیژر۔" وہ سر جھکا کر مسکرایا تبھی معین اور عبید آ کر گرنے کے انداز میں اس کے قریب بیٹھے تھے۔

"ہم تمہیں کلاس میں ڈھونڈ رہے تھے اور تم یہاں بیٹھے ہو۔" معین نے غصے سے اسے دیکھا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ میں کیفے ٹیریا جا رہا ہوں۔"

میرے بھائی آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کیفے ٹیریا ادھر ہے۔" معین کے مخالف سمت اشارہ کیا۔

"مجھے پتا ہے کیفے ٹیریا ادھر ہے ثانیہ میرے ساتھ تھی اس نے کہا۔ میں جاؤں وہ میرے لیے برگر لے کر یہاں آ جائے گی۔"

"اوتو یہ بات ہے ورنہ میں سمجھا ہالہ سے ہار کر تمہیں ذہنی صدمہ ہوا ہے۔" عبید نے شوخی سے اسے دیکھا۔

"مجھے اپنی ہار کا بالکل افسوس نہیں بلکہ بعض دفعہ کسی کی جیت اپنی جیت سے زیادہ اچھی لگتی ہے۔"

ثاقب کے کہنے پر عبید ایک دم کھانسنے لگا تھا جبکہ ہالہ نے جو سب کو مسکرا کر سن رہی تھی ایک دم سٹپٹا کر ثاقب کی طرف دیکھا۔

"عشق نے نکما کر دیا غالب ورنہ ہم بھی بندے کام کے تھے۔" معین نے شعر کا بیڑہ غرق کیا تو ثاقب نے جاندار قہقہہ لگایا۔ جبکہ ہالہ نے بے چینی سے پہلو بدلا۔ ان تینوں کے درمیان یہ معنی خیز گفتگو اسے پریشان کر رہی تھی اس سے پہلے وہ اٹھتی ثانیہ اور فائزہ کے آنے پر اس نے دل میں شکر ادا کیا۔

"یار میں تو اس روٹین سے اتنی بور ہو گئی ہوں کوئی انٹرٹینمنٹ ہونی چاہیے۔" فائزہ کے کہنے پر ثانیہ اور معین نے اس کی بھرپور تائید کی تھی۔

"میں سوچ رہا ہوں منگنی ہی کروا لوں زندگی میں کچھ رنگ تو آئے گا۔" عبید کے کہنے پر ثانیہ نے بدمزہ ہو کر اسے دیکھا۔

"اور جو درجنوں گرل فرینڈ کے نام پر کیمپس میں موجود لڑکیوں نے تمہاری زندگی میں رنگ بھرا ہوا ہے وہ کم ہے کیا؟"

ثانیہ کے جلے بھنے انداز پر وہ قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"مجھے کچھ جلنے کی بو آ رہی ہے۔" اس نے شرارت سے ثانیہ کی طرف دیکھا جس نے ناک چڑھائی۔

"جلتی ہے میری جوتی۔"

pklibrary.com

تمہاری ہے تو لازمی بات ہے وہ بھی جلتی ہوگی۔"

"بس کرو خدا کا واسطہ ہے۔" اس سے پہلے ثانیہ مزید کچھ بولتی فائزہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑے۔

"ویسے میں بھی سوچ رہی تھی ہم میں سے کوئی منگنی شدہ نہیں۔"

فائزہ کے کہنے پر ثاقب نے معین کی طرف اشارہ کیا تو سب کی حیران نظریں اس کی طرف مڑیں۔

"غدار میسنے کیسے معصوم بن کر تم ہمارے بیچ بیٹھے ہو۔" عبید نے زوردار مکا اس کے کندھے پر رسید کیا۔

"منگنی کی ہے تمہارے راز نہیں کسی لڑکی کو دے آیا جو تم مجھے غدار کہہ رہے ہو۔" معین کو یہ الزام برا لگا تھا۔

"غدار نہیں تو بتایا کیوں نہیں۔" ثانیہ نے تفتیشی انداز اختیار کیا۔

"کبھی تم لوگوں نے پوچھا ہی نہیں اور نہ اس ٹاپک پر بات ہوئی تو بس اس لیے۔"

"پھر تو آج پوچھ لینا چاہیے یہ نہ ہو ہم میں سے کوئی شادی شدہ یا پھر نکاح شدہ نکل آئے ہالہ سے شروع کرتے ہیں تو بتاؤ ہالہ تمہاری منگنی یا نکاح تو نہیں ہوا؟" ثانیہ کے پوچھنے پر ثاقب نے بے ساختہ اس کی طرف دیکھا تو اس نے مسکرا کر سر نفی میں ہلایا۔

"فائزہ!"

"میں اکیلی اور آزاد ہوں۔" وہ ہاتھ اٹھا کر بولی۔

"اور میں تو شدت سے اس دن کا انتظار کر رہا ہوں جب میری منگنی ہوگی۔" عبید حسرت سے بولا "اور ثاقب تم بتاؤ۔" عبید نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔

"ابھی تک تو نہیں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"ویسے معین تمہاری منگنی ارینج ہے یا پسند کی۔" فائزہ نے اب اشتیاق سے معین کو دیکھا۔

"مکس ہے حنا میری کزن ہے۔ مجھے پسند تھی امی ابو سے بات کی تو مان گئے۔"

"واہ کتنے لکی ہو کوئی ظالم سماج نہیں۔" فائزہ نے جیسے رشک کیا۔

"اور ثاقب تم تو یقیناً لو میرج کرو گے۔" ثانیہ کے پوچھنے پر معین قہقہہ لگا کر ہنس پڑا۔

"تمہارا اندازہ غلط لگا ثانیہ! یہ پکا ارینج میرج کرے گا کیونکہ یہ ماما ز بوائے ہے۔"

سب نے شرارتی نظروں سے اسے دیکھا جس نے سنجیدگی سے معین کو دیکھا تھا۔

"تمہیں کیوں لگا میں ارینج میرج کروں گا۔"

"کیونکہ تم ہر کام تو آنٹی کی مرضی سے کرتے ہو، چاہے وہ کپڑے ہوں، گاڑی ہو، موبائل ہو حتیٰ کہ یہاں آنے کا فیصلہ بھی انہی کا تھا۔" معین نے اس کا مذاق اڑایا۔

"ہاں میں اپنی مما سے بہت پیار کرتا ہوں ان کی ہر بات میری لیے بہت اہمیت رکھتی ہے اور یہاں آنے سے پہلے تک ہو سکتا ہے میں ان کی پسند سے ہی شادی کرتا لیکن اب ایسا نہیں میں اسی سے شادی کروں گا جو میرے دل و دماغ میں رہتی ہے۔"

سب کی نظریں ثاقب پر جمی تھیں لیکن سب کے دیکھنے کا نظریہ مختلف تھا۔ معین اس کی اتنی سنجیدگی پر کچھ پریشان ہوا تھا جبکہ فائزہ نے حیران بیٹھی ہالہ کو شرارت سے ٹھوکا دیا تھا۔ عبید نے شرارتی انداز میں ثانیہ کو بولنے کا اشارہ کیا۔

"واہ میاں مجنوں کیا بات ہے تمہاری اب یہ بھی بتا دو۔ کیا وہ لڑکی ہمارے ساتھ پڑھتی ہے۔" ثانیہ کے سوال پر ہالہ کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

"یہ پرسنل ہے۔" ثاقب ہالہ کی کیفیت سمجھ رہا تھا اس لیے اس کو دیکھنے سے گریز کر رہا تھا۔

''السلام علیکم مما کیسی ہیں۔''
''وعلیکم السلام میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو۔''
''میں بھی ٹھیک ہوں پاپا اور علی کیسے ہیں۔''
''سب ٹھیک ہیں تم بتاؤ وہاں کیسا جا رہا ہے۔'' ان کے سنجیدہ انداز پر وہ بالوں پر ہاتھ پھیر کر رہ گیا۔
''ٹھیک ہے مما۔''
''کیا ٹھیک ہے، کام کہاں تک پہنچا۔'' وہ جیسے خود پر ضبط کر کے پوچھ رہی تھیں۔
''کوشش کر رہا ہوں۔''
وہ دھیمی آواز میں بولا۔
''کوشش۔'' وہ یہ سن کر پر ضبط کھو بیٹھی تھیں اس لیے چڑ کر بولیں ''پچھلے سات ماہ سے یہی ایک لفظ سن رہی ہوں کوشش اتنے عرصے میں ایک ملک فتح ہو جاتا ہے تم سے ایک لڑکی ہینڈل نہیں ہو رہی۔''
''مما! وہاں بیٹھ کر آپ کو سب آسان لگ رہا ہے لیکن اتنا آسان نہیں ہے یہ سب، وہ لڑکی بہت مشکل ہے اس کا رویہ اتنا محتاط ہوتا ہے کہ بات کرنا مشکل لگتا ہے وہ کسی سے نظر ملا کر بات نہیں کرتی۔'' وہ زچ ہو کر بولا۔
''مجھے پتا تھا وہ ٹیڑھی لکیر ثابت ہوگی آخر ہے کس باپ کی بیٹی۔'' وہ زہریلے لہجے میں بولیں۔
''دیکھنے میں کیسی ہے۔'' اب کہ ان کا لہجہ عجیب انداز لیے ہوئی تھا۔ اس کی نظروں کے سامنے اس کا چہرہ آیا جیسے وہ سات ماہ سے حفظ کر رہا تھا۔
''بہت خوب صورت۔'' وہ مسکرا کر بولا۔
''کہیں اس کی خوب صورتی تو تمہارے کام کے راستے میں نہیں آ رہی۔'' وہ ہونٹ بھینچ کر رہ گیا۔
''ثاقب تم اس کے ساتھ سیریس تو نہیں ہو رہے۔'' ان کے سوال پر اس نے تھوک نگلا۔
''ثاقب۔'' وہ غصے سے بولیں۔
''نہیں مما ایسا کچھ نہیں۔''
''ایسا ہونا بھی نہیں چاہیے ثاقب! وہ صرف ایک مہرہ ہے ہمارے لیے، تم کو اس سے محبت کا دکھاوا کرنا ہے اس سے محبت نہیں کرنی اسے خود سے محبت کرنے پر مجبور کرنا ہے، اسے اس طرح اپنی محبت کا یقین دلاؤ کہ اسے تمہارے سوا کچھ نظر نہ آئے تمہارے لیے، وہ اپنے باپ کی عزت روند کر نکل آئے۔ اسے اپنے پیار میں اتنا پاگل کرو تمہارے کہنے پر وہ اپنا سب کچھ قربان کر دے۔''
ان کے الفاظ اور لہجے میں اس کے لیے نفرت بھری تھی ثاقب کے ماتھے پر سلوٹیں پڑیں تو اس نے بے چینی سے اپنی پیشانی مسلی۔
''تم سن رہے ہو ثاقب۔'' دوسری طرف سے ان کی دبنگ آواز سنائی دی۔
''جی مما۔''
''میں نے اتنی دور تمہیں اس لیے نہیں بھیجا کہ تم اپنا مقصد چھوڑ کر مجھے بہلاوے دو، مجھے رزلٹ چاہیے وہ بھی میرا من پسند۔ اس لیے مجھے جلدی خوش خبری سناؤ۔''
''جی مما۔'' ان کے فون بند کرتے ہی اس نے پریشانی سے اپنا سر تھاما۔ پھر سر جھٹک کر دوبارہ مووی کی طرف متوجہ ہو گیا۔

سے ان کی قدر کرے، ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں کی پروا کرے، ہالہ کی بھی ایسی ہی چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں لیکن وہ یہ ساری خواہشات اپنے محرم سے چاہتی تھی۔ اس نے اپنے سارے جذبات اپنی محبت اپنے شوہر کے لیے سنبھال کر رکھی تھی۔ وہ جانتی تھی اسے محبت کرنے کی اجازت نہیں، اس لیے اس نے ہمیشہ احتیاط ہی کی تھی کیونکہ اس کی ایک غلطی نہ صرف اس پر بلکہ اس کے خاندان کی دوسری لڑکیوں کے لیے تعلیم کے دروازے بند کر سکتی تھی لیکن اب اسے لگ رہا تھا اس کا خول چیخ رہا ہے۔

ثاقب کی اتنی توجہ اور پسندیدگی اسے اچھی لگنے لگی تھی۔ وہ اچھا تھا لیکن اس کے باوجود وہ اپنی پسندیدگی اس پر ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ اس پر تو کیا خود سے بھی یہ بات چھپانا چاہتی تھی۔

"ہالہ" انوری بوا کی آواز پر وہ چونکی اور مڑ کر پیچھے دیکھا۔

"دھیان کہاں ہے تمہارا کب سے آواز دے رہی ہوں۔"

"سوری بوا! میرا دھیان کل کے لیکچر کی طرف تھا۔"

"یہ موئی پڑھائی کو بھوت کی طرح تم نے سر پر سوار کر لیا ہے۔" انوری بوا کے کہنے پر اس نے سر جھٹکتے خود کو کوسا "دیکھو چاولوں کا حال سارے نرم پڑ گئے ہیں۔" ان کے کہنے پر اس نے افسوس سے چاولوں کا ملغوبہ دیکھا۔

"تم یہ پکوڑے دیکھو میں دیکھتی ہوں ان چاولوں کا کچھ ہوتا ہے یا نئے پکانے پڑیں گے۔" وہ افسوس کرتی کڑاہی کی طرف بڑھی۔

"بوا، چائے تیار ہو گئی؟" حماد تیز تیز بولتا اندر داخل ہوا۔

"ارے لڑکے، کیا ہر وقت ہوا کے گھوڑے پر سوار رہتے ہو، بوا کے دو ہاتھ ہیں چھ نہیں بن رہی ہے تمہاری چائے۔"

"بوا، میرے سب دوست انتظار کر رہے ہیں۔" وہ کان کھجاتے ہوئے بولا۔

"یہ تمہاری بہن کی وجہ سے دیر ہوئی ہے، سارے چاول خراب کر دیے"

انوری بوا کے کہنے پر ہالہ نے منہ بسورا۔

"یہ تو ہے ہی تھی زیمل کدھر ہے۔ اسے بلا لیتیں"

"خوامخواہ ہی آگے ہی بچی کا ہاتھ جلا ہوا ہے" ہالہ نے چونک کر انہیں دیکھا۔

"کب جلا زیمل کا ہاتھ۔" اس کے کہنے پر انوری بوا اور حماد نے خشمگیں نظروں سے اسے گھورا۔

"پتا نہیں آج کل کن خیالوں میں رہتی ہو گھر میں کیا ہو رہا ہے کچھ ہوش ہی نہیں۔" حماد کے طنزیہ لہجے پر اس نے گھبرا کر نظریں چرائیں پھر سنبھل کر بولی۔

"اب بتانا پسند کرو گے یا بوجھو بوجھو کھیلنا ہے۔"

"تمہارے بھائی کا کارنامہ ہے۔" انوری بوا ناراضی سے بولیں تو ہالہ نے بے یقینی سے حماد کی طرف دیکھا۔

"ایسے آنکھیں پھاڑ کر مجھے مت دیکھو، تمہارے بڑے بھائی کا کارنامہ ہے۔"

"حارث بھائی" اس نے بے یقینی سے نام لیا۔ "پر کیوں؟"

"دماغ خراب ہو گیا ہے باپ نے ڈانٹا تو اس بات کا سارا غصہ اس بے چاری پر نکال دیا۔" بوا نے افسوس سے سر ہلاتے کڑاہی سے پکوڑے نکال کر ڈش میں ڈالے۔

pklibrary.com

"نہیں بوا، بات اس دن کی نہیں، بھائی کو میں نے اکثر زیمل کے ساتھ روڈ بات کرتے ہی دیکھا ہے۔"
حماد کا انداز سنجیدہ تھا۔
"پتا نہیں اس لڑکے کے دماغ میں چل کیا رہا ہے،" بوا نے ٹرالی میں پکوڑے، چاٹ اور کیک کی پلیٹیں سیٹ کر کے چائے کے لیے کپ نکالے۔
"ویسے زیمل ٹھیک ہے کیا کچھ کہہ رہی تھی۔" ہالہ کا لہجہ پریشان تھا۔
"اس نے کیا کہنا ہے معصوم بچی ہے، رو دھو کر چپ کر گئی تھی،" انوری بوا سر جھٹک کر بولیں۔
"وہ معصوم ضرور ہے بوا، لیکن بہت حساس اور سمجھ دار بھی ہے۔" حماد کا اندازہ سنجیدہ تھا۔
"میں دیکھتی ہوں اسے۔" ہالہ آگے بڑھی۔
"جاؤ اس کے پاس لیکن اس بارے میں کوئی بات نہ کرنا۔" باہر نکلنے سے پہلے اس نے انوری بوا کی آواز سنی تو گہرا سانس لے کر سر ہلاتی باہر نکل گئی جبکہ حماد بھی ٹرالی گھسیٹتا ڈرائنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

☆☆☆

اس کا فون بار بار وائبریٹ ہو رہا تھا جسے وہ کب سے اگنور کر رہا تھا۔ اس کا دھیان اپنے لیپ ٹاپ کی اسکرین پر تھا۔ تب ہی ٹیبل پر پڑا اس کا آفس فون بجا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور اٹھالیا۔
"کہاں بزی ہو؟" دوسری طرف فہد تھا۔
"کچھ نہیں کچھ میلو کرنے والی تھیں وہ کر رہا تھا۔"
"مشی خالہ تمہیں کب سے فون کر رہی ہیں، اٹھا کیوں نہیں رہے" فہد کے کہنے پر اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنا موبائل اٹھایا، مشی خالہ کے علاوہ پنکی خالہ کی بھی بے شمار کالز تھیں۔
"وہ آفس کے سامنے والی کافی شاپ میں تمہارا ویٹ کر رہی ہیں۔" اس نے گھڑی کی طرف دیکھا لنچ بریک ہو چکا تھا۔
"تم آرہے ہو" ضامن نے لیپ ٹاپ بند کرتے ہوئے پوچھا۔
"تم چلو میں تھوڑی دیر میں آرہا ہوں۔" فہد کے جواب پر اس نے گہرا سانس لے کر اپنا کوٹ اٹھایا اور پہنتے ہوئے قدم لفٹ کی طرف بڑھائے۔
کافی شاپ میں داخل ہوتے ہوئے اس نے متلاشی نظریں چاروں طرف دوڑائیں، تو دائیں طرف تیسری ٹیبل پر مشی خالہ تھیں۔ وہ ان کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔
"خیریت تھی۔"
"ہاں خیریت ہی تھی بس تم سے ملنے آئی تھی۔"
وہ سنجیدگی سے انہیں دیکھ رہا تھا یعنی تم واقعی اتنے بے خبر ہو۔"
"شام گھر پر مل سکتے تھے۔"
"ہاں مل سکتے ہیں لیکن مجھے تم سے اکیلے میں بات کرنی ہے۔"
"ایسی کون سی بات تھی جس کے لیے آپ کو میرے آفس آورز میں آنا پڑا۔" انہوں نے افسوس سے اسے دیکھا۔
"تم جانتے ہو تمہاری ماں تمہیں کتنا پیار کرتی ہے اس کے باوجود دو دن سے اسے اگنور کر رہے ہو ماں سے ناراض ہونے سے پہلے سن تو لیتے کہ بات کیا تھی۔"
"خالہ، ماما نے آپ کو کون سی کہانی سنائی ہے۔ لیکن جو بھی انہوں نے کہا وہ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے

تو کسی غلط فہمی کی گنجائش نہیں رہتی اور جہاں تک پیار کی بات ہے تو میں بھی ان سے پیار کرتا ہوں بہت کرتا ہوں لیکن میں ڈیڈی سے بھی اتنا ہی پیار کرتا ہوں۔

ڈیڈی ہمیشہ ان کی ہر خواہش کا احترام کرتے ہیں حتیٰ کہ ان سے جڑے رشتوں کو بھی اتنی عزت دیتے ہیں تو کیا ماما کا فرض نہیں کہ وہ بھی ڈیڈی کے رشتوں کی ریسپکٹ کریں۔ لیکن انہوں نے ڈیڈی سے اتنی بری طرح بات کی کہ ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے آپ سوچیں وہ کتنا ہیلپ لیس فیل کر رہے ہوں گے اور میرے ہوتے ہوئے کوئی میرے ڈیڈی سے ایسے بات نہیں کر سکتا چاہے وہ میری سگی ماں ہی کیوں نہ ہو۔''

مشی نے بغور سنجیدہ چہرہ دیکھا اور دوٹوک انداز سنا۔ وہ اس وقت بہت الگ نظر آ رہا تھا۔ عام حالات میں وہ دھیمے مزاج کا ہنس مکھ لڑکا تھا، جو ہر بات کو مذاق میں لے کر ٹال جاتا تھا لیکن جب کوئی بات اسے ہرٹ کرتی تو پھر وہ ضد پر اڑ جاتا جیسے ابھی وہ ضد پر اڑ چکا تھا۔ مشی نے گہرا سانس لیا۔

''مجھے پتا ہے شاہینہ تھوڑی جذباتی ہے لیکن تم تو سمجھدار ہو، مجھے نہیں لگتا ہاشم بھائی نے اتنا برا نہیں مانا ہو گا جتنا تم مائنڈ کر گئے ہو'' ضامن نے اس بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

''میں نے شاہینہ کو سمجھا دیا ہے وہ کچھ نہیں کرے گی تم بھی اپنا غصہ ختم کرو۔''

''یہ بات جو آپ نے انہیں سمجھائی ہے کیا ان کو خود اس بات کی سمجھ نہیں ہونی چاہیے۔''

''بس کرو بنی! اس بات کو اور کتنا لمبا کھینچو گے، شاہینہ کہہ تو رہی ہے کہ وہ کچھ نہیں کرے گی۔'' اب کہ مشی ناراضی سے بولی۔

''بہت احسان ہے ان کا'' وہ طنزیہ انداز میں ہنکارا بھر کر بولا۔

''اب جا کر ماں سے صلح کر لینا اور اب اگر تمہاری اجازت ہو تو ہم تمہارے گھر آ سکتے ہیں اپنی بہن سے ملنے''؟ ضامن جو اٹھ رہا تھا مشی کے طنزیہ انداز پر رک کر اسے دیکھنے لگا۔ ''شاہینہ نے کہا کہ تمہیں اعتراض ہے کہ ہم ہر دوسرے دن تمہارے گھر کیوں آ جاتے ہیں۔'' مشی کے جتانے والے انداز پر ضامن نے افسوس سے سر ہلایا۔

''آپ خود دیکھ لیں، پاپا بات کو کس طرح ٹوئیسٹ کر کے اگلے بندے کو طیش میں مبتلا کر دیتی ہیں وہ پھوپھو کے آنے پر اعتراض کر رہی تھیں تو میں نے بھی غصے سے کہہ دیا کہ ڈیڈی کی بہن نہیں آ سکتی تو آپ کی بہنیں بھی نہیں آ سکتیں۔''

''وہ ٹھیک ہے بنی، جو تم نے کہا لیکن ہم نے تمہیں پالا ہے ہم وہاں شاہینہ کے لیے نہیں تمہاری محبت میں آتے ہیں اگر تمہیں برا لگتا ہے تو نہیں آئیں گے۔'' مشی کی بھاری ہوتی آواز پر ضامن نے بے ساختہ اپنے ہونٹ بھینچے اور دو قدموں کا فاصلہ طے کر کے مشی کے پاس آتے انہیں گلے لگا لیا۔

''خالہ! میں نے کہا غصے میں میرے منہ سے ایسا نکل گیا میرا مطلب ہرگز ایسا نہیں تھا۔ آئی ایم سوری میں نے آپ کو ہرٹ کیا۔'' اس نے پیار سے مشی کا سر چوما۔

''نہیں بنی، سوری کی ضرورت نہیں ہاں میں ہرٹ ہوئی تھی لیکن اب اگر تم اپنا موڈ ٹھیک کر لو تو میں بھی ٹھیک ہو جاؤں گی۔''

''ماما نے شبنم خالہ اور ربیعہ خالہ کو یہ نیوز دے دی ہو گی۔'' ضامن کے پوچھنے پر مشی ہنس پڑی تھی۔

''حد ہے خالہ'' وہ جز بز ہو کر رہ گیا اب گھر جا کر اچھا خاصا ایموشنل فیملی ڈرامہ چلنا تھا۔

☆☆☆

احتیاط سے دروازہ کھول کر تھوڑا سا منہ نکال کر اس نے جائزہ لیا۔ باہر خاموشی تھی وہ اسی طرح دبے قدموں سے چلتی کچن کی طرف بڑھی خالی کچن دیکھ کر اس نے بے ساختہ گہری سانس لی، بھوک سے اس کا برا حال تھا۔ رات کو جب وہ کھانے کے لیے ڈائننگ روم میں آئی تو غلام عباس کا موڈ سخت خراب تھا اور موضوع گفتگو حارث تھا سب ہاتھ روک کے ان کو سن رہے تھے، وہ الٹے قدموں واپس لوٹ گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ کھانے کے لیے باہر آئی تو ٹی وی لاؤنج میں حارث اپنے لیپ ٹاپ پر کام کر رہا تھا وہ پھر واپس پلٹ آئی۔ دو گلاس پانی پی کر وہ سونے کی کوشش کرنے لگی اور خوش قسمتی سے نیند اس پر مہربان ہو بھی گئی، چند گھنٹوں بعد حسب عادت فجر کے وقت اس کی آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھ کر وہ کمرے سے نکلی تو حارث اب بھی لاؤنج میں بیٹھا تھا۔

''یا اللہ'' زیمل نے بے ساختہ کراہ کر کے اپنا سر تھاما اور بے بسی سے کچن کی طرف دیکھا جو لاؤنج سے گزر کر آتا تھا وہ روہانسی ہو کر واپس مڑ گئی۔ سات بجے کے قریب جب اسے لگا انوری بوا اٹھ گئی ہوں گی اور حارث بھی اپنے کمرے میں چلا گیا ہوگا، وہ دل کڑا کر کمرے سے نکلی اور لاؤنج کو خالی دیکھ کر وہ بلی کی طرح چوکنے انداز میں چلتی کچن میں داخل ہوئی۔ چائے کا پانی رکھ کر اس نے جلدی سے فریج سے پراٹھا بنانے کے لیے آٹا نکالا۔ وہ تیز تیز ہاتھ چلا رہی تھی جب باہر سے آتی آواز پر اس کا پیڑ ابناتے ہاتھ رکے تھے۔

''اتنی صبح کہاں جا رہے ہو؟'' نفیسہ کی آواز پر اس کے کان کھڑے ہوئے۔

''اماں ضروری کام ہے'' دوسری عجلت بھری آواز حارث کی تھی۔

''ناشتا تو کر لو بیٹا، کل بھی تم نے ناشتا نہیں کیا، رات بھی کھانا نہیں کھایا اب بھی بھوکے جا رہے ہو،'' ان کی آواز میں اس کے لیے پریشانی تھی۔

''اماں، جلدی ہے مجھے کسی سے ملنا ہے میٹنگ ختم ہوتے ہی کھا لوں گا۔ آپ فکر نہ کریں بچہ نہیں ہوں۔'' دروازہ کھلنے کی آواز پر اس نے کب سے روکا سانس بحال کیا اور جلدی سے پراٹھا توے پر ڈالا۔

''ارے زیمل، اتنی جلدی اٹھ گئیں تم۔'' اسے چولہے کے آگے کھڑے دیکھ کر نفیسہ حیران ہوئی تھیں۔

''تائی امی، آنکھ جلدی کھل گئی اور بھوک بھی لگ رہی تھی تو سوچا ناشتا بنا لوں۔'' وہ ہونٹ چباتے شرمندگی سے بولی۔

''ارے کوئی بات نہیں بیٹا، تمہارا اپنا گھر ہے جو مرضی بناؤ میں تو ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔'' اس کا خفت زدہ چہرہ دیکھ کر وہ جلدی سے بولیں۔

''آپ کے لیے بھی پراٹھا بنا دوں۔'' ''نہیں بیٹا، میں تو حارث کی وجہ سے جلدی اٹھی تھی لیکن وہ ناشتا کیے بغیر چلا گیا، تمہارے بابا اور حارث دونوں ہی ایک جیسے ضدی ہیں، کوئی بات ان کے مزاج کے خلاف ہو جائے تو ہر چیز سے ناراض ہو جاتے ہیں اور کھانا تو سب سے پہلے آتا ہے، کتنی دفعہ کہا ہے اللہ ناراض ہوتا ہے ایسی ناشکری سے،'' وہ خفگی سے بولیں۔ زیمل نے چائے کپ میں نکالی اور پراٹھے والی پلیٹ اٹھا کر نفیسہ بیگم کے پاس ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گئی۔ اسے بہت بھوک لگی تھی اس لیے بیٹھتے ہی کھانا شروع کر دیا۔

''تمہارے بابا تو کبھی خوش ہوتے ہی نہیں ہر وقت حارث سے انہیں کوئی نہ کوئی شکایت رہتی ہے اب اگر وہ میٹنگ سے جلدی اٹھ گیا تو اس بات کو لے کر تین دن سے اس سے ناراض بیٹھے ہیں۔ کیا ان سے کام میں غلطی نہیں ہوتی لیکن نہیں، وہ غلط کریں تو وہ ٹھیک ہے، میرے بچے غلطی نہیں کر سکتے۔''

تین دن سے انہیں غصہ تھا پہلے صبح صبح انوری بوا انہیں دستیاب ہو جاتی تھیں جو سننے کے ساتھ باقاعدہ اپنی بھی سناتی تھیں۔ آخر وہ بھی حارث کی ماں کی طرح تھیں اور آج زیمل ایک سامع کے روپ میں بیٹھی تھی، جو

کھاتے ہوئے تائیدی انداز میں سر بھی ہلا رہی تھی۔ وہ نہیں جانتی تھی باپ بیٹے کے بیچ کیا مسئلہ چل رہا ہے، پتا بھی ہوتا تو وہ کچھ کہنے کی پوزیشن میں تو بالکل نہیں تھی۔

''بات یہ نہیں کہ حارث میٹنگ سے جلدی اٹھ گیا، مسئلہ یہ ہے وہ آپا کی طرف چلا گیا تھا، اور ناہید آپا سے تمہارے بابا کو اللہ واسطے کا بیر ہے۔''

زیمل نے ایک بار پھر سر ہلایا وہ نہیں جانتی تھی، ناہید آپا سے غلام عباس کو اللہ واسطے کا بیر کیوں ہے۔ بس یہ پتا تھا تائی امی کو بابا کا حارث کو ڈانٹنا برا لگا تھا۔ اس کا ناشتا ختم ہو گیا تھا۔ اس نے شکر ادا کرتے اب غور سے نفیسہ بیگم کو دیکھا لیکن لگتا تھا ان کی باتیں بھی اس کے ناشتے کے ساتھ ختم ہو گئی تھیں۔ وہ برتن دھو کر مڑی تب ہی انوری بوا کچن میں داخل ہوئیں۔

''آج تم دونوں مجھ سے پہلے کچن میں موجود ہو'' وہ نفیسہ اور زیمل کو دیکھ کر خوش ہو گئیں۔

''ہاں میں حارث کے لیے ناشتا بنانے اٹھی تھی تو زیمل پہلے ہی جاگ رہی تھی۔''

''اچھا تو حارث ناشتا کر کے گیا ہے۔''

''کہاں ویسے ہی خالی پیٹ نکل گیا۔'' نفیسہ کا افسوس ہی نہیں جا رہا تھا انوری بوا نے بھی افسوس سے سر ہلایا جبکہ ان دونوں کو دیکھتی زیمل سوچ رہی تھی، وہ اب کیا کرے کھڑی رہے یا اپنے کمرے میں چلی جائے کیونکہ حارث نامہ پھر شروع ہو چکا تھا۔

''یہ شاہانہ کب آئے گی لوگ سسرال سے بھاگتے ہیں یہ وہاں ڈیرہ ڈال کر ہی بیٹھ گئی ہے۔'' انوری بوا کے کہنے پر نفیسہ بے ساختہ مسکرائی تھیں۔

''انوری، وہ شاہانہ ہے جہاں جاتی ہے گھل مل جاتی ہے ویسے بھی اس کی نند اس کی — سہیلی ہے، کیوں زیمل، تمہاری بات ہوئی تھی پھوپھو سے۔'' نفیسہ کے پوچھنے پر اس نے سر ہلایا۔

''جی کل ہالہ سے اور مجھ سے بات ہوئی تھی۔''

آنے کا کیا کہا۔'' انوری بوا نے بے تابی سے پوچھا۔

''کہہ رہی تھیں ایک ہفتہ یا اس سے زیادہ دن لگ سکتے ہیں۔''

''ہوں'' وہ سر ہلا کر فریج کی طرف بڑھ گئیں۔

''تم زیادہ اداس لگ رہی ہو۔'' نفیسہ نے شرارت سے انوری بوا کو دیکھا۔

''ارے رونق ہوتی ہے اس کی وجہ سے اور تمہارا میاں بس اس کے قابو میں آتا ہے، اگر وہ یہاں ہوتی ہے تو یہ جو کشیدگی پھیلی ہے یہ نہ ہوتی۔'' انوری بیگم کے کہنے پر نفیسہ نے سر جھٹکا۔

''انوری، اس میں نیا کیا ہے، شاہانہ یہاں ہوتی تو بھی عباس کوئی اور وجہ ڈھونڈ لیتے تم جانتی ہو انہیں ''نا'' سننے کی عادت نہیں۔ جو انہوں نے کہہ دیا بس وہی ہونا چاہیے، چاہے اس میں دوسرے کا کتنا ہی نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے۔''

نفیسہ بیگم کے افسردہ انداز پر انوری بوا بھی افسوس سے سر ہلانے لگیں جبکہ زیمل کے لیے یہ آدھی ادھوری باتیں اور ان کا مفہوم سمجھنا بہت مشکل تھا۔ ان کی باتوں سے ظاہر تھا کہ غلام عباس ایک سخت اور انا پسند انسان ہیں جبکہ اس کے نزدیک، اس کے تایا ایک رحم دل اور بہترین انسان تھے جو اسے اس دوزخ جیسے ماحول سے نکال کر یہاں لے آئے، جہاں وہ کھل کر آزادی سے سانس لے سکتی تھی رات کو بغیر ڈرے سکون کی نیند سو سکتی تھی، اچھا کھاتی اچھا پہنتی تھی، اچھے کالج سے تعلیم حاصل کر رہی تھی، اتنے سارے رشتے جو سب اس سے پیار کرنے کے

ساتھ اس کو عزت بھی دیتے تھے، اس سے زیادہ کسی انسان کی عظمت اور کیا ہو سکتی ہے۔

''زیمل'' انوری بیگم کی آواز پر اس نے چونک کر انہیں دیکھا۔

''بیٹا! آج باہر پرندوں کو باجرہ تم ڈال دو اور خرگوشوں کا کھانا بھی لے جاؤ۔'' انوری بوا کے کہنے پر اس کی آنکھیں چمک گئیں اسے وہ خرگوش بہت زیادہ پسند تھے۔ وہ ان کا کھانے کا پیالہ اٹھائے تیزی سے لان کی جانب بڑھی۔

☆☆☆

نماز پڑھ کر آئی تو زیمل اور انوری بوا سر جھکائے بڑے انہماک کے ساتھ کچھ دیکھ رہے تھے جبکہ ان سے کچھ فاصلے پر دوسرے صوفے پر نفیسہ بیٹھی تھیں اور ان کے قدموں میں آنکھیں بند کیے حماد بیٹھا سر میں تیل کا مساج کروا رہا تھا، ٹی وی پر نیوز چل رہی تھی۔ وہ مسکراتی ہوئی زیمل اور انوری بوا کی طرف بڑھ گئی۔

''کتنی خوب صورت کڑھائی ہے یہ۔'' ہالہ نے متاثر نظروں سے دیکھتے زیمل کے ہاتھ سے فریم لیا۔

''زیمل، یہ تم نے بنایا ہے۔'' اس نے بے یقینی سے دھاگے سے بنے خوب صورت چھوٹے چھوٹے پھولوں کو دیکھا۔

''ہاں بھئی یہ ہماری زیمل نے ہی بنایا ہے۔''

انوری بوا کافی متاثر نظر آ رہی تھیں۔

''کہاں سے سیکھا تم نے؟''

''سیکھا نہیں، پڑوس میں میری دوست کی امی تھیں بس دو تین بار ان کو دیکھا تھا، پھر ماموں کی بیٹی کے لیے ایک قمیص پر کڑھائی کی۔''

''اس کے باوجود بہت صفائی ہے تمہارے ہاتھ میں۔'' انوری بوا نے فریم اس کے ہاتھوں سے لیا۔

''ویسے آپ سگھڑ خواتین بتانا پسند کریں گی یہ ہو کیا رہا ہے۔'' کب سے سنتا حماد بند آنکھوں سے بولا۔

''میں ہمیشہ گرمیوں میں ہالہ کے لیے ایک کرتے پر کڑھائی کرتی ہوں۔ اس بار زیمل کے لیے بھی شروع کیا۔ لیکن زیمل نے تو مجھے حیران کر دیا''

لیکن بوا مجھے کروشیا کرنا نہیں آتا کیا آپ مجھے سکھا دیں گی۔''

''ہاں ہاں کیوں نہیں'' زیمل کے کہنے پر بوا نے واری صدقے جانے والے انداز میں اسے دیکھا۔

''کتنے لکی ہیں ہم اتنی سگھڑ لڑکی ہمارے گھر میں ہے، کڑھائی، سلائی سینا پرونا، کھانا پکانا باتیں بنانا سب آتا ہے، ہمارے تو بھاگ جاگ گئے۔'' حماد اب بھی بند آنکھوں سے سر دھنتے بولا تو نفیسہ نے ہنستے ہوئے اس کے کندھے پر چپت لگائی۔

''لیکن حماد بھائی! مجھے صرف کڑھائی کرنا اور کھانا پکانا آتا ہے، باقی سب نہیں آتا۔'' وہ پریشانی سے بولی تو حماد نے جھٹ سے آنکھیں کھول کر اسے دیکھا۔

''حد ہوتی ہے یار، بندہ اتنا بے وقوف بھی نہ ہو۔'' وہ اتنے افسوس سے بولا کہ زیمل نے روہانسی ہو کر ہالہ کو دیکھا جس نے خشمگیں نظروں سے حماد کو گھورا۔

''وہ بے وقوف نہیں صاف گو ہے۔''

''کچھ زیادہ ہی صاف گو نہیں'' حماد کا انداز مذاق اڑانے والا تھا۔

''برخوردار، جیسی بھی ہے پر تمہارے جیسی بہانے باز نہیں۔'' بوا نے کہا۔

pklibrary.com

"بہانے بازی بھی ایک آرٹ ہوتا ہے بوا جو ہر کسی کا نصیب نہیں ہوتا" وہ فرضی کالر اٹھاتے ہوئے بولا۔

"ہمیں تو معاف ہی رکھو میاں ایسی خوش نصیبی سے" بوا نے جیسے ہاتھ ہلا کرناک سے مکھی اڑائی ان کی حرکت پر ہالہ اور زیمل کھلکھلا کر ہنس پڑی تھیں، تب ہی ۔ ٹی وی لاؤنج کا دروازہ کھول کر حارث اندر داخل ہوا۔

"السلام علیکم" اس نے سلام کرتے ہوئے سب پر طائرانہ نظر ڈالی۔

"ہالہ چائے کے ساتھ کچھ اور بھی بنالو۔"

"جی اماں" وہ کہہ کر اٹھی تب ہی زیمل بھی کھڑی ہوئی، "ہالہ میں بناتی ہوں تم بیٹھو۔"

"جاؤ شکھڑ لڑکی اور ہاں چائے کے ساتھ وہ کباب بھی بنالینا جو تمہاری اپنی ریسپی ہے۔"

"ابھی تو تم نے کھانا کھایا تھا پھر بھوک لگ گئی ہے۔" نفیسہ نے حیرت سے اسے دیکھا۔

"اماں، کھانا کھائے ایک گھنٹہ ہو گیا ہے اور پتا ہے آپ کو میں چائے کے ساتھ کچھ نہ کچھ ضرور کھاتا ہوں اور تم ابھی تک یہیں کھڑی ہو جاؤ کچن میں۔" ماں سے بات کرنے کے بعد اس نے سامنے کھڑی زیمل، کو گھورا تو وہ تیزی سے وہاں سے نکلی۔

"کیسے فضول رعب جھاڑتے ہو اس پر۔" نفیسہ نے اب اس کے سر پر چپت لگائی۔

"فضول تو نہیں ڈانٹتا، اپنا سمجھ کر فرمائش کرتا ہوں اور اسٹوڈنٹ ہے میری، وہ بھی نکمی استاد ماغ لگا کر سمجھانا پڑتا ہے، اس کے بدلے اگر میرا تھوڑا کام کر دیتی ہے تو حرج کیا ہے۔"

"حرج یہ ہے میاں، کہ وہ یہاں نئی ہے، تمہاری مذاق کی عادت نہیں جانتی اسے یہ نہیں لگنا چاہیے کہ تمہارا گھر ہے تو وہ تمہارا کام کرنے کے لیے مجبور ہے۔" نفیسہ کے کہنے پر اس نے بے یقینی سے انہیں دیکھا۔

"اماں، آپ مجھے ایسا سمجھتی ہیں میں اسے......" اس سے پہلے وہ بات پوری کرتا حارث اندر داخل ہوا تو وہ خاموشی سے اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گیا۔

"میں لا رہی تھی۔" اسے آتا دیکھ کر ہالہ جلدی سے بولی "زیمل میں اگر تم سے کوئی کام کہتا ہوں تو تمہیں برا لگتا ہے۔" اس کے سنجیدہ انداز پر زیمل کے ساتھ ہالہ نے بھی حیرت سے اس کا سنجیدہ چہرہ دیکھا۔

"نہیں حماد بھائی، آپ کو ایسا کیوں لگا۔"

"اماں کو لگتا ہے میں فضول میں تم پر رعب جماتا ہوں۔" اب کہ وہ منہ پھلا کر بولا تو ہالہ سر جھٹکتے مسکرا دی۔

"نہیں مجھے اچھا لگتا ہے اپنے بھائی کے لیے کچھ بھی کرنا۔"

"واہ لڑکی، دل خوش کر دیا اب اسی خوشی میں میں تمہیں منہ مانگا انعام دوں گا مانگو لڑکی کیا چاہتی ہو۔"

"وہ میں سوچ کر بتاؤں گی۔" وہ سوچنے والے انداز میں بولی تب ہی غلام عباس کی آواز پر وہ تینوں حیران ہوئے تھے۔

"یہ عالم پناہ اتنی جلدی کیسے آگئے، لگتا ہے پھر دربار سجنے والا ہے اور مجرم یقیناً حارث بھائی ہوں گے۔" حماد کی پیشین گوئی پر ہالہ جلدی سے دروازے کی طرف بڑھی جبکہ زیمل پریشانی سے وہیں کھڑی رہی۔

وہ جو ڈرتے ڈرتے ڈائننگ روم میں داخل ہوئی تھی کہ پتا نہیں آج کون عدالت لگے گی لیکن کچھ دیر بعد وہ ڈر زائل ہو گیا۔ ڈائننگ روم کا ماحول کافی خوش گوار سا تھا۔ دونوں باپ بیٹا جو تین دن سے تنے ہوئے چہروں کے ساتھ کھانے کی میز پر موجود ہوتے تھے وہ نہ صرف آج خوش گوار موڈ کے ساتھ باتیں کر رہے تھے بلکہ مسکرا بھی رہے تھے۔ زیمل بظاہر اپنی پلیٹ پر جھکی تھی لیکن دھیان ساتھ بیٹھی ہالہ اور سامنے بیٹھے حماد کی طرف تھا جو نا جانے اشاروں میں کیا بات کر رہے تھے۔ وہ ہمیشہ کچھ لوگوں میں بیٹھ کر اشارے سے ایک دوسرے سے نہ صرف بات کر لیتے تھے بلکہ ایک دوسرے کے اشارے سمجھ بھی جاتے تھے، جبکہ وہ اشاروں کی زبان سے بالکل

نابلد تھی، لیکن اسے امید تھی وہ جلد سیکھ جائے گی۔
اس نے سامنے حماد کو دیکھا، جو آنکھوں کو دائیں طرف گھمائے پتا نہیں ہالہ کو کیا سمجھا رہا تھا۔ زیمل نے بے ساختہ اس کے اشارے کی سمت دیکھا جہاں حارث بات کرتے ہوئے کھل کر مسکرایا تھا۔ ''اس کی مسکراہٹ بہت خوب صورت تھی شاید اس لیے وہ کم مسکراتا تھا۔ نظر لگ جاتی ہوگی'' اپنی سوچ پر زیمل بے ساختہ مسکرائی اور اسی مسکراہٹ کے ساتھ اس نے سامنے دیکھا، حماد کے چہرے پر پھیلی شرارتی مسکراہٹ دیکھ کر اس کی مسکراہٹ فوراً سکڑی تھی اس نے جلدی سے گھبرا کر پانی کا گلاس ہونٹوں سے لگایا۔
''بھائی پیارے لگ رہے ہیں نا'' ہالہ کی سرگوشی پر اسے اچھو لگا تھا وہیں حماد اور ہالہ کی ہنسی چھوٹی، سب نے مڑ کر ان تینوں کو دیکھا ہالہ نے جلدی سے زیمل کی پشت کو سہلایا۔
''کیا مسئلہ چل رہا ہے۔'' عباس صاحب نے باری باری تینوں کو دیکھا۔ وہ دونوں سرنفی میں ہلاتے پلیٹ پر جھک گئے جبکہ زیمل پہلے ہی سجدے کے انداز میں پلیٹ پر جھکی ہوئی تھی۔ موبائل کی بیپ پر حارث نے موبائل کی اسکرین کی طرف دیکھا جہاں بینک کا نوٹیفکیشن تھا۔ اس نے حیران ہوتے ہوئے میسج کھولا اور پڑھتے ہی حیرت سے غلام عباس کو دیکھا۔
''بابا'' اس کے پکارنے پر انہوں نے ابرو اچکا کر اسے دیکھا۔
''یہ اماؤنٹ آپ نے ٹرانسفر کیا ہے۔'' وہ حیرت سے انہیں دیکھ رہا تھا۔
''ہاں تم یہ ڈیزرو کرتے ہو۔'' وہ مسکرا کر بولے لیکن جواباً وہ مسکرا بھی نہیں سکا اسے یوں سنجیدہ دیکھ کر وہ چمچہ پلیٹ میں رکھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔
''کیا ہوا کم ہیں'' ان کے سوال پر اس نے گہرا سانس لیا۔
''بات کم یا زیادہ کی نہیں بابا، میں پہلے بھی ایسی ڈیلنگ کرتا ہوں اور یہ میری ڈیوٹی ہے، اگر ہماری کمپنی کو فائدہ ہوتا ہے تو ظاہری بات ہے مجھے بھی فائدہ ہوتا ہے تو یہ علیحدہ سے کیوں؟'' وہ اب بھی الجھا ہوا تھا باقی سب بھی کھانا چھوڑ کر انہیں دیکھنے لگے۔
''جانتا ہوں تم پہلے بھی ڈیلنگ کرتے ہو لیکن اس دفعہ کی ڈیل مختلف تھی۔ ایک تو نئی کمپنی تھی دوسرا اس ڈیل سے پرافٹ بھی بہت ہونے والا تھا اور مجھے یقین تھا تم ضرور کنٹریکٹ حاصل کرلو گے لیکن جب میٹنگ کے بعد ان کا جواب نہیں آیا تو مجھے تم پر بہت غصہ آیا اور میں نے تمہیں زیادہ ہی ڈانٹ دیا، آج صبح ملائیشیا کمپنی سے ایگریمنٹ کی میل ملی تو مجھے یقین نہیں آیا تب سرور نے مجھے بتایا تم تین دن سے کتنی محنت کر رہے ہو۔'' ان کی بات سن کر حارث نے سر جھکا لیا۔
''بابا، جو چیز میری وجہ سے خراب ہوئی تھی مجھے ہی اسے ٹھیک کرنا تھا۔ اس کے لیے یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں۔'' اس نے موبائل کی طرف اشارہ کیا۔
''تمہیں ایسا نہیں لگتا پر مجھے لگتا ہے اور یہ ضرورت نہیں میری طرف سے گفٹ ہے اور اگر تم اس رقم کو استعمال کرو گے تو مجھے خوشی ہوگی نئی کار لے لو یا موبائل یا پھر ویکیشن پر چلے جاؤ۔'' ان کی فراخ دلانا آفر پر وہ کھل کر مسکرایا۔
''بابا، میں نے پچھلے سال کار بدلی ہے، فون بھی میرا نیا ہے اور ابھی میرا کہیں جانے کا موڈ نہیں۔'' اس سے پہلے غلام عباس مزید کچھ کہتے حماد بول پڑا تھا۔
''بابا، بھائی کو ضرورت نہیں ہے پر میری کافی پرانی ہوگئی ہے اور موبائل بھی کافی تنگ کر رہا ہے۔'' اس کی

بات پر غلام عباس سمیت سب مسکرا دیے تھے۔
"برخوردار، تم بھی بھائی کی طرح محنت کرو تو تمہیں بھی سب مل جائے گا۔" حماد نے برا سا منہ بنا کر سر جھکا لیا۔ غلام عباس کے اٹھتے ہی حماد تیزی سے حارث کی طرف آیا۔
"بھائی، مجھے فون چاہیے۔" وہ بچوں کی طرح باقاعدہ اس کا ہاتھ جھنجوڑ کر فرمائش کرنے لگا۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا حماد، ابھی پچھلے سال تم نے فون لیا تھا" نفیسہ نے ناراضی سے اسے جھڑکا۔
"وہ پرانا ہو گیا ہے بھائی پلیز" وہ اب بھی منتظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔
"اچھا بابا، لے لینا" وہ مسکرا کر بولا۔
"کوئی ضرورت نہیں حارث"
"کوئی بات نہیں اماں، بابا نے میرے اکاؤنٹ میں ہیوی اماؤنٹ ٹرانسفر کی ہے۔"
"ہیں" حماد نے بے یقینی سے آنکھیں پھیلائیں۔
"بھائی، پھر تو ہماری ٹریٹ بنتی ہے۔" ہالہ بھی خوشی سے بولی تو اس نے مسکرا کر اس کی طرف دیکھا تو نظر بے ساختہ اس کے ساتھ بیٹھی زیمل پر گئی۔ اس نے لمحوں میں نظروں کا زاویہ بدلا۔
"تم تو سب سے پہلے ہو گڑیا۔"
"میں اپنا کارڈ تمہیں دوں گا، کل ہالہ کے ساتھ جا کر اماں، پھوپھو اور بوا کے لیے ان کی پسند سے گفٹ لے لینا۔" سب سنتی زیمل کی مسکراہٹ بے ساختہ سمٹی تھی اس نے سب کا نام لیا تھا سوائے اس کے ایک لمحے میں اسے اس کی اوقات بتا گیا تھا۔ اپنی خوشی میں شاید کسی نے محسوس ہی نہیں کیا کہ اس نے زیمل کا نام نہیں لیا وہ سب آپس میں باتوں میں مصروف تھے وہ خاموشی سے پلیٹیں اٹھائے اس ہیپی فیملی کے فریم سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

طاہر نے متاثر کن نظروں سے گاڑی کے اندر نظریں دوڑائیں اور ہاتھ بڑھا کر سی ڈی سسٹم آن کیا، ساتھ ہی گاڑی میں محمد رفیع کی آواز گونجنے لگی۔
"حارث بھائی آپ اتنے پرانے گانے سنتے ہیں؟"
"ویسے یہ بابا کی پسند ہے لیکن مجھے بھی پرانے گانے پسند ہیں۔"
آپ اتنے پرانے لگتے تو نہیں" عالیہ کے مذاق پر طاہر اور کومل ہنس پڑے تھے۔
"یہ پرانے یا نئے کی بات نہیں بلکہ ذوق کی بات ہے۔" حارث کے سنجیدہ انداز پر کومل نے عالیہ کا بازو دبا کر اسے مزید فضول بات کرنے سے روکا۔
"حارث بھائی! یہ گاڑی آپ کی ہے۔" طاہر نے ڈیش بورڈ پر پیار سے ہاتھ پھیرا۔
"ہاں" وہ سامنے دیکھتا ڈرائیو کر رہا تھا۔
"لیکن کچھ عرصہ پہلے تو کوئی اور تھی۔"
"ہوں یہ دوسری ہے۔"
"تو پہلے والی بیچ دی آپ نے؟" وہ سر گھما کر اسے دیکھنے لگا۔
"نہیں وہ گھر پر ہے۔"
"وہ کون چلاتا ہے۔"
"طاہر" کومل نے بے ساختہ اسے ٹوکا۔

"کیا ہو گیا آپی، سوال ہی تو ہے، کیوں حارث بھائی آپ کو برا لگا۔"
"نہیں۔" وہ گہرا سانس لے کر بولا۔
"کہاں چلنا ہے۔"
"حارث بھائی، مال چلتے ہیں، بڑا مزہ آئے گا آپ مجھے شاپنگ کروائیں گے۔" عالیہ کے کہنے پر کومل نے بے ساختہ دانت پیسے۔ "حارث، یہ مذاق کر رہی ہے۔"
"کوئی بات نہیں اب مال آئے ہیں تو شاپنگ بھی کر لیں گے اور پھر اچھا سا ڈنر۔" طاہر اور عالیہ بے تحاشا خوش ہو گئے تھے۔
گاڑی سے باہر نکلتے ہی حارث نے ایک نظر سامنے کھڑی کومل اور عالیہ پر ڈالی تو اس کی پیشانی پر ناگواری سے لکیریں سی بن گئی تھیں۔ عالیہ اور کومل دونوں نے کافی فیٹنگ والے کپڑے پہن رکھے تھے اور دوپٹے بھی رسی کی صورت میں گردن سے لپیٹے ہوئے تھے۔
"کومل" اس کے پکارنے پر کومل نے مڑ کر اسے دیکھا۔
"پلیز اپنا دوپٹا ٹھیک سے لو اور عالیہ تم بھی۔" کومل نے گہرا سانس لے کر دوپٹا کھول کر لیا لیکن اس کے باوجود وہ اس کو ڈھکنے کے لیے کافی نہیں تھا جبکہ عالیہ نے ناگواری سے پہلے بہن کو اور پھر حارث کو دیکھا۔
"کیا ہو گیا ہے حارث بھائی، کون سی صدی میں جی رہے ہیں اندر جا کر آپ کو پتا چلے گا۔ ماڈرن لوگ کیسی ڈریسنگ کرتے ہیں یہ تو میں نے آپ کی وجہ سے شلوار سوٹ پہنا ہے ورنہ میں تو جینز پہنتی ہوں۔" وہ بے نیازی سے بولتی آگے بڑھ گئی جیسے وہ ایلیٹ کلاس میں سونے کا چمچہ لے کر پیدا ہوئی ہے۔
اپنا چھوٹا گھر، تنگ گلی، پسماندہ علاقہ سب بھول گئی تھی، کومل نے دزدیدہ نظروں سے حارث کو دیکھا جس نے ہونٹ بھینچ کر بمشکل اپنا غصہ کنٹرول کیا تھا۔
"آئی ایم سوری حارث، عالیہ کی طرف سے میں معافی مانگتی ہوں وہ ایسی ہی نا سمجھ اور منہ پھٹ ہے، امی بھی اسے ایسی ڈریسنگ سے منع کرتی ہیں لیکن وہ کسی کی کب سنتی ہے۔" کومل کے کہنے پر اس نے ٹیڑھی نظر کومل پر ڈالی تو کومل نے سٹپٹا کر اسے دیکھا۔
"میں تو پراپر دوپٹا لیتی ہوں، عالیہ کے کہنے پر یہ ڈریس پہنا۔"
"لباس انسان کی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے، ماڈرن کا مطلب یہ نہیں آپ جسم کی نمائش شروع کر دیں۔"
اس کا انداز سرد تھا۔ کومل کو اس کا اتنا تنگ نظر ہونا پسند نہیں آیا تھا لیکن وہ اسے ناراض بھی نہیں کر سکتی تھی۔ کومل نے اس کے تیور پر گہرا سانس لے کر خود پر قابو پالیا اور اس کے پیچھے چل دی۔
طاہر اور عالیہ ندیدوں کی طرح ہر دکان میں گھس رہے تھے اور حارث کے ساتھ چلتی کومل کا شرمندگی کے مارے برا حال تھا۔
"کبھی کبھی یہ دونوں بچوں والی حرکتیں شروع کر دیتے ہیں۔" اس نے سامنے دیکھ کر کہا جہاں طاہر اور عالیہ ایک شاپ میں گھس گئے تھے وہ دونوں باہر ہی کھڑے تھے، حارث ریلنگ سے ٹیک لگائے آتے جاتے ہجوم پر نظریں جمائے کھڑا تھا جبکہ سائیڈ پر کھڑی کومل کی نظریں اس پر جمی تھیں، کتنا شان دار شخص تھا اور عنقریب اس کا ہونے والا تھا، وہ گاڑی جس میں وہ بیٹھ کر آئی تھی وہ اس کی ہونے والی تھی اور ساتھ کھڑا یہ شان دار انسان اور اس کی ساری دولت پر اس کا حق ہوگا جلد ہی، سوچ کر دوبارہ اسے دیکھا وہ اب بھی سامنے دیکھ رہا تھا۔
"میں اتنے دن آپ کا انتظار کرتی رہی لیکن آپ آئے ہی نہیں مجھے لگا کم از کم میری طبیعت کا پوچھنے کے

لیے تو فون کریں گے۔" اس کی بے نیازی پر آخر کومل کو خود اسے مخاطب کرنا پڑا۔
"بہت بزی تھا اس لیے کال بھی نہیں کر سکا۔"
"آج بھی اگر امی فون نہ کرتیں تو آپ نے تو آنا ہی نہیں تھا۔" وہ شکوہ کرتی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔
"نہیں خالہ کو پیسے دینے تو ویسے بھی مجھے آنا تھا۔"
"بس یہی وجہ تھی آنے کی حارث؟" حارث نے اب سامنے سے نظر ہٹا کر اسے دیکھا۔
"میں لڑکی ہو کر آپ سے اپنی محبت کا اظہار کر چکی ہوں لیکن اس کے باوجود آپ ایسے ہی ہیو کرتے ہیں جیسے آپ۔" وہ بات ادھوری چھوڑ کر کندھے اچکا کر خاموش ہو گئی۔
"کومل، میں ایک پریکٹیکل انسان ہوں، میری سوچ ہے کہ ہر بات کا ایک وقت ہوتا ہے اور اس بات کو اسی وقت پر کہنا چاہیے۔ میں تمہاری فیلنگ کی قدر کرتا ہوں اور مجھے تمہاری پرواہ ہے۔ اسی لیے میں یہاں ہوں۔" کومل نے گہرا سانس لیا۔
"پریکٹیکل ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ انسان اپنی ہونے والی منگیتر کی تعریف نہیں کر سکتا۔" کومل کی بات پر اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آئی تھی۔
"اچھی لگ رہی ہو" اس کی طرف دیکھ کر کہا۔
"تعریف سننے کے لیے بھی آپ کو کہنا پڑے گا۔" کومل بھی مسکرا کر بولی۔
"حارث! آپ بالکل بھی رومانٹک نہیں مجھے اپنا مستقبل تاریک نظر آ رہا ہے۔"
"مستقبل کے روشن ہونے کے لیے رومانٹک ہونا ضروری ہے۔"
"بالکل بیویوں کو رومانٹک شوہر ہی پسند ہوتے ہیں۔"
"تو اس کا مطلب ہے میں اچھا شوہر ثابت نہیں ہوں گا۔" اس نے ہونٹ بھینچ کر اپنی مسکراہٹ کو روکی۔
"اب سے میری سب سے بڑی خواہش ہو گی آپ کے منہ سے محبت کا اظہار سننا۔"
"پھر تو یہ تمہاری خواہش ہی رہے گی کیونکہ مجھے نہیں لگتا مجھے محبت ہو گی اور کبھی میں کسی سے محبت بھرے ڈائیلاگ بولوں گا۔"
"حارث" وہ ناراضی سے چلائی "آپ میرے منہ پر کہہ رہے ہیں آپ مجھ سے محبت نہیں کرتے۔"
"شادی کرنے کے لیے محبت کرنا ضروری نہیں یہ ایک کمٹمنٹ ہے جس میں دونوں کا ایک دوسرے سے مخلص ہونا ضروری ہے۔"
"مطلب آپ شادی کریں گے مجھ سے" وہ اب اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔
"سوچا تو ایسا ہی ہے۔"
"میرے لیے اتنا ہی کافی ہے۔" وہ بے ساختہ خوش ہو کر بولی۔
"حارث بھائی، آ جائیں پے منٹ ٹائم ہو گیا۔" طاہر اور عالیہ کپڑوں کی طرف اشارہ کرتے حارث کو بلا رہے تھے۔
"یہ کمینے مجھے ذلیل کروا کر چھوڑیں گے۔" حارث کے پیچھے کومل غصے سے بڑبڑاتی شاپ کے اندر داخل ہوئی۔

☆☆☆

"تمہیں ابھی تک کچھ پسند نہیں آیا۔؟" ہالہ کی آواز پر اس نے چونک کر پیچھے دیکھا۔
"سب ہی اچھے ہیں سمجھ میں نہیں آ رہا کون سا لوں۔" وہ کپڑوں سے زیادہ ان کے پرائز ٹیگ دیکھ رہی تھی۔

""جس طرح تم پرائز پر دھیان دے رہی ہو مشکل ہے تمہیں کوئی سوٹ پسند آئے۔" حماد کی آواز پر اس نے نروس ہو کر اپنا نچلا ہونٹ دانتوں تلے دبایا۔

"ہالہ کو دیکھو کتنی شاپنگ کرلی ہے اور تم ابھی تک پرائز پر اٹکی ہو۔ بھائی نے ہمیں کارڈ دیا ہے اور ہم کھل کر شاپنگ کر سکتے ہیں اور ان کے پیسوں پر زیادہ حق تمہارا ہی ہے۔" حماد نے شرارت سے کہا تھا لیکن اس کی مذاق میں کہی ہوئی بات اس کا دل جلا گئی تھی۔ جس انسان نے ہمیشہ اس سے بے رخی برتی ہو، دیکھ کر ان نظر انداز دیکھا کیا ہو اس کی کسی بھی چیز پر اس کا حق کیسے ہو سکتا ہے، دو دن پہلے بھی اس نے سب کے ساتھ اس کا نام نہیں لیا تھا۔

وہ ہالہ اور حماد کے کہنے پر آ گئی تھی کیونکہ وہ ان کی خوشی خراب نہیں کرنا چاہتی تھی لیکن اسے بھیک نہیں چاہیے تھی۔

"حماد بھائی! فی الحال مجھے کچھ نہیں چاہیے، پھوپھو نے مجھے کافی کپڑے لے کر دیے تھے اس لیے مجھے ابھی ضرورت نہیں۔"

"تو جیولری، ہینڈ بیگ، جوتے کچھ بھی لے لو۔" ہالہ نے اس کے نزدیک آ کر کہا۔

"نہیں ابھی نہیں۔"

"یار، کیسی بور لڑکی ہو، لڑکیاں تو سب کچھ ہو پھر بھی چار پانچ چیزیں ویسے ہی لے لیتی ہیں، مثال تمہارے سامنے کھڑی ہے۔" حماد نے ساتھ کھڑی ہالہ کی طرف اشارہ کیا۔

"تو کیوں نہ لوں، بھائی نے کارڈ مجھے دیا تھا اور یہ بھی کہا تھا کہ جو مرضی لے لینا، تمہاری طرح اتنا مہنگا فون نہیں لیا وہ چیزیں لی ہیں جو ضرورت کی تھیں۔"

"یہ ضرورت ہے؟" حماد نے اس کے ہاتھ میں تھامے چھ برینڈڈ سوٹ، تین اسکارف دو سینڈلز، ہینڈ بیگ ایک کلچ کی طرف اشارہ کیا۔ "اس میں ضرورت کیا ہے، تمہاری الماری بھری ہوئی ہے ان چیزوں سے۔"

"تم میری الماری میں گھستے ہو۔" ہالہ نے افسوس سے آنکھیں پھیلا کر اسے گھورا۔

"مجھے کوئی ضرورت نہیں اس فضول ماڈلنگ ایریا میں جانے کی، مجھے بھوک لگ رہی ہے اور صاف نظر آ رہا ہے زیمل کا ارادہ نہیں کچھ لینے کا میں فوڈ کورٹ جا رہا ہوں چلنا ہے تو چلو۔" حماد کے کہنے پر ہالہ بھی جلدی سے اس کے پیچھے بھاگی۔ زیمل بھی سر جھکائے ان کے پیچھے چلنے لگی کسی نے دوبارہ اس سے کسی چیز کے لیے اصرار نہیں کیا تھا۔

مینیو ان تینوں کے سامنے تھا اور وہ دونوں کسی ایک چیز پر اتفاق نہیں کر پا رہے تھے جبکہ وہ خاموشی سے ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔

"بھائی" حماد کی آواز پر اس نے چونک کر گردن گھمائی۔ فوڈ کاؤنٹر کے قریب حارث اور اس کے ساتھ دو لڑکیاں اور ایک لڑکا تھے، زیمل کو وہ چہرے جانے پہچانے لگے تھے لیکن اسے یاد نہیں آ رہا تھا کہاں دیکھا ہے۔ حماد اٹھ کر ان کی طرف بڑھ گیا۔

"تم یہاں" حارث نے حیرت سے حماد کو دیکھا۔

"ہاں میں ہالہ اور زیمل کے ساتھ شاپنگ کے لیے آیا تھا۔" حارث کی نظریں حماد کے پیچھے ٹیبل پر جا کر رکیں اس کے ساتھ کھڑی عالیہ کومل اور طاہر نے بھی حماد کے پیچھے نظر ڈالی۔

☆☆

(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

آسیہ ساجد علی

دھوپ چھاؤں زندگی

''ماما! آج اسکول والوں نے لاسٹ وارننگ دی ہے جو بچے پانچ تاریخ تک بلیزر (کوٹ) اور سویٹر پہن کر نہ آئے۔ انہیں کلاس میں بیٹھنے نہیں دیا جائے گا۔''

عمیر نے اسکول بیگ رکھتے ہی خذینہ کو بتایا خذینہ نے پریشان ہو کر ساس کی طرف دیکھا اتنے میں گیٹ پر صارم کی بائیک کا ہارن سنائی دیا۔

''جاؤ عمیر گیٹ کھولو بابا آگئے۔''

''خذینہ! صبح بازار جا کر عمیر اور عائشہ کے یونیفارم کے کوٹ لے آیا۔''

''لیکن کیسے خالہ امی؟'' خذینہ نے سوالیہ انداز میں ساس سے پوچھا۔

''فکر نہ کرو، انتظام کرلیں گے! بس اب یہ قصہ صارم کے سامنے مت دہرانا جاؤ، صارم کے لیے چائے بناؤ۔'' خالہ نے رسان سے کہا۔

''السلام علیکم امی!'' صارم نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ماں کو سلام کیا۔

''وعلیکم السلام بیٹا کیا بنا انٹرویو کا؟'' صارم نے ٹھنڈی سانس بھر کر مایوس انداز میں کہا۔

''امی! وہی جو روز بنتا ہے۔ امی یہاں اہلیت اور قابلیت سے زیادہ رشوت اور تگڑی سفارش دیکھی جاتی ہے۔ اور پرائیویٹ اداروں میں تو سارا نظام ہی اقربا پروری پر چلتا ہے۔''

اتنے میں خذینہ چائے لے آئی اور خاموشی سے پاس بیٹھ گئی۔

''خیر آپ لوگ پریشان نہ ہوں۔ اللہ مسبب الاسباب ہے ایک دوست کے توسط سے ایک عارضی ملازمت مل گئی ہے جو ایک فرم میں اکاؤنٹینسی ڈیپارٹمنٹ سے وابستہ ہے اور دو ماہ کی چھٹی پر جارہا ہے۔ اسی کی جگہ پر کام کروں گا لیکن تنخواہ اس سے آدھی ملے گی۔ اس میں سے بھی تقریباً پانچ ہزار تو پٹرول میں ہی نکل جائیں گے۔'' صارم کی بات سن کر امی اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولیں۔

''چلو بیٹا کچھ نہ ہونے سے یہ بھی بہتر ہے اللہ پر بھروسا رکھو۔ وہ وقت نہیں رہا تو یہ بھی نہیں رہے گا۔''

صارم خذینہ کا شوہر ہونے کے ساتھ خالہ زاد بھی تھا۔ ذاتی گھر کے علاوہ بہت اچھے سیلری پیکیج پر ملازمت کررہا تھا۔ گزر اوقات اچھی ہو رہی تھی بچے اچھے اسکول میں پڑھ رہے تھے چند بیمہ پالیسیاں بھی لے رکھی تھیں کہ دو ماہ پہلے اس کی فرم دیوالیہ ہوگئی بہت سے ملازمین کو فارغ کردیا گیا جن میں صارم بھی شامل تھا۔

ہر گھر کی طرح صارم کی تنخواہ کا بھی ایک بڑا حصہ اسکول اور اکیڈیمیز کی فیسوں گروسری اور یوٹیلٹی بلز میں نکل جاتا تھا جو تھوڑی بہت بچت ہوتی تھی وہ بھی دو ماہ میں ٹھکانے لگ چکی تھی۔ عارضی ملازمت کی مد میں ملنے والی تنخواہ میں ابھی پورا مہینہ پڑا تھا۔ جس کی وجہ سے خزینہ از حد پریشان تھی۔

صارم اور بچوں کے آفس اور اسکول چلے جانے کے بعد خذینہ اپنے اور خالہ امی کے لیے چائے لے آئی۔ خالہ امی نے کپ پکڑتے ہوئے خذینہ کی طرف غور سے دیکھا۔

''خزینہ میری طرف دیکھو رو رہی تھیں کیا؟ بیٹا بہادر بنو زندگی تو دھوپ چھاؤں کی طرح ہوتی ہے

اچھے برے حالات تو آتے جاتے رہتے ہیں انسان کو ہمت نہیں ہارنی چاہیے۔"

"خالہ امی! ہمت کیسے نہ ہاروں، بچوں کا یونیفارم مکمل نہیں ہو رہا۔ کچن میں بھی ایک چیز ختم تو کبھی دوسری ابھی تو مہینے کا آغاز ہوا ہے شکر ہے کہ گھر ہمارا ذاتی ہے اگر کرائے کا ہوتا تو اور زیادہ مشکل ہو جاتی۔" خذینہ نے روہانسی ہو کر کہا۔

"خذینہ بیٹا! مایوس نہیں ہوتے وہ کیا کہتی ہے۔ "عمیرہ احمد حالم میں" جو ہمیں آتا ہے وہی ہمیں بچاتا ہے۔"

یہ سن کر اتنی پریشانی میں بھی خذینہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔ "اف خالہ امی حالم عمیرہ احمد نے نہیں "نمرہ احمد" نے لکھا ہے۔"

خالہ امی نے سر پر ہاتھ مار کر کہا۔ "ائے ہئے یہ موئے گھٹنوں کے ساتھ اب حافظہ بھی جواب دیتا جا رہا ہے۔"

"لیکن خالہ امی مجھے کیا چیز بچا سکتی ہے مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا۔ نہ سلائی نہ کڑھائی سمپل بی اے، میتھ اور انگلش میں نہیں پڑھا سکتی۔ ڈھنگ سے پڑھائی کی ہوتی تو کسی پرائیویٹ اسکول میں ٹیچنگ ہی کر لیتی گھر پر ٹیوشن ہی پڑھا لیتی۔ سب بہن بھائی پڑھ لکھ کر اپنے پاؤں پر کھڑے ہیں۔ ایک میں ہوں نکمی، بے کار عورت بچپن سے امی کو جاب کرتے دیکھا صبح افراتفری میں وہی ناشتا بنتا جو نسبتاً آسان ہوتا۔ لنچ بھی بہت سادہ ہوتا۔

اسکول سے آکر امی گھر دیکھتیں اور شام تک اس قدر تھک چکی ہوتیں کہ ہماری کوئی فرمائش کرنے کی ہمت ہی نہ پڑتی۔ یہی روٹین پورا ہفتہ چلتی، میں خالہ، پھپھو، چچیوں کو بچوں کی فرمائشیں پوری کرتے اور ان کے چونچلے اٹھاتے دیکھتی تو محرومی کا احساس ہوتا۔ میں سوچتی کہ عورت کو گھر میں ہی رہنا چاہیے اور بچوں کے لاڈ اٹھانے چاہئیں ہاؤس وائف ہونا میرے لیے ایک فینٹسی تھا۔ لیکن یہ نہ سوچا کہ بہن بھائی کے میڈیکل اور انجینئرنگ میں داخلے امی کی مدد سے ہی ممکن ہو سکے۔

خالہ! عورت کو کم از کم اتنا تعلیم یافتہ ضرور ہونا چاہیے کہ وقت پڑنے پر معاشی مسائل کے حل کے لیے شوہر کے شانہ بشانہ کھڑی ہو سکے، عورت کو کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سیکھنا چاہیے بلکہ پروفیشنل ایجوکیشن تو بہت ہی ضروری ہے۔"

خالہ امی نے تائیدی انداز میں سر ہلایا۔

"ہاں بالکل اب وہ زمانہ نہیں رہا کہ گھر کا صرف ایک فرد کمائے بلکہ سب کو کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ لیکن میری بچی کس نے کہا کہ تمہیں کچھ نہیں آتا۔ خیر سے پورے خاندان میں تمہارے جیسا کھانا کوئی نہیں بنا سکتا۔"

"تو خالہ امی! کیا کروں کیا کسی کے گھر میں خانساماں کا کام سنبھال لوں۔"

خالہ امی نے تیوری پر بل ڈال کر کہا۔ ”آئے ہائے کیا بدفال منہ سے نکال رہی ہو۔ یہاں آؤ اور میری بات ذرا غور سے سنو۔“ خالہ امی نے اپنی انگوٹھی اتار کر خذینہ کی ہتھیلی پر رکھتے ہوئے کہا۔

”یہ بازار جاؤ اور جا کر بچوں کے یونیفارم کے کوٹ لے آؤ اور عمیر کی اکیڈمی کی فیس بھی جمع کرادو۔“ خزینہ نے فوراً نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”نہیں خالہ امی! یہ تو آپ کے پاس خالو کی نشانی ہے۔“

”اللہ زندگی دے میرے بچوں کو، وہ ہیں تیرے خالو کی نشانیاں یہ چیزیں تو ہوتی ہی اس لیے ہیں کہ مشکل وقت میں کام آسکیں۔“

”اگر ایسا ہے خالہ امی تو زیور تو میرے پاس بھی ہے۔“ خالہ نے تیوری پر بل ڈال کر فوراً کہا۔ ”خبردار جو تو نے اپنے زیور کا نام بھی لیا ہے۔ وہ تمہارے بچوں کے لیے ہے اور میرا زیور میرے بچوں کے لیے۔ مجھے بھی کہاں تم نے باتوں میں لگا دیا وہ بات تو میں بھول ہی گئی جو ضروری تھی۔

فاطمہ کو جانتی ہو ناں سلیمہ کی بیٹی جس سے ملنے میں پچھلے دنوں گئی تھی۔ وہ ایک قریبی اسکول میں پڑھاتی ہے۔ اس سے فون پر میری بات ہوگئی ہے۔ تمہیں اس سے جا کر ملنا ہے۔ وہ تمہیں اپنی پرنسپل سے ملوائے گی۔ ان کے اسکول کی کینٹین میں بلکہ ہر اسکول کی کینٹین سے بسکٹ، چپس سموسہ برگر سینڈوچ کے علاوہ کچھ نہیں ملتا۔

تم پرنسپل سے مل کر کہو گی کہ تم ان کے اسکول اسٹاف کے لیے اپنی بریانی متعارف کروانا چاہتی ہوں۔ اور وہ تمہاری بریانی ٹرائی کریں اگر انہیں پسند آئی تو واٹس ایپ پر آرڈر دے لیا کریں اگر ان کا جواب مثبت ہوا تو واپسی پر بریانی کا سامان لیتی آنا اور پیکنگ کے لیے چند ڈبے بھی اور اگلے دن ٹرائل کے لیے بریانی بنالینا۔“

”مگر خالہ امی؟“ خذینہ تذبذب کا شکار تھی۔ خالہ نے خزینہ کے سر پر تھپکی دیتے ہوئے کہا۔ ”اگر مگر کچھ نہیں بیٹا، حرکت میں برکت ہے اب گھر بیٹھے تو مسائل حل ہونے سے رہے۔ جاؤ شاباش تیار ہو جاؤ اللہ کرم کرے گا۔“

خزینہ ایک نئی امید کے ساتھ جانے پر رضامند ہوگئی۔ خالہ نے پیچھے سے ہانک لگائی۔ ”ایک اور کام یہ کرنا آتے ہوئے ڈائجسٹ بھی لیتی آنا۔ بھئی ماہر اور کشمالہ کی بھی کوئی خیر خیریت پتا چلے۔“

☆☆☆

خزینہ کی ملاقات اسکول پرنسپل سے ہوگئی اچھی ملنسار اور تعاون کرنے والی خاتون تھیں۔ خذینہ نے بتایا کہ کل وہ بریانی ٹیسٹ کرلیں اور قیمت بھی جان لیں تو انہوں نے اجازت دے دی۔ اگلے دن خالہ امی بہت پرجوش تھیں۔ انہوں نے خزینہ سے بریانی بنوانے کے بعد کہا۔

”اسے ڈبوں میں پیک کرو اور ایک ایک تھیلی رائتے اور سلاد کی بھی رکھو۔ اندازہ کرو کہ بریانی پر کتنا خرچا آیا پھر اس رقم کو ان ڈبوں پر تقسیم کردو پھر جو رقم سامنے آئے اس میں بازار سے ملنے والی بریانی پر جو منافع لیتے ہیں اس سے آدھا منافع شامل کرلو اور یہ قیمت اسکول والوں کو بتادو۔“ خذینہ نے حیران ہو کر کہا۔ ”لیکن خالہ امی بازار سے آدھا منافع کیوں۔“

”وہ اس لیے میری بھولی بہو کہ بازار والوں کو دکان کا کرایہ بھی دینا ہوتا ہے اور کاریگروں کو تنخواہ بھی۔ اور اسکول والوں کو یہ مناسب قیمت پسند بھی آئے گی ورنہ وہ بازار سے نہ لے لیں۔“ خذینہ خوش ہو کر بولی۔ ”ارے ہاں یہ تو میں نے سوچا ہی نہیں۔“

بریانی کا ٹرائل دے دیا گیا۔ ٹیچرز کو نہ صرف بریانی پسند آئی بلکہ مناسب قیمت بھی اور پہلے ہی دن پندرہ پلیٹوں کا آرڈر مل گیا اور اسکول پیون بھی دو سو روپیہ لے کر ڈلیوری کے لیے راضی ہوگیا کیونکہ اسکول قریب ہی تھا۔

اگلے دن خذینہ نے خوشی سے ساس کے گلے میں بازو ڈالتے ہوئے کہا۔ ”دیکھیں خالہ امی، پہلے دن ہی پندرہ سو کا منافع ہوا ہے۔ اللہ تیرا شکر۔“

ایک ہفتے میں ہی خذینہ کا بریانی کا کام اچھا خاصا چل نکلا اور ٹیچرز کے جاننے والوں کے آرڈر

pklibrary.com

بھی آنے لگے لیکن خذینہ اب صارم کے مشورے سے ہی کام کو آگے بڑھانا چاہتی تھی۔

"خالہ امی! یہ سب آپ کی دعاؤں اور آئیڈیے کا کمال ہے۔" خالہ کہنے لگیں۔ "نہیں بیٹا میرا کوئی کمال نہیں یہ تو اللہ کا کرم ہے۔ لیکن خذینہ، ایک بات تو ہم بھول ہی گئے بریانی کا نام کیا رکھیں گے۔" سوچتے ہوئے کہا۔

"خالہ بھانجی بریانی کیسا رہے گا۔" جواباً خالہ نے کہا۔ "ائے ہئے دماغ تو نہیں چل گیا بھلا یہ کیا نام ہے کوئی ماڈرن سا نام رکھو جیسے ٹفنی بریانی "(Tiffany)

خذینہ نے اعتراض اٹھاتے ہوئے کہا۔ "مجھے کہہ رہی تھیں کہ ماڈرن نام رکھو تو ٹفنی تو اولڈ فیشن ہے پرانے زمانے میں ٹفن بولتے تھے اب تو لنچ باکس کہا جاتا ہے۔ ٹفن سے ٹفنی ہوا ناں۔"

خالہ نے ابرو اٹھاتے ہوئے کہا۔ "ارے بی بی! یہ تو اتنا مشہور برینڈ ہے یاد نہیں۔ "سالار" نے "امامہ" کو اسی برینڈ کی انگوٹھی گفٹ کی تھی۔"

خذینہ ہنستے ہوئے بولی۔ "خالہ امی خدا کا خوف کریں یہ تو ایک انٹرنیشنل جیولری برینڈ ہے جو کروڑوں میں ڈیلز کرتا ہے۔" خالہ امی چمک کر بولیں۔ "تو کیا ہوا کیا لفظ Tiffany ان کے باپ کی جاگیر ہے جو کوئی دوسرا اسے استعمال نہیں کر سکتا۔"

اتنے میں لاؤنج میں صارم یہ کہتے ہوئے داخل ہوا "معزز خواتین کیا ہمیں بھی یہ ٹفنی بریانی کھانے کا شرف حاصل ہو سکتا ہے۔" خذینہ نے حیرانی سے پوچھا۔ "صارم آپ کو کیسے پتا چلا۔"

"محترمہ میں آپ ساس بہو کی مشکوک سرگرمیوں پر بہت دنوں سے نظر رکھے ہوئے تھا۔ اور ایک خوشخبری اس ناچیز کے پاس بھی ہے۔ میں جس سیٹ پر عارضی طور پر کام کر رہا تھا میری اچھی کارکردگی پر مستقل بنیادوں پر مجھے دے دی گئی ہے۔ کیونکہ میرا وہ دوست جو یہاں کام کر رہا تھا اپنی فیملی سمیت بیرون ملک سیٹل ہو رہا ہے۔" خذینہ آنکھوں میں تشکر کر کے آنسو لیے جلدی سے کھانا نکالنے اٹھ گئی۔ کیونکہ اس کے بعد اس ذات اقدس کے سامنے سجدۂ شکر بھی تو بجا لانا ہے۔ جس نے ہر تنگی کے بعد آسانی کا وعدہ فرمایا ہے۔

☆☆

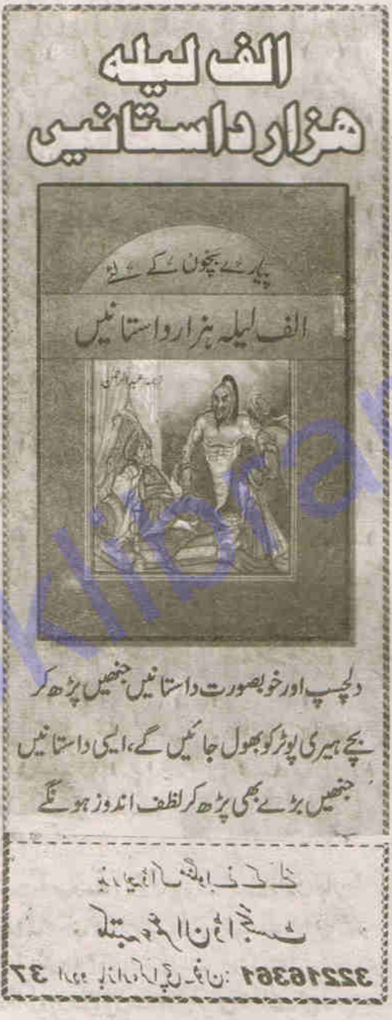

راشدہ رفعت

محبت معتبر ٹھہری

مکمل ناول

یہ ایک اتفاقی ملاقات تھی۔ اس اتفاقی ملاقات کے نتیجے میں زندگی نیا موڑ لے لے گی اس کی خبر کسی کو بھی نہ تھی۔

فرحت ممانی علیل تھیں اور کافی عرصے سے علیل تھیں۔ دادی جان روز اس سے کہتیں کہ وہ ان کے ساتھ ان کی عیادت کرنے چلے۔

نورالہدیٰ کو ماموں کے گھر جاتے ہوئے عجیب سی الجھن ہوتی تھی۔ وہ گزشتہ برسوں میں جب بھی بھی دادی جان کے ساتھ ننھیال گئی تھی واپسی بوجھل دل و دماغ کے ساتھ ہوئی۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ وہ لوگ مرحومہ بہن کی اکلوتی نشانی سے پیار جتلاتے یا کم از کم خوشی کا اظہار ہی کر دیتے لیکن وہاں سب کے رویوں میں سرد مہری سی جھلکتی تھی۔

عقل و شعور کی سرحد پر قدم رکھنے کے بعد نور الہدیٰ نے وہاں جانا ترک کر دیا تھا۔ دادی جان کو بھی صاف صاف لفظوں میں بتا دیا کہ اسے کسی ایسی جگہ جانے کا قطعاً شوق نہیں جہاں انہیں کوئی اہمیت ہی نہیں دے جاتی۔

"میری چندا، اگر میں تمہیں وہاں نہ لے جاتی تو زندگی کے کسی موڑ پر تو اور عثمان مجھ سے یہ شکوہ کر سکتے تھے کہ ماں کے رشتے داروں سے ملنے کیوں نہیں دیا۔"

"آپ نے آج تو یہ بات کر دی دادی جان! آئندہ کی تو میں خفا ہو جاؤں گی۔ آپ نے یہ سوچا بھی کیسے کہ میں یا عثمان زندگی کے کسی بھی موڑ پر آپ سے شاکی ہو سکتے ہیں۔ ہماری تو کل کائنات ہی آپ پر اور بابا پر مشتمل ہے۔" وہ جذباتی ہو کر دادی سے لپٹ گئی تھی اور اس دن کے بعد ننھیال والا باب بند ہو گیا تھا۔

ان لوگوں نے بھی کبھی پلٹ کر نہ پوچھا۔

اب دادی کے پاس کسی شناسا کا فون آیا تو پتا چلا فرحت مامی اب ہسپتال داخل ہیں تو اگلے دن وہ پوتی کو لے کر ہسپتال پہنچ گئی تھیں۔ یہ شہر کا سب سے مہنگا نجی ہسپتال تھا۔ فرحت مامی بے چاری واقعی خاصی بیمار تھیں۔ نورالہدیٰ تو انہیں دیکھ کر پہچان ہی نہ پائی۔ ان کی دونوں بیٹیاں ان کے پاس تھیں۔

پتا نہیں اس بیماری نے ان لوگوں کے مزاج میں تبدیلی پیدا کی تھی یا اتنے برسوں بعد ملاقات ہو رہی تھی تو مخصوص سرد مہری کے بجائے گرم جوشی اور اپنائیت کا اظہار ہو رہا تھا۔

"ماشاء اللہ ہدیٰ کتنی بڑی اور پیاری ہو گئی ہے ممی۔" رباب آپی نے ماں کو مخاطب کیا۔

"ہاں بالکل نزہت کی جوانی ہے۔" فرحت مامی بول اٹھی تھیں۔ نورالہدیٰ نے پہلی بار ان کے لبوں سے اپنی مرحومہ ماں کا تذکرہ سنا تھا۔ وہ خاموشی سے مسکرا دی تھی۔

"دادی آپ لوگوں نے تو اتنے برسوں سے پلٹ کر پوچھا تک نہیں نہ ہی عثمان اور نورالہدیٰ کا ہم سے ملنے کا خیال آیا۔"

رباب آپی کے بعد نایاب آپی نے بھی اپنائیت بھرا شکوہ کیا۔

دادی تو اس شکوے پر فقط مسکرا دی تھیں لیکن نورالہدیٰ کو جی ہی جی میں بڑا غصہ آیا۔ جن لوگوں نے خود کبھی پلٹ کر رابطہ نہ رکھا ان کے لبوں سے یہ

pklibrary.com

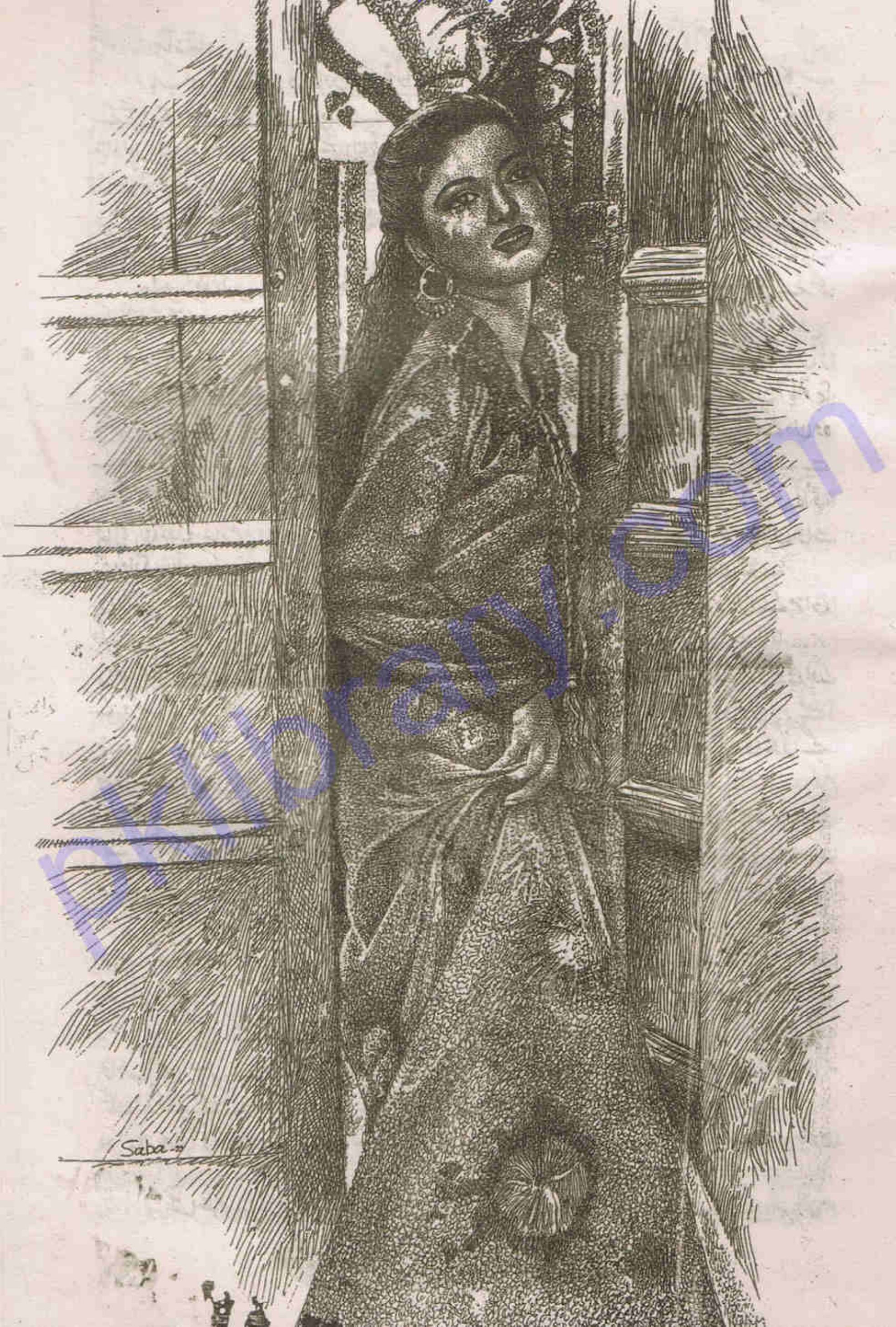

pklibrary.com

شکوہ کچھ بنتا نہ تھا۔

رباب اور نایاب آپی کی شادی تو خیر نور الہدیٰ کے بچپن میں ہوئی تھی اور اس نے دادی کے ساتھ ان شادیوں میں شراکت بھی کی تھی لیکن ابوبکر بھائی کی شادی تو بہت بعد میں ہوئی تھی اور نجیب ماموں کو خیال تک نہ آیا تھا کہ مرحومہ بہن کی نشانیوں کو خوشی کے موقع پر یاد رکھا جائے۔

دونوں خاندانوں کے بیچ یک طرفہ تعلق صرف تب تک قائم رہا جب تک نور النسا پوتے پوتی کو لے کر ان سے ملنے جاتی رہیں جب انہوں نے جانا ترک کر دیا تو تعلق کی ڈور بالکل ہی ٹوٹ گئی لیکن وہ وضع دار خاتون تھیں کچھ جتانے کے بجائے فرداً فرداً سب گھر والوں کی خیریت دریافت کرنے لگیں۔

"بس دادی کیا بتائیں پچھلے چھ ماہ سے تو ممی کی بیماری کی وجہ سے ہمیں اپنا ہوش نہیں وہ تو شکر ہے ہماری گھر پاس پاس ہیں تو ایک دن رباب ممی کے پاس ہوتی ہے تو اگلے دن میں۔ چار دن پہلے ممی کی طبیعت اتنی بگڑ گئی کہ یہاں لانا پڑا، الحمد للہ اب تو خاصی بہتر ہیں۔ امید ہے ایک دو دن میں ڈسچارج ہو جائیں گی لیکن گھر جا کر بھی مکمل نگہداشت کی ضرورت پڑتی ہے۔ ابوبکر بھائی آفس سنبھالتے ہیں۔ ان کی بیگم اپنے دو بچے سنبھال لیں، وہ ہی ان کی مہربانی، جب تک ممی ٹھیک تھیں۔ یہ ذمہ داری بھی ممی کے سر ہی تھی۔ بابا خود ہارٹ پیشنٹ ہیں۔ ممی کی بیماری کی وجہ سے ان کا خیال بھی ہمیں رکھنا پڑتا ہے۔ بس آپ اللہ سے دعا کیجیے گا کہ وہ ہم دونوں بہنوں کو ہمت، حوصلہ اور ہمارے والدین کو مکمل صحت یابی عطا کرے۔"

نایاب آپی تھکے تھکے انداز میں دادی سے مخاطب تھیں انہوں نے ان کے سامنے بھاوج کا پردہ تک نہ رکھا۔ لہجے کی بیزاری سے صاف جھلکتا تھا کہ وہ ابوبکر بھائی کی بیوی سے کس قدر عاجز آئی ہوئی ہیں۔

نور النسا خلوص دل سے نجیب ماموں اور فرحت مامی کی صحت یابی کی دعا کرنے لگی تھیں۔

اتنے میں ہی ابوذر آ گیا تھا۔ ماموں کا سب سے چھوٹا بیٹا۔ دادی اور نور الہدیٰ کو بیٹھا دیکھ کر وہ فوری طور پر تو پہچان ہی نہ پایا۔ رسمی سا سلام تو کر لیا پھر آنکھ کے اشارے سے ہی بہنوں سے ان کے متعلق استفسار کیا تھا۔

"ارے نہیں پہچانا۔ اپنی ہدیٰ ہے یہ۔" نایاب آپی نے مسکرا کر تعارف کروایا۔ نور الہدیٰ نے بھی آہستہ سے سلام کر ڈالا تھا۔

"اوہ اچھا!" اس نے گویا پہچان لیا پھر اس کی اور دادی کی خیریت دریافت کی۔ دادی نے عادت کے مطابق اسے بھی جیتے رہو، خوش رہو ٹائپ کی دعاؤں سے نواز دیا تھا۔

"نایاب آپی! میں آ گیا ہوں آپ نے جانا ہے تو ڈرائیور کے ساتھ چلی جائیں۔ بے شک رات کو آ جایئے گا۔" اس نے بہن کو مخاطب کیا۔

"رات پھر میں ہی رکوں؟" نایاب ذرا پریشان ہوئی تھیں۔

"مجبوری ہے نا۔ عاصم بھی صرف ہفتے بھر کے لیے تو آئے ہیں۔ میں تو پریشان ہو کر ممی کو دیکھنے آ گئی تھی۔ آدھے گھنٹے بعد عاصم پک کر لیں گے۔ رات تک ممی کے پاس ابوذر رہ لے گا۔ رات کو تم آ جانا۔ صبح کی صبح دیکھی جائے گی۔ اللہ کرے کل ڈاکٹرز ڈسچارج ہی کر دیں ورنہ میں کوشش کروں گی آنے کی۔"

وہ دونوں بہنیں ان کی موجودگی فراموش کر کے آپس میں ڈسکشن کرنے لگی تھیں۔ نور الہدیٰ کو اب وہاں بیٹھنا مناسب نہ لگا اس نے دادی کو ٹہوکا دیا کہ اب چلنا چاہیے۔ عیادت کے لیے آئی تھیں اور اب عیادت ہو چکی تھی۔ دادی بھی اس کا اشارہ پا کر الوداعی کلمات ادا کرنے لگی تھیں۔

"کیسے جائیں گے آپ لوگ۔ رباب جا رہی ہے ناں۔ یہ ڈراپ کر دے گی۔"

فرحت مامی آج ضرورت سے زیادہ مہربان ہو

pklibrary.com

رہی تھیں۔
"ارے نہیں فرحت! تمہارا گھر ایک طرف، ہمارا دوسری طرف۔ کیوں تردد میں پڑتی ہو۔ ہم جیسے آئے ہیں ویسے ہی چلے جائیں گے کوئی مسئلہ نہیں۔"
نورالنسا نے سہولت سے انکار کیا۔ نورالہدیٰ بھی مامی اور ان کی بیٹیوں سے الوداعی کلمات ادا کر کے دادی کی معیت میں واپس ہولی۔
"کتنی کمزور ہوگئی ہیں فرحت مامی مجھ سے تو پہچانی ہی نہیں گئیں۔" اس نے انہیں مخاطب کیا۔
"بس بیٹا اللہ اسے صحت تندرستی سے نوازے۔ بیماری پر کسی کا زور تھوڑی چلتا ہے۔" دادی نے ٹھنڈی سانس بھری تھی۔
"اور لگتا ہے ابوبکر بھائی کی بیوی سے یہ لوگ زیادہ خوش نہیں۔ بلکہ رات رکنے کے معاملے پر تو مامی کے تینوں بچے بھی ایک دوسرے پر ذمہ داری ڈال رہے تھے سچ دادی جان مجھے تو دیکھ کر بہت افسوس ہوا۔"
دونوں دادی پوتی باتیں کرتے کرتے ہسپتال کی پارکنگ تک آن پہنچے تھے۔ پھر اچانک کسی کو دیکھ کر نورالنسا کی آنکھیں چمکیں۔
"ارے یہ تو مسز روزینہ عالم ہیں۔ آؤ بیٹا چلتے چلتے ان سے بھی سلام دعا کرلوں۔ ایک مدت بعد نظر آئی ہیں۔"
وہ بے تحاشا خوش ہو کے آگے بڑھی تھیں۔ نورالہدیٰ نے ان کی پیروی کی۔
وہ خاتون دادی کی ہی ہم عمر تھیں لیکن بہت نحیف اور بیمار لگ رہی تھیں۔ ان کی وہیل چیئر ان کی گاڑی کے پاس تھی اور ساتھ کھڑا نوجوان شاید اب انہیں گاڑی میں بٹھانے والا تھا لیکن اس سے پہلے نورالنساء لپک کر ان کے پاس پہنچی تھیں۔
بہت گرم جوشی سے انہوں نے خاتون کو سلام کیا تھا۔ سلام کا جواب تو فوراً مل گیا لیکن معمر خاتون اب انہیں پہچاننے کی کوشش کر رہی تھیں۔ نورالہدیٰ منتظر تھی کہ اب بھی دادی کو لمبی چوڑی تعارفی یاددہانی کروانی پڑے گی لیکن حیرت انگیز طور پر مقابل کی آنکھوں میں شناسا سا چمک ابھر آئی تھی۔
"نورالنسا یہ تم ہو۔" انہوں نے گرم جوشی سے دادی کے ہاتھ تھامے تھے۔
"اتنے برسوں بعد کسی اسکول کے ساتھی کو دیکھا بخدا بہت خوشی ہوئی۔" خاتون کے لہجے کی کھنک اور آنکھوں کی چمک سے واقعی ان کی خوشی کا اظہار ہو رہا تھا۔
"آپ کیسی ہیں مسز عالم! بہت کمزور ہوگئی ہیں۔ ہسپتال خیریت سے آئی تھیں؟" دادی نے ایک سانس میں تین سوال پوچھ ڈالے۔
"ہسپتال کون خیریت سے آتا ہے نورالنسا! اب تو یوں سمجھو ڈاکٹرز، ہاسپٹل اور میرا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ مہینے میں ایک، دو بار تو یہاں لازمی حاضری دینی پڑتی ہے تم اپنا سناؤ کیا حال چال ہے۔" انہوں نے دریافت کیا۔ جواباً نورالنسا نے اپنی آمد کے سبب سے آگاہ کیا ساتھ ہی پیچھے کھڑی پوتی سے بھی انہیں متعارف کروایا۔
"بیٹا یہ ہمارے اسکول کی پرنسپل تھیں مسز روزینہ عالم۔" نورالہدیٰ نے ادب سے انہیں سلام کیا تھا۔
خاتون بہت گریس فل تھیں۔ اس بڑھاپے میں بھی ان کی شخصیت شاندار تھی۔ نورالہدیٰ دل ہی دل میں ان سے متاثر ہوئی تھی مسز عالم نے مسکرا کر اس کے سلام کا جواب دیا پھر دادی کی جانب متوجہ ہوئیں۔
"تم لوگ بھی اب گھر ہی جا رہے ہو ناں۔ آؤ بیٹھو ہمارے ساتھ تمہیں ڈراپ کردیں گے۔ راستے میں گپ شپ بھی ہوجائے گی۔" انہوں نے بے تکلفی بھرے انداز میں دادی کو مخاطب کیا۔ وہ ایک پل کو ہچکچائی تھیں۔
"آپ کو زحمت ہوگی مسز عالم!"
"ارے کیسی زحمت اتنی مدت بعد تو کوئی شناسا نظر آیا ہے۔ میں تو بولنے تک کو ترس جاتی ہوں بیٹھو

pklibrary.com

پلیز۔'' ان کے اتنے اصرار پر نورالنسا سے مزید انکار نہ ہوا۔

''ٹھیک ہے آپ ہمیں راستے میں اتار دیجیے گا۔'' انہوں نے آمادگی ظاہر کردی۔ پاس کھڑے دو خاموش نفوس دل ہی دل میں ذرا بے آرام ہوئے تھے۔

''یہ میرا نواسا ہے عظام۔'' انہیں تعارف کا خیال آیا۔ عظام نے نورالنسا کو سلام کیا۔

''جیتے رہو بیٹا!'' نورالنسا نے اسے دعا سے نوازا وہ اپنی نانی کو سہارا دے کر گاڑی میں بٹھانے لگا۔ وہیل چیئر فولڈ کر کے ڈگی میں رکھی۔ نورالنسا اور نورالہدیٰ بھی گاڑی میں بیٹھ گئی تھیں سارے راستے دونوں بوڑھی خواتین بیتی یادیں دہرائی رہیں۔

نورالہدیٰ مسز روزینہ عالم کی شاندار شخصیت سے متاثر ہو رہی تھی۔ ان کا دھیما لہجہ بولنے کا خوب صورت انداز اور مخاطب کو عزت دینے کا طریقہ سب ہی متاثر کن تھا۔ نورالنسا باتوں کے بیچ عظام کو راستہ بھی سمجھاتی رہی تھیں۔

نورالنسا اور نورالہدیٰ کی منزل قریب آ چکی تھی۔ رہائشی کالونی کے اندر گاڑی موڑنے کا کہنے کے بجائے نورالہدیٰ نے وہیں اترنا مناسب جانا تھا۔ ساتھ بیٹھی دادی کا گھٹنا دھیرے سے ہلایا۔

''ہاں ہاں یہیں اترتے ہیں۔'' انہوں نے پوتی کے خاموش اشارے سمجھ کے کہا۔

''یہاں سے زیادہ دور نہیں ہے گھر ہم دادی پوتی یہیں رکشے سے اتر کر آگے پیدل جاتے ہیں۔ اندر جانے کا کہو تو رکشے والا سو، دو سو مزید اینٹھ لیتا ہے۔''

کس سادگی بھرے انداز میں وہ یہاں اترنے کا جواز پیش کر رہی تھیں۔ عظام تو واقعی گاڑی روکنے ہی والا تھا لیکن اس کی بامروت نانو کو یہ کب گوارا تھا۔

''کیسی باتیں کرتی ہو نورالنسا! کیوں جاؤ گی یہاں سے پیدل۔ دو منٹ لگیں گے ہم تمہیں گھر تک ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ راستہ بتا دو عظام کو۔'' انہوں نے کہا اور دادی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے آگے راستہ بتانے لگی تھیں۔

''اب یہاں تک آ گئے ہیں تو ہمارے غریب خانے کو رونق بھی بخش دیجیے۔ ایک کپ چائے کے بارے میں کیا خیال ہے۔'' گھر کے دروازے کے آگے اترتے ہوئے انہوں نے خلوص دل سے آداب میزبانی نبھانے چاہے۔

''اگر عظام کی مصروفیت اور میری طبیعت آڑے نہ آتی تو ضرور تمہارے ساتھ تمہارے گھر چلتی۔ تمہیں جب بھی فرصت ملے تو رابطہ کرنا۔ میں ڈرائیور بھیج دوں گی۔ پھر خوب تسلی سے گپ شپ لگائیں گے بلکہ مس مہر قریشی اور مسز رعنا ناصر کا رابطہ نمبر بھی دینا مجھے اگر ممکن ہوا تو انہیں بھی مدعو کروں گی۔''

مسز روزینہ عالم نے پورا پروگرام ہی ترتیب دے ڈالا ان کے انداز واطوار سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس اتفاقی ملاقات سے کتنی خوش ہیں۔

''بہت بہتر میں نورالہدیٰ کے ذریعے آپ کو ان لوگوں کا نمبر بھجوا دوں گی۔ میرا موبائل تو سادہ سا ہے۔ یہ واٹس ایپ پر میسج بھیج دے گی۔ آپ کا نمبر اس نے اپنے موبائل میں محفوظ کر لیا ہے۔''

نورالنسا نے تسلی کروائی۔ دوران سفر ٹیلی فون نمبروں کا تبادلہ پہلے ہی ہو چکا تھا۔ روزینہ نے مسکرا کر اثبات میں گردن ہلا دی۔ الوداعی کلمات کے بعد ان کی گاڑی آگے بڑھ گئی تھی۔

نورالنسا اب پوتی کو ان کے بارے میں مزید بتانے لگی تھیں اور شام تک گھر میں مسز عالم ہی گفتگو کا مرکزی موضوع تھیں۔

وہ برسوں بعد اس اتفاقی ملاقات پر بہت خوش تھیں اور دادی کو خوش دیکھ کر نورالہدیٰ بھی خوش تھی۔

☆☆☆

چند دن گزرنے کے بعد فرحت مامی نے خود فون کیا تھا۔'' نجیب بچوں کو یاد کر رہے ہیں لیکن اتنی دور آپ لوگوں کے لیے آنا بھی مسئلہ ہے۔ میں کل

pklibrary.com

ڈرائیور بھیج دوں گی۔ بچوں کو بھیج دیجیے گا خالہ! دو چار گھنٹے ماموں کے ساتھ گزار لیں گے پھر ڈرائیور ہی واپس چھوڑ دے گا۔"

انہوں نے نورالنسا سے اجازت طلب نہیں کی تھی بلکہ انہیں پروگرام سے آگاہ کیا تھا۔ مروت کی ماری نورالنسا انکار نہ کر پائی تھیں لیکن پوتا، پوتی دونوں نے ہی اس بات پر منہ بنالیا تھا۔

"دادی جان سنڈے کو تو ہم انیسہ پھوپھو کے ہاں جاتے ہیں۔ وجدان پورا ہفتہ میرا انتظار کرتا ہے اور حرا آپی، نور آپی کا، ماموں کے گھر جا کر ہم کیا کریں گے۔" عثمان بیزار ہو رہا تھا۔

"بیٹا ماموں یاد کر رہے ہیں تو ملنے چلے جاؤ۔ بڑوں کو انکار کرنا بدتہذیبی ہوتا ہے۔" انہوں نے پوتے کو پیار سے سمجھایا تھا۔

دونوں اگلے روز مارے باندھے ماموں کے چلے گئے تھے زندگی میں پہلی بار ماموں کے گھر سے ڈرائیور انہیں لینے آیا تھا۔

جن ماموں کے یاد کرنے کا خصوصی ذکر کر کے انہیں بلوایا گیا تھا ان سے تو پانچ منٹ کی سرسری سی ملاقات ممکن ہو پائی تھی ہاں فرحت مامی اور ان کی دونوں بیٹیاں خاصے پرتپاک انداز میں ملی تھیں۔

کھانے پر بھی اچھا خاصا اہتمام تھا۔ ابوبکر بھائی، ابوذر بھائی، حوریہ بھابھی، دونوں آپیاں اور مامی، کھانے کی میز پر سب ہی موجود تھے۔

حوریہ بھابھی لنچ کے فوراً بعد بچوں کو لے کر بیڈ روم میں چلی گئی تھیں۔

"نایاب یار! پروین سے کہہ کر ایک اسٹرانگ سی چائے تو بھجوانا اسٹڈی میں!" ابوبکر بھائی نے بہن کو مخاطب کیا۔

"آپی! میری چائے میں چینی ذرا کم ہو۔ پروین سے کہہ دیجیے گا بھول جاتی ہے۔" ابوذر بھی اٹھ گیا تھا۔

"یہ گھر تو پروین کے سہارے ہی چل رہا ہے ممی اور اگر میں اور رباب نگرانی پر مامور نہ ہوں تو کیا بنے گا اس گھر کا۔ حوریہ بھابھی نے بچوں کا صحیح بہانا رکھا ہے صرف کھانے کے اوقات میں کمرے سے طلوع ہوتی ہیں۔" نایاب جھنجھلا گئی تھی۔

"اور بیٹا تمہاری کیا مصروفیت ہے۔" فرحت مامی نے محبت بھرے انداز میں نورالہدیٰ کو مخاطب کیا۔"

"کچھ خاص نہیں مامی بس وہ ہی روٹین لائف۔" اس نے مختصر سا جواب دیا۔

"کالج، وا لج جاتی ہو؟" انہوں نے مسکرا کر اگلا سوال کیا۔

"بی ایس مکمل ہو گیا ہے۔ اب ان شاءاللہ ایم ایس میں ایڈمیشن لوں گی۔" اس نے سادگی سے بتایا۔

"گھر کا کام تو دادی ہی دیکھتی ہوں گی ناں۔" نایاب نے مسکرا کر اندازہ لگایا۔

"نہیں وہ ہیلپ ضرور کرتی ہیں لیکن میں انہیں کام کرنے نہیں دیتی۔ اب نہ تو ان کی صحت اجازت دیتی ہے۔ ناں اب گھر کے کام کرنے کی عمر ہے۔ انہوں نے اپنی ساری زندگی ہمارے لیے وقف کی ہے۔ اب ان کی خدمت ہمارا فرض ہے۔" اس کے لہجے میں دادی کے لیے پیار ہی پیار تھا۔

"صحیح کہہ رہی ہو بیٹا! نزہت کے بعد تمہاری دادی نے جس طرح تمہاری پرورش کی اس کی مثال نہیں ملتی۔" انہوں نے کھلے دل سے سراہا تھا۔

پاس بیٹھا عثمان جی بھر کر بور ہوا تھا لگ رہا تھا مامی کو اور ان کی دونوں بیٹیوں کو صرف نور آپی سے ہی دلچسپی تھی۔

"مامی! ڈرائیور سے کہیں، وہ ہمیں واپس چھوڑ آئے۔ عثمان بھی بور ہو رہا ہے۔" آخر اس نے مروت ایک طرف رکھتے ہوئے کہہ ہی دیا۔

"ڈرائیور تو چلا گیا بیٹا۔ تمہیں ابوذر ڈراپ کر دے گا۔ نایاب بلالو بیٹا ابوذر کو۔"

اس نے خود کو پرسکون کیا۔ مامی کے بلانے پر ابوذر آ تو گیا تھا لیکن نورالہدیٰ کو اس کا موڈ آف لگا

pklibrary.com

تھا۔

☆☆☆

دادی جان کے توسط سے مسز روزینہ عالم کا رابطہ دو بچھڑی ہوئی کولیگز سے ہو گیا تھا انہوں نے سب کو اپنے گھر رات کے کھانے پر مدعو کیا تھا۔

"طیبہ اور زاہدہ تو خود پہنچ جائیں گی اور تمہیں لینے کے لیے میں ڈرائیور کو بھیج دوں گی۔ شام ساتھ گزاریں گے گپ شپ لگائیں گے اور فکر نہ کرنا۔ ڈرائیور ہی واپسی چھوڑ دے گا۔"

انہیں اندازہ تھا کہ نورالنسا کے لیے اتنی دور اکیلے آنا ممکن نہ ہو گا اس لیے انہوں نے پک اینڈ ڈراپ کی ذمہ داری بھی خود لے لی تھی۔

یہ اور بات کہ مقررہ دن ڈرائیور کی عدم دست یابی کی وجہ سے یہ وعدہ ایفا کرنا مشکل ہو گیا۔ انہوں نے پریشان ہو کر عظام کو کال ملائی۔

"بیٹا میں نورالنسا سے کمٹمنٹ کر چکی ہوں کہ اسے لینے ڈرائیور بھیج دوں گی۔ وہ بے چاری میری منتظر بیٹھی ہو گی اور الماس نے جانے کس کام سے ڈرائیور کو بھیج دیا ابھی اسے فون کیا ہے کہتا ہے بی بی کے کام میں پھنسا پڑا ہوں دو گھنٹے سے پہلے واپسی ممکن نہیں۔" وہ پریشان ہو کر نواسے کو تفصیل بتا رہی تھیں۔

عظام جانتا تھا۔ آج نانو کی بچھڑی سہیلیوں کی گیٹ ٹو گیدر ہے اور بہت عرصے بعد اس نے انہیں اتنا خوش دیکھا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ محض ایک ڈرائیور کے نہ ہونے سے ان کا بنا بنایا پروگرام خراب ہو۔

"آپ ٹینشن نہ لیں نانو! میں آفس سے گھر کے لیے نکل رہا ہوں آپ کی سہیلی کو میں لیتا آؤں گا۔" اس نے انہیں تسلی دی۔

"تم آفس سے جلدی آ رہے ہو۔ خیریت بیٹا؟" وہ متفکر ہوئیں۔ عظام انہیں اپنی طبیعت خرابی کا بتا کر مزید پریشان نہ کرنا چاہتا تھا۔

"بس آج گھر آ کر آپ سے گپ شپ کا ارادہ تھا۔ بھول ہی گیا کہ آج تو آپ نے اپنی کولیگز کو مدعو کر رکھا ہے۔"

"ہاں بیٹا۔ دو کولیگز خود پہنچ رہی ہیں۔ مسئلہ نورالنسا کا تھا وہ ہی جو ہمیں ہاسپٹل ملی تھی۔ میں اس بے چاری کو رکشہ ٹیکسی پر آنے کی کیا زحمت دیتی اسی لیے پک اینڈ ڈراپ کی آفر کر دی۔ الماس کو علم بھی تھا کہ آج مجھے ڈرائیور کی ضرورت ہو گی پھر بھی اس نے خیال نہ کیا۔" ان کے لہجے میں نہ چاہتے ہوئے بھی شکوے کا رنگ آ گیا۔

"ممی کی باتوں پر کڑھنا چھوڑ دیں نانو۔ آپ مجھے بھی تو یہ ہی نصیحت کرتی ہیں ناں اور ڈونٹ وری میں ہوں ناں۔ آپ کی کولیگ کو لے کر آتا ہوں ضرورت پڑی تو واپس بھی چھوڑ آؤں گا۔" اس نے انہیں تسلی دی تھی۔

محترمہ نورالنسا کی گلی میں گاڑی موڑنا ممکن نہ تھا ایک گھر کے سامنے ٹرک کھڑا تھا اور شاید جہیز کا سامان لوڈ ہو رہا تھا وہ پیدل ہی ان کے گھر کی طرف بڑھا لیکن دروازے پر پہنچ کر گھنٹی بجانے کی نوبت بھی نہ آئی دروازہ یکدم کھلا اور سولہ، سترہ سالہ لڑکا باہر نکلا تھا۔ سر پر ٹوپی اور انداز میں عجلت صاف ظاہر تھا کہ وہ نماز کے ارادے سے نکل رہا ہے۔

"میں محترمہ نورالنسا صاحبہ کو لینے آیا ہوں۔" عظام نے تعارف کروایا۔

عثمان نے حیرت سے آنکھیں پھاڑ کر اسے دیکھا۔ وہ جانتا تھا کہ دادی کی میڈم کا ڈرائیور انہیں لینے آنے والا ہے لیکن ڈرائیور اتنا خوبرو اور شان دار حلیے والا ہو گا یہ اس نے سوچا بھی نہ تھا۔

"دادی جان تیار ہیں آپ پانچ منٹ ویٹ کر لیں یہ پہلا دروازہ ڈرائنگ روم کا ہے آپ بیٹھیں۔ میری جماعت نہ مس ہو جائے میں سامنے والی مسجد سے صرف پانچ منٹ میں نماز پڑھ کر آتا ہوں۔"

عثمان نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا اور خود تیر کی تیزی سے باہر نکل گیا تھا۔ عظام ایک لمحے کے

pklibrary.com

لیے اندر جاتے ہوئے ہچکچایا لیکن یوں دروازے پر کھڑے رہنا بھی مناسب نہ لگا تھا سو اندر بڑھ گیا۔

ڈرائینگ روم کا ساز و سامان بیش قیمت نہ سہی لیکن صاف ستھرا اور نفیس ذوق کی ترجمانی کرتا ہوا تھا۔ نانو نے اس روز محترمہ نورالنسا کو ڈراپ کرنے کے بعد ان کی بہت تعریفیں کی تھیں ان کے بقول وہ خاتون بہت محنتی، فرض شناس اور خوددار تھیں۔ باوقار طریقے سے بیوگی کا طویل عرصہ کھاٹنے کے بعد انہوں نے بہت ارمانوں سے اپنے اکلوتے بیٹے کی شادی کی تھی لیکن پھر جواں سالہ بہو کی وفات کا صدمہ سہنا پڑا۔ پوتی، پوتے کی پرورش کے لیے انہوں نے پھر سے کمر کس لی۔ نانو ان باہمت خاتون کا تذکرہ بہت محبت بھرے الفاظ میں کر رہی تھیں۔

"آپ نے بھی تو اپنی ساری زندگی اپنے نواسے کے لیے وقف کر دی تھی نانو۔" عظام نے انہیں محبت سے دیکھا تھا۔

"میرا نواسا تو خود میرے جینے کا سبب اور جواز ہے۔ اگر تم نہ ہوتے تو سوچو تمہاری نانو کتنی تنہا ہوتی۔ تم تو میرے لیے خدائی تحفہ ہو میرے بچے۔"

وہ جذباتی ہو گئی تھیں۔ عظام نے محبت سے ان کے ہاتھ پر بوسہ دیا تھا۔ نانو سے بڑھ کر دنیا میں اس کے لیے کوئی نہ تھا۔ آج ان ہی کی خاطر وہ طبیعت خرابی کے باوجود ایک اجنبی جگہ براجمان تھا۔ اسی اثناء میں قریبی کمرے سے آنے والی باتوں کی آواز نے اس کی توجہ کھینچ لی۔

"اتنے پیارے لگ رہے ہیں یہ ٹاپس۔ آپ ویسے ہی پہننے سے انکاری تھیں۔"

"اب سجنے سنورنے کی میری نہیں تمہاری عمر ہے میری بچی اور تم کسی بھی موقع پر بوڑھی دادی کا ہار سنگھار شروع کر دیتی ہو۔"

"میری بوڑھی دادی اس بڑھاپے میں بھی کتنی خوب صورت ہیں۔ کوئی مجھ سے پوچھے اور سچی دادی جان میں تو حیران ہوں کہ آپ کی آنکھوں کا شیڈ آپ کے لباس سے کیسے میچ کر جاتا ہے۔ آپ کو تو لینسز لگانے کی ضرورت بھی نہیں پڑتی۔ سرمئی رنگ کے لباس میں آپ کی آنکھیں سرمئی لگتی ہیں۔ کبھی ہلکا سبز شیڈ دیتی ہیں تو کبھی شربتی شربتی سی لگتی ہیں میں نے دنیا میں اتنی خوب صورت آنکھیں کسی کی نہیں دیکھیں۔" پوتی صاحبہ دادی کی تعریفوں کے پل باندھ رہی تھیں۔

"اور آپ نے میرا نام تو اپنے نام سے ملتا جلتا رکھ دیا۔ کیا ہی اچھا ہوتا میں آپ جتنی خوب صورت بھی ہوتی۔" کیا حسرت بھرا انداز تھا۔

"کس نے کہہ دیا تم خوب صورت نہیں۔ چاند سا مکھڑا ہے تمہارا کفران نعمت مت کیا کرو۔" دادی نے ناراضی سے ٹوکا۔

"ہاں مگر آپ کی طرح کلرڈ آئیز تو نہیں۔" اس کا قلق ختم ہونے کا نام نہ لے رہا تھا۔

دادی پوتی کا دلچسپ مکالمہ سن کر عظام کے لبوں پر دھیمی سی مسکراہٹ پھیل گئی تھی۔ ذرا دن پہلے ان دادی پوتی سے ایک سرسری سی ملاقات میں اس نے دونوں پر اتنا دھیان دیا ہی کب تھا آج ان کی باتیں دلچسپی کا باعث بن رہی تھیں۔

"ویسے وہ جو آپ کی میڈم تھیں ناں۔ وہ بھی بہت گریس فل شخصیت کی مالک تھیں اور مجھے تو ان کے بولنے کا انداز اور ان کا لب و لہجہ بھی بہت متاثر کن لگا تھا۔"

"ابھی تو تم انہیں جانتی ہی کب ہو نورالہدیٰ۔ ان کی شخصیت تو ایسی ہے جو ان سے ایک بار ملتا ہے ہمیشہ کے لیے گرویدہ ہو جاتا ہے۔ ان کا علم، ان کا حافظہ اور ان کا ادبی ذوق۔ تمہاری ان کی ملاقات ہو جائے تو تم تو ان کی مداح بن جاؤ گی۔" وہ مسکرا کر پوتی سے مخاطب تھیں۔

"ویسے دادی جان سمجھ سے باہر ہے مجھے بوڑھے لوگوں کی کمپنی اتنی اٹریکٹ کیوں کرتی ہے۔ میری سہیلیاں حیران ہوتی ہیں کہ تم دادی کے ساتھ رہتے ہوئے بور نہیں ہوتیں جب میں انہیں بتاتی ہوں کہ نہ صرف میری دادی میری پکی سہیلی ہیں بلکہ

pklibrary.com

میری دادی کی سہیلیوں کی کمپنی بھی مجھے اتنی ہی اچھی لگتی ہے تو سب مجھے بوڑھی روح کہتی ہیں۔ مجھے تو امیسہ پھوپھو کے گھر جا کر ان کی ساس کے پاس بیٹھ کر اتنا مزہ آتا ہے اور حرا ناراض ہوتی ہے کہ دادی میری ہیں اور گن تمہارے گاتی ہیں۔"

وہ ہنسی تھی اور عظام کو اعتراف کرنا کہ اس لڑکی کی آواز کی طرح اس کی ہنسی بھی خوب صورت تھی۔

"اچھا میں نے آپ کے پرس میں چار پانچ کھجوریں رکھ دی ہیں اگر رات کا کھانا ذرا دیر سے سرو ہو تو پہلے سے کھجور کھا لیجیے گا آپ جانتی ہیں آپ کی شوگر لو ہو جاتی ہے۔"

"اچھا بیٹا میرا موبائل تو دیکھو۔ عثمان کو دیا تھا چارجنگ پر لگانے کے لیے ابھی مسز عالم کا فون آ رہا ہو۔ ان کا ڈرائیور بس پہنچنے والا ہو گا۔" نور النسا نے پوتی کو مخاطب کی۔ وہ اٹھ کر کمرے سے باہر نکلی۔

"یہ عثمان بھی ناں دروازہ چوپٹ کھلا چھوڑ گیا۔ بہت لاپرواہ ہو گیا ہے یہ۔" وہ خفگی سے بڑبڑاتی دروازہ بند کرنے بڑھی تھی ڈرائنگ روم کے سامنے سے گزری تو ایک دم ٹھٹھک کر رکی۔ عظام اسے دیکھ کر کھڑا ہوا تھا۔

"آپ کی دادی جان تیار ہیں تو بھیج دیجیے۔ مجھے نانو نے انہیں لینے بھیجا ہے۔" وہ شائستگی بھرے لہجے میں بولا۔ نور الہدیٰ ذرا ہکا بکا سی کھڑی تھی۔ عظام کو پہچان تو فوراً گئی لیکن جس بے تکلفی سے وہ دروازے پر دستک دیے بنا ان کے ڈرائنگ روم میں براجمان تھا وہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھی۔

"جی میں بھیجتی ہوں۔" وہ اسی حیران پریشان کیفیت میں واپس مڑ گئی۔ عظام اس کی حیرت کا سبب جانتا تھا لیکن وضاحت کرنے سے قاصر تھا۔

اور جس وقت وہ محترمہ نور النسا کے ساتھ گھر سے نکل رہا تھا عثمان نماز پڑھ کر واپس آ رہا تھا۔

"آپی آپ نے اس ڈرائیور کو دیکھا کتنا شان دار تھا۔" ان کے جانے کے بعد عثمان نے توصیفی انداز میں نور الہدیٰ کو مخاطب کیا۔

"تم سے کس نے کہا یہ ڈرائیور تھا۔" نور الہدیٰ نے اسے گھورا۔

"میں خود اسے ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کا کہہ کر نماز پڑھنے گیا تھا۔" عثمان کے کہنے پر اس نے بھائی کو گھورا۔

"ڈرائیور ایسے ہوتے ہیں بدھو۔ یہ نواسا تھا مسز عالم کا۔"

"اوہ پھر ٹھیک ہے ورنہ میرا تو حیرت سے برا حال تھا۔" عثمان نے سر ہلایا۔ نور الہدیٰ اس کے سر پر چپت لگا کر ہنس پڑی تھی۔

☆☆☆

ابوبکر بھائی کے چھوٹے بیٹے کی سالگرہ تھی۔ فرحت مامی نے بہت اصرار سے ان سب کو سالگرہ پر مدعو کیا تھا۔

"حد ہوتی ہے بھئی اب میں نے نہیں جانا۔" نور الہدیٰ کو اس بلاوے پر غصہ آ گیا۔ آج امیسہ پھوپھو۔ حرا اور وجدان آئے ہوئے تھے۔ کھانے سے فارغ ہو کر وہ اور حرا گپ شپ لگا رہے تھے جب دادی جان کے پاس فرحت مامی کا فون آیا تھا۔

"ویسے نور! یہ جو تمہاری مامی آج کل تم سے اتنا التفات برت رہی ہیں تو مجھے تو دال میں کچھ کالا لگتا ہے۔" حرا نے قیاس آرائی کی۔

"یہی بات تو میری سمجھ سے بھی بالاتر ہے کہ اتنے عرصے بعد انہیں ہماری یاد کیوں ستانے لگی، وہ بھی اتنی متواتر۔" وہ بیزاری سے بولی۔ دوسری طرف امیسہ بھی ماں سے کچھ ایسے ہی خدشے کا اظہار کر رہی تھیں۔

"ارے ہم سے کیا مفاد ہو گا فرحت کو۔ بلاوجہ کسی کے خلوص پر شبہ نہیں کرتے۔ مستقل بیماری جھیل رہی ہے بے چاری۔ ایسے میں خود بخود ہی دل نرم پڑ جاتا ہے۔ نزہت اکلوتی بہن تھی نجیب کی۔ بہن مری تو اس کی نشانیوں سے بھی منہ موڑ گئے وہ لوگ اب احساس ہوتا ہو گا تو مداوا کرنا چاہتے ہیں اور بس۔"

"تم اپنی بھتیجی اور اپنے بھتیجے کو مزید شہہ مت دینا۔ اب بھلا بتاؤ جب فرحت گاڑی بھجوانے کا بھی کہہ رہی ہے تو میں یہ کہہ کر انکار کروں کہ ہم اتنے مصروف ہیں بی بی کہ تمہاری خوشی میں شامل ہونے کے لیے ایک دو گھنٹے نہیں نکال سکتے یا پھر یہ کہ تمہارے پوتے کو تحفہ دینے کی استطاعت نہیں ہم میں۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں گویا ہوئیں۔

"اچھا فکر نہ کریں میں سمجھاتی ہوں نور کو۔" انہوں نے ماں کو تسلی دی۔

☆☆☆

سالگرہ کا انتظام بہت بڑے پیمانے پر نہیں کیا گیا تھا۔ نایاب رباب، ان کے شوہر اور بچے تھے یا پھر حوریہ کے گھر والے، نور النسا کو بھی اس محدود پیمانے کی تقریب میں مدعو کیے جانے پر حیرت تو ہوئی لیکن انہوں نے اسے بے چاری بیمار فرحت کے خلوص پر محمول کیا تھا۔

سالگرہ کا کیک کٹ گیا تو نور النسا مغرب کی نماز کی ادائی میں مصروف ہو گئیں۔ نور الہدیٰ دادی کے نماز سے فارغ ہونے کا انتظار کرنے لگی۔

"بس اب آپ فرحت مامی سے اجازت لیں۔ کھانے پر رکیں بھی تو معذرت کر لیجیے گا۔ بابا اکیلے ہوں گے اور پھر عثمان نے بھی اپنے ٹیسٹ کی تیاری کرنی ہے۔ ریفرشمنٹ میں ہی اتنا کچھ تھا کہ اب کھانے کی گنجائش ہے بھی نہیں۔" وہ دادی کے قریب ہو کر انہیں آہستگی سے مخاطب کر رہی تھی لیکن انداز اٹل اور قطعی تھا۔

"ہاں بیٹا! چلتے ہیں تمہاری مامی ہیں کہاں۔ باہر لان میں ہی ہیں کیا؟" انہوں نے جائے نماز تہہ کرتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی نایاب آپی انہیں ان کے کمرے میں لے کر گئی ہیں۔" نور الہدیٰ نے آگاہ کیا۔

"وہ پوتی کی معیت میں فرحت کے کمرے کی طرف بڑھ گئیں۔ کمرے کا دروازہ ادھ کھلا تھا لیکن آوازیں با آسانی باہر تک آ رہی تھیں۔

"کتنی بار بتاؤں میں آپ سب کو کہ نور الہدیٰ میرے معیار پر پوری نہیں اترتی، کیوں آپ تینوں ایک ہی بات کے پیچھے پڑ گئی ہیں۔" ابوذر کی جھنجلائی ہوئی آواز ان کی سماعت سے ٹکرائی تو گویا دونوں کے قدم زمین نے جکڑ لیے تھے۔

"خود غرض مت بنو ابوذر۔ اس گھر کا اور ممی کا سوچو۔ ہم دونوں بہنیں کب تک اپنا گھر بار چھوڑ کر ممی کا خیال رکھ سکتی ہیں۔ نور الہدیٰ ممی کے لیے ایک خدمت گزار بہو ثابت ہوگی۔ ممی کی جو کنڈیشن ہے، انہیں چوبیس گھنٹے دیکھ بھال کی ضرورت ہے، ہم نے بہت سوچ سمجھ کر تمہارے لیے اس کا انتخاب کیا ہے۔" نایاب بھائی کو سمجھا رہی تھی۔

"آپ لوگ صرف ممی کا سوچ رہے ہیں۔ میری مرضی میری رائے میری پسند اس کی کوئی اہمیت نہیں۔ شادی زندگی بھر کا بندھن ہے۔ زبردستی کا سودا نہیں۔ میں کانفیڈنٹ، میچور اور ماڈرن لائف پارٹنر چاہتا ہوں۔ نور الہدیٰ میں خوب صورتی کے سوا ہے ہی کیا اور شخصیت کے بغیر خوب صورتی بھی میٹر نہیں کرتی۔ ایک عام ٹیپکل گھریلو سی لڑکی۔ میں اس سے شادی کا سوچ بھی نہیں سکتا۔" وہ بیزاری سے بولا۔

توہین اور اشتعال کے مارے نور الہدیٰ کا برا حال ہو رہا تھا اس نے شکوہ کناں نگاہوں سے دادی کو دیکھا۔ وہ نگاہیں چرا گئی تھیں۔

☆☆☆

"مجھ سے کیوں خفا ہو میری گڑیا۔ میری توبہ جو میں نے تمہیں آئندہ وہاں جانے پر مجبور کیا۔" نور النسا پوتی کو منا رہی تھیں۔

وہ تین دن سے ان سے ضروری بات کے علاوہ کوئی اور بات نہیں کر رہی تھی۔ وہ اس کی خفگی کے جواز سے واقف تھیں تب ہی اسے منانے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"میں آپ سے خفا نہیں ہوں دادی جان! جو ہوا آپ کا کیا قصور بس مجھے ابوذر بھائی کی باتوں سے

pklibrary.com

تکلیف ہوئی کس بے رحمی سے وہ میری ذات کا تجزیہ کررہے تھے اور اس سے بھی زیادہ دکھ مجھے مامی اور ان کی بیٹیوں کی خود غرضی پر ہورہا تھا۔

وہ حوریہ بھابھی کو بھگت چکے ہیں ناں انہوں نے سوچا نورالہدیٰ تو اللہ میاں کی گائے ہے بہو کے روپ میں اس سے بہتر انتخاب کوئی اور نہیں وہ اپنے بیٹے کی ناپسندیدگی جاننے کے باوجود مجھے ان کے سر پر تھوپنا چاہ رہے تھے اگر ہم ان کی باتیں نہ سن لیتے اور کل کلاں وہ لوگ رشتہ لے آتے تو آپ نے تو مروت کے مارے فوراً ہاں کردینی تھی اور میں زبردستی کسی کی زندگی کا حصہ بن جاتی۔“

وہ انتہائی دکھ بھرے لہجے میں دادی سے مخاطب تھی۔ اس کی بات کچھ غلط بھی نہ تھی۔ نورالنسا نے پوتی کو گلے سے لگایا۔

”اللہ کے ہر کام میں مصلحت ہوتی ہے۔ اس روز اگر ہم سالگرہ میں نہ جاتے اور وہ باتیں نہ سنتے تو ہوسکتا ہے جانے انجانے میں کوئی غلط فیصلہ بھی سرزد ہوجاتا لیکن اب ہر طرح کے خدشے کو ذہن سے جھٹک دو۔ میرے لیے میری بچی کی عزت نفس سب سے زیادہ اہم ہے۔ فرحت اگر کسی طور ابوذر کو راضی کرکے رشتہ مانگنے آئی بھی تو تب بھی میرا جواب انکار میں ہی ہوگا۔“ انہوں نے اسے دوٹوک انداز میں باور کرایا۔

”بالکل اور آپ نے صرف انہیں ہی انکار نہیں کرنا بلکہ یہ جو آپ نے انیسہ پھوپھو کے ساتھ مل کر چپکے چپکے میرے لیے رشتہ ڈھونڈ مہم شروع کررکھی ہے فی الحال اس سلسلے کو بھی بند کریں میں نے ابھی اور پڑھنا ہے۔“ نورالہدیٰ نے موقع غنیمت جان کر دوسرا مطالبہ بھی سامنے رکھ دیا۔

”تو رشتہ کون سا ابھی مل رہا ہے بچے! بوڑھی دادی کی مجبوری بھی تو سمجھو۔ اپنی زندگی میں ہی تجھے گھر بار کا کرنا چاہتی ہوں۔ ہر گھڑی اللہ سے بس یہ دعا کرتی ہوں کہ میری نگاہوں کے سامنے میری نورالہدیٰ کا گھر بس جائے۔ نزہت ہوتی تو یہ فکر میرے بجائے اس کی ہوتی اب تو میں تیری دادی بھی ہوں اور ماں بھی۔“ انہوں نے اسے پیار بھرے لہجے میں سمجھانا چاہا۔

”آپ میرا سب کچھ ہیں اور اللہ آپ کا یہ ہمیشہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے۔ بس ہر وقت ہماری فکر میں ہلکان مت رہا کریں۔“ اس نے دادی کے سینے میں سر چھپایا۔ وہ اس کا سر تھپک کر مسکرادی تھیں۔

☆☆☆

ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ان کی دعاؤں کو اللہ اتنی جلد سندِ قبولیت بخش دے گا۔ ان کی نورالہدیٰ سیپ میں چھپا وہ موتی تھا جس کی قدر کوئی گوہر شناس ہی کرسکتا تھا۔

ابوذر نے جس کو عام سی گھریلو لڑکی کہہ کر مسترد کیا تھا روزینہ عالم نے اپنے شہزادوں جیسے نواسے کے لیے اس کا ہاتھ مانگ لیا، جب وہ نورالہدیٰ کا رشتہ مانگنے آئیں تو نورالنسا کو اپنے کانوں پر یقین ہی نہ آیا۔

”میں عظام کی تعریف اس لیے نہیں کررہی کہ وہ میرا نواسا ہے بلکہ وہ واقعی قابلِ تعریف ہے تم آنکھیں بند کرکے اپنی پوتی کا ہاتھ میرے نواسے کے ہاتھ میں دے سکتی ہو میں عظام کے متعلق ہر طرح کی گارنٹی دینے کو تیار ہوں۔“

”مجھے آپ کے کہے پر اعتبار ہے اور میں آپ کے نواسے کے رشتے کو یقیناً اپنی پوتی کی خوش بختی تصور کرتی ہوں لیکن ہمارے اور آپ کے معیارِ زندگی میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ ہم سفید پوش لوگ ہیں مسز عالم! اگر نورالہدیٰ آپ لوگوں کے معیار پر پوری نہ اتر پائی تو جانے رشتہ نبھے گا بھی یا نہیں۔“ ابوذر کی باتوں نے انہیں نامعلوم سے خدشے میں مبتلا کردیا تھا۔

”نورالہدیٰ کا رشتہ مانگنے میں ایسے ہی تو نہیں چلی آئی نورالنسا! ظاہر ہے میں نے یہ فیصلہ بہت سوچ سمجھ کر کیا ہے۔ عظام جیسی لڑکی سے شادی کا خواہش

pklibrary.com

مند ہے تمہاری پوتی اس خاکے پر پوری اترتی ہے اور صرف تمہاری تسلی کے لیے بتائے دے رہی ہوں کہ یہ عظام کی اپنی خواہش ہے اور میرے لیے عظام کی خوشی سے بڑھ کر کچھ نہیں بہت آس لے کر تمہارے پاس آئی ہوں۔ انکار مت کرنا۔" وہ لجاجت بھرے انداز میں گویا ہوئیں۔

"میں مامون سے مشورہ کرکے آپ کو جواب سے آگاہ کردوں گی ان شاء اللہ نے چاہا تو سب بہتر ہی ہوگا۔" انہوں نے مسکرا کر مسز روزینہ عالم کو مخاطب کیا۔

حسب توقع مامون بھی اس رشتے پر شش و پنج کا شکار ہو گئے تھے۔ "آپ نے ان لوگوں کے رہن سہن کے بارے میں جو بتایا اماں تو ہمارا اور ان کا کوئی جوڑ بنتا تو نہیں۔ سیانے کہتے ہیں رشتہ داری اپنے جیسوں میں کرنی چاہیے۔"

"رب نے میری شہزادی کے لیے ایک شہزادہ بھیج دیا ہے مامون! میری دعاؤں کی قبولیت نہیں تو اور کیا ہے۔ یہ بھی تو سوچو کہ کہیں اس رشتے کو ٹھکرانا کفران نعمت کے زمرے میں تو نہیں آئے گا۔ بہت مان اور چاہت سے رشتہ مانگا ہے انہوں نے نور کا۔"
نور النسا اس رشتے پر بہت خوش اور مطمئن تھیں۔

"اور عظام کے والدین......؟" مامون نے اگلا سوال پوچھا۔ رشتہ لانے والے اس کی نانی تھیں والدین کے بارے میں ان کا سوال منطقی تھی۔

"دونوں میاں بیوی ہمیشہ سے ہی اپنے کاروبار سنبھالنے میں مصروف رہے ہیں عظام کی پرورش اس کی نانی نے ہی کی ہے اور عظام نے اپنی زندگی کے بارے میں ہر قسم کے فیصلے کا اختیار بھی ان ہی کو سونپ رکھا ہے۔ ویسے مسز عالم کہہ رہی تھیں کہ اگر ہمارا جواب اثبات میں ہوتا ہے تو وہ عظام کے والد سے تمہاری بات کروادیں گی۔ تم اپنے دل کی تسلی کے لیے ان سے بھی جو پوچھنا چاہو پوچھ لینا۔"

"ابھی تو نور بہت چھوٹی ہے اماں! میں نے سوچا بھی نہ تھا اسے جدا کرنے کا مرحلہ اتنی جلد آجائے گا۔" وہ آبدیدہ ہو گئے تھے — بیٹیوں کو وداع کرنے کا مرحلہ ماں باپ کی زندگی کا مشکل مرحلہ ہوتا ہے۔ مسز عالم نفیس خاتون ہیں عظام کی پرورش ان ہی کے ہاتھوں انجام پائی ہے میرے دل کے اطمینان کے لیے ایک یہ ہی وجہ کافی ہے۔ مجھے ان کی دولت سے کوئی سروکار نہیں بس مجھے اپنی نور کے لیے اعلیٰ کردار کا شریک حیات چاہیے تھا۔
عظام کی شرافت و نجابت کی گواہی مسز عالم دے رہی ہیں اور میں انکار کرکے کفران نعمت کی مرتکب نہیں ہونا چاہتی۔"
نور النسا از حد مطمئن تھیں۔

ماں کی فہم و فراست پر مامون کو ویسے ہی پورا بھروسہ تھا۔ مسز عالم کو ہاں کہلوادی گئی۔
عظام کے والد جہانگیر صاحب نے مامون احمد سے رابطہ کرکے از خود شکریہ ادا کیا تھا۔

"بس آپ یوں سمجھیں عظام ممی (مسز عالم) کا ہی بیٹا ہے آپ ان سے مشورہ کرکے شادی کی تاریخ مقرر کرلیجیے ان شاء اللہ جب تک میں اور میری بیوی بھی واپس پہنچ جائیں گے۔ عظام ممی کی طبیعت کی وجہ سے جلد شادی کا خواہش مند ہے بس آپ لوگ اس خواہش کو مدنظر رکھیے گا۔"

انہوں نے بہت شائستگی سے اپنا مطالبہ سامنے رکھ دیا تھا۔ مسز عالم نے بھی کم و بیش یہ ہی بات دہرائی تھی۔

"میں جلد از جلد عظام کی خوشی دیکھنا چاہتی ہوں۔ ہمیں نور الہدیٰ کے سوا کچھ نہیں چاہیے بس اسے جلد از جلد ہمارے گھر کی رونق بنادیجیے۔" وہ اسے پیار بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے نور النسا اور مامون سے مخاطب تھیں۔

سب کچھ اتنا اچانک طے ہو گیا تھا کہ نور الہدیٰ کے دل و دماغ زندگی کی یہ نئی حقیقتیں تسلیم ہی نہ کرپارہے تھے ابھی تو اس نے آگے پڑھنا تھا۔
دادی جان نے شادی کی تیاریوں کے لیے انیسہ پھوپھو کو بلوالیا تھا۔ حرا بھی ان کے ساتھ تھی اور

اب اٹھتے بیٹھتے نورالہدیٰ کو عظام کے نام پر چھیڑ کر زچ کرتی رہتی تھی۔

''کہاں ہم دونوں مل کر میری شادی کی تیاری کا پلان بناتے تھے اور کہاں تم یوں اچانک ہم سب کو چھوڑ کر عظام احمد کے سنگ رخصت ہونے والی ہو۔ کیا فلمی اسٹوری ہے نور۔ وہ آیا اس نے دیکھا اور فوراً ہی رشتہ بھجوا دیا۔'' وہ محبت بھری شوخی سے سہیلی کو چھیڑ رہی تھی۔

''بکومت۔'' نورالہدیٰ کے گال دہک اٹھے تھے۔''

''بکواس نہیں کر رہی۔ نانی جان نے خود امی کو بتایا ہے کہ رشتے میں عظام بھائی کی اپنی پسندیدگی بھی ہے۔'' حرا نے مسکرا کر بتایا۔

''مجھے یقین نہیں آتا حرا۔ ہم دونوں کا صرف دو بار آمنا سامنا ہوا ہے۔ ایک بار انہوں نے اسپتال سے واپسی پر ہمیں گھر ڈراپ کیا تھا۔ بمشکل بیس منٹ کا سفر ہو گا اور میں تو سارا راستہ بالکل خاموش بیٹھی تھی دوسری بار وہ دادی جان کو گھر لینے آئے تھے تب تو صرف چند سیکنڈوں کا آمنا سامنا ہوا تھا۔ اتنی تھوڑی سی دیر کے آمنے سامنے پر کون زندگی بھر کے ساتھ کا فیصلہ لیتا ہے۔'' نورالہدیٰ نے اپنی الجھن اپنی ہجولی کے آگے ہی بیان کی۔

''آئینے کے سامنے کھڑی جاؤ جواب خود ہی مل جائے گا کہ عظام بھائی تم پر کیوں فدا ہوئے؟''

''خوب صورتی کی بنیاد پر شادی کا فیصلہ کرنا نری حماقت ہے۔ اور دادی جان نے ایسے بے وقوف بندے کو میرا جیون ساتھی چن لیا۔'' وہ منہ بنا کر بولی۔

''حد ہے ناشکری کی نور۔ نانی جان نے یہ فرمودات سن لیے تو خوب کلاس لیں گی تمہاری۔'' حرا نے اسے گھورا تو اس نے واقعی دل ہی دل میں توبہ کی تھی۔

دل کے کورے کاغذ پر تو عظام احمد کا نام ویسے ہی نقش ہو گیا تھا۔

☆☆☆

بالآخر وہ دن بھی آن پہنچا جب نکاح نامے پر دستخط اور ایجاب و قبول کے بعد وہ جیون ساتھی کے رتبے پر فائز ہو گیا۔

حیران کن بات یہ تھی کہ عظام کی ماں نے شادی سے پہلے اکلوتی بہو سے ملنے کا تکلف بھی گوارا نہ کیا۔ نورالنسا کو بھی یہ بات کھٹکی تھی لیکن مسز عالم ہر مرحلے پر عظام کی سرپرست کی حیثیت سے موجود تھیں۔ جہانگیر احمد نے بھی ٹیلی فونک رابطہ برقرار رکھا تھا۔ نورالہدیٰ اپنی ساس سے پہلی بار شادی والے روز ہی ملی۔ ان کے انداز میں بہو کے لیے کوئی والہانہ پن نہ جھلکتا تھا۔ بارات کے ساتھ گنتی کی چند خواتین تھیں جن میں سے ایک عظام کی ماں الماس جہانگیر بھی تھیں دلہن اور اس کے گھر والوں سے رسمی انداز میں مل کر وہ ایک الگ تھلگ نشست پر براجمان ہو گئی تھیں۔ بیماری اور نقاہت کے باوجود مسز عالم ہر رسم اور ہر مرحلے میں پیش پیش تھیں۔ گھر پہنچنے پر بھی وہ ہی تھیں جو نئی دلہن کو والہانہ انداز میں خوش آمدید کہتے ہوئے ڈھیروں دعاؤں سے نواز نے کے ساتھ مختلف رسومات کی ادائیگی بھی کر رہی تھیں۔

''نانو آج کا دن آپ کے لیے بہت ہیکٹک تھا اب پلیز خود کو اور مت تھکائیں جو باقی رسمیں رہ گئی ہیں کل کر لیجیے گا میں اور نورالہدیٰ ہیں ناں آپ کے پاس۔''

عظام نے محبت بھرے انداز میں انہیں مخاطب کیا اور اس کے لبوں سے اپنا نام سن کر نورالہدیٰ اپنے آپ میں سمٹ گئی تھی۔ آج کے دن جہاں ہر لب پر دلہن بنی نورالہدیٰ کے بے پناہ حسن کا تذکرہ تھا وہاں ہر کوئی اس کے وجیہہ دولہا کو بھی سراہ رہا تھا اور نورالہدیٰ کے دل کی دھڑکن معمول پر آنے کا نام ہی نہ لے رہی تھی۔

''واقعی بہت تھک تو گئی ہوں بیٹا لیکن تم آج کے دن میری خوشی کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تم دونوں کو سدا شاد آباد رکھے۔ تمہیں ایک دوسرے کے سنگ اتنی خوشیاں ملیں کہ میرے بعد میری روح بھی

آسودہ رہے۔"

"اللہ آپ کا سایہ ہمارے سروں پر سلامت رکھے نانو۔" اس نے بوڑھی نانی کو بازو کے حلقے میں لے کر ان کی پیشانی چومی تھی نانی، نواسے کی محبت نور الہدیٰ کے لیے حیران کن نہیں تھی۔ وہ خود بھی تو اپنی دادی کو اسی طرح ٹوٹ کر چاہتی تھی۔

"چلیں میں آپ کو آپ کے کمرے میں چھوڑ کر آتا ہوں۔ رات والی نرس بھی پہنچ چکی ہے۔ اب آپ آرام کیجیے۔" وہ نرمی سے بولا تو مسز عالم اثبات میں سر ہلاتی، ایک بار پھر نور کو پیار کر کے نواسے کے ساتھ چلی گئی تھیں۔

دونوں کے کمرے سے جانے کے بعد نور کے حواس ذرا بحال ہوئے تھے۔ اب دھیان اپنوں کی جانب چلا گیا تھا۔ وہ، عثمان، بابا اور دادی چاروں ہی ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم تھے۔

دادی جان بھلے سے اس عمر میں بھی خاصی ایکٹو تھیں لیکن وہ ذیابیطس کی مریضہ تھیں انہیں مکمل پرہیز کروانا اور وقت پر دوا دینا نور الہدیٰ کی ذمہ داری تھی۔ بابا کا باقاعدگی سے بلڈ پریشر چیک کرنا، چٹورے عثمان کے فرمائشی پروگرام پورے کرنا، اس کی بکھری کتابوں کو سلیقے سے سمیٹ کر رکھنا، الٹ پلٹ ہوتی کپڑوں کی الماری کو بار بار ترتیب دینا گھر میں لگے بے شمار پودوں کو پانی دینا۔ اب جانے یہ سب کام کیوں اور کیسے ہو جائیں گے۔

انیسہ پھوپھو کا گھر زیادہ دور نہ تھا۔ نور الہدیٰ کو ان کی ذات کی طرف سے بڑا اطمینان تھا جانتی تھی کہ وہ مصروفیت کے باوجود دادی جان وغیرہ کی طرف سے غافل نہ ہوں گی۔ اپنوں کا پاس ہونا بھی کتنی تقویت کا باعث ہوتا ہے اللہ نے بہن بھائیوں کا کتنا حسین رشتہ تخلیق کیا ہے۔ ایک دوسرے کا سہارا اور ایک دوسرے کے ہمدرد و غمگسار۔

لیکن پھر اس کے دماغ کی رو نجیب ماموں کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی تو اس کی ماں کے اکلوتے بھائی تھے اور انہیں مرحومہ بہن کے بچوں سے کوئی سروکار تک نہ تھا۔ دادی جان خود جا کر انہیں شادی کا کارڈ دے کر آئی تھیں۔ شادی سے چار دن پہلے ماموں کی طرف سے نایاب آپی ایک لفافہ دے گئی تھیں۔ ساتھ ہی ماموں کی مصروفیت اور مامی کی طبیعت کے بارے میں بتا کر شادی میں شرکت سے پیشگی معذرت بھی کر لی تھی۔

"روپے پیسے رشتوں کا نعم البدل نہیں ہوتے۔ مجھے خوشی ہوتی اگر نجیب بھانجی کو اپنی دعاؤں میں رخصت کرتا۔ بہر حال اس کے تحفے کا شکریہ ادا کر دینا۔" دادی رسان بھرے لہجے میں نایاب آپی سے مخاطب تھیں۔

نایاب آپی نے مزید وضاحت کی ضرورت بھی محسوس نہ کی۔ نور الہدیٰ سے ان کی غرض ختم ہوگئی تھی۔ دس بارہ منٹ بیٹھ کر رسمی انداز میں شادی کی مبارک باد دیتی وہ واپس ہولی تھیں۔ لیکن آج اس وقت وہ ان لوگوں کے بارے میں کیوں سوچ رہی تھی۔ اس نے اپنا ذہن جھٹکا۔ نفاست اور سلیقے سے سجے بیڈ روم کا جائزہ لیا۔ نور الہدیٰ کا جی چاہا کہ وہ اس مہلت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک بار گھر فون کر کے گھر والوں کی خیریت دریافت کر لے، دادی جان بہت حوصلے اور ہمت سے کام لینے کے باوجود آج اس کی رخصتی سے بہت مضمحل اور پژمردہ تھیں۔ پریشانی اور ٹینشن میں سب سے پہلے ان کا شوگر لیول ہی گھٹتا بڑھتا تھا اس نے ان کی خیریت پوچھنے کے لیے پرس سے موبائل نکال لیا تھا۔ موبائل کی چارجنگ بالکل ختم ہونے کو تھی۔ اسے یاد بھی نہ تھا کہ شادی کے ہنگامے میں آخری بار موبائل چارج کب کیا تھا۔ یہ تو حرا کی مہربانی تھی کہ اس نے رخصتی سے ذرا پہلے یاد آنے پر اس کے پرس میں موبائل بھی ڈال دیا تھا۔ ڈیڈ ہوتی بیٹری دیکھ کر وہ فون کرنے یا نہ کرنے کی کشمکش و پیچ میں مبتلا تھی کہ اچانک فون کی بیل سے وہ بری طرح چونک پڑی اس نے بے تابی سے فون کان سے لگایا۔

"آپی! دادی جان کی شوگر چیک کرنی ہے لیکن گلوکو میٹر نہیں مل رہا۔ آپ کو کچھ یاد ہے کہاں رکھا

تھا۔" عثمان کی پریشان سی آواز سن کر وہ بھی بری طرح پریشان ہوئی تھی۔

"عثمان گلوکومیٹر دادی جان کی الماری میں ہی ہوتا ہے۔ الماری کا لیفٹ سائیڈ والا پٹ کھولو۔ ایک طرف دوائیوں کا ڈبہ پڑا ہے۔ اس کے ساتھ ایک بڑا باکس ہے اسی میں بی پی آپریٹس بھی رکھا ہے اور گلوکومیٹر بھی۔"

"دیکھ چکا ہوں آپی۔ نہیں مل رہا۔" وہ روہانسا ہوا۔ عام حالات ہوتے تو وہ عثمان کو غصے سے کہتی کہ آنکھیں کھول کر دیکھو اسے سامنے پڑی چیز بھی مشکل سے دکھائی دیتی تھی لیکن آج بھائی پر غصہ کرنے کے بجائے وہ خود بری طرح پریشان تھی۔ بس نہ چل رہا تھا کہ اڑ کر گھر پہنچ جائے۔

"دادی جان کی طبیعت کیا زیادہ خراب ہے۔" اس نے متوحش ہو کر پوچھا۔

"خراب تو ہے لیکن بابا نے کہا میڈیسن دینے سے پہلے شوگر لیول......" عثمان کی بات ادھوری ہی تھی کہ پیچھے سے حرا کی آواز سنائی دی۔

"عثمان کس سے بات کر رہے ہو۔" وہ جواب میں بولا تھا۔

"آپی سے۔" اور حرا جواب سن کر چلائی تھی۔

"تمہارا دماغ تو درست ہے۔ اسے کیوں پریشان کر رہے ہو۔" اور عثمان بے چارہ مزید بوکھلا گیا تھا۔

"اوکے آپی آپ فکر نہ کریں اللہ حافظ۔"

وہ ارے، رے ہی کرتی رہ گئی اور عثمان نے کال کاٹ دی تھی۔ نور الہدیٰ بے پناہ اضطراب کا شکار ہو گئی۔ اس کی چھٹی حس غلط نہ تھی۔ دادی جان کی طبیعت واقعی خراب تھی، اس نے پریشان ہو کر دوبارہ کال ملانی چاہی لیکن چارجنگ بالکل ختم ہو چکی تھی۔ وہ بے قراری سے لب کچلنے لگی بیڈ سے اتر کر کمرے میں چاروں جانب نگاہ دوڑائی کہ کہیں کوئی ایسا چارجر نظر آ جائے جو اس کے فون میں بھی لگ سکے لیکن کمرے میں سرے سے کوئی چارجر موجود ہی نہ تھا۔

"اوہ خدایا کیا کروں۔ وہ اپنا دلہناپا اور شرم و جھجک بھول بھال کر دونوں ہاتھوں میں سر تھام کر بیٹھ گئی تھی۔

☆☆☆

"کتنے لوگوں نے بارات میں انوائیٹ نہ کرنے پر شکوہ کیا لیکن میں وہاں بیٹھ کر شکر کر رہی تھی کہ اپنے سرکل کے لوگوں کو وہاں نہ لے کر گئی۔ لیکن اب یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ کل ریسیپشن میں جب سب اکٹھے ہوں گے تو لوگوں کی طنزیہ ہنسی اور تمسخرانہ انداز کیسے برداشت کریں گے۔ سب کو تجسس ہے کہ ہم نے کس فیملی میں عظام کا رشتہ جوڑا۔ کل اس کی بیوی کے گھر والے بھی موجود ہوں گے تو سب کو ہی پتا لگ جائے گا کہ ہم نے اپنے اکلوتے بیٹے کے لیے کس قسم کی فیملی کا انتخاب کیا ہے۔ کتنا ایمبیرسنگ ہوگا ہمارے لیے۔"

الماس عظام کو طنزیہ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے شوہر سے مخاطب ہوئیں۔

"کس قسم کی فیملی سے آپ کی کیا مراد ہے ممی۔ عزت دار اور شریف لوگ ہیں وہ۔ سفید پوش ہیں تو کیا ہوا۔ متوسط طبقے سے تعلق رکھنا کوئی جرم تو نہیں۔ آپ اپنا ماضی کیوں بھول جاتی ہیں۔ سنگل پیرنٹ ہوتے ہوئے نانو نے جس طرح مشقت بھری زندگی گزارتے ہوئے آپ کی پرورش کی تو آپ کو اس حد تک اسٹیٹس کانشس ہونا زیب نہیں دیتا۔" عظام نے تاسف بھرے انداز میں الماس جہانگیر کو دیکھا۔

"تمہارا دماغ ممی نے ہی خراب کیا ہے۔ ان کی کتابی باتیں صرف کتابوں کی حد تک ہی اچھی لگتی ہیں۔ زندگی میں آگے بڑھنے کے لیے پروگریسو اپروچ کا ہونا ضروری ہے۔ شیراز آفندی کتنا انٹرسٹڈ تھا اپنی بیٹی کے لیے تم میں۔ علیزے خود تمہاری طرف واضح جھکاؤ رکھتی تھی۔ اس خاندان سے رشتہ جوڑ کر ہمارا بزنس کہاں سے کہاں پہنچ سکتا تھا لیکن تمہارے اس احمقانہ فیصلے نے سب برباد کر دیا۔"

"اسٹاپ اٹ الماس! عظام کو اس کی زندگی

سے متعلق ہر طرح کے فیصلے کا اختیار میں نے خود دیا تھا۔ ہمیں اس کے فیصلے کا احترام اور اس کی خوش گوار زندگی کے لیے دعا کرنی چاہیے اور بس۔"

جہانگیر احمد نے بیوی کو ٹوکا۔ عظام نے ممنون ہو کر باپ کو دیکھا زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا تھا کہ باپ کو اس کی خوشیوں کی پروا ہے۔

"آپ کو لگتا ہے یہ اس سولہویں صدی کے نمونے کے ساتھ خوش گوار زندگی جیے گا۔ اس نے یہ فیصلہ صرف ممی کی خاطر کیا ہے اس کو ان کے لیے ایک خدمت گزار ٹائپ بہو چاہیے تھی صرف ان کی خاطر اس نے اپنے گلے میں ایسا ڈھول لٹکا لیا ہے جو اسے ساری عمر نہ چاہتے ہوئے بھی پیٹنا پڑے گا۔" وہ طنز کرنے سے باز نہ آرہی تھیں۔

"ٹھیک ہے ممی میں مانتا ہوں کہ میں نے فقط نانو کے لیے یہ احمقانہ قدم اٹھایا ہے اور واقعی مجھے یہ ڈھول تا عمر پیٹنا پڑے گا لیکن آپ یہ کیوں نہیں سوچتیں کہ یہ سب آپ کی خود غرضی اور لاپروائی کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ کے پاس اپنی ماں کے لیے دو منٹ نہیں۔ وہ چوبیس گھنٹے ملازموں کے رحم و کرم پر ہیں۔ ان کی کنڈیشن کتنی سیریس ہے یہ آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔ پچھلی نرس کی غفلت اور لاپروائی سے ان کی جان تک خطرے سے دوچار ہوگئی تھی اور آپ کو اپنے بزنس ٹور سے ہی فرصت نہیں۔ وہ میری تو صرف نانو ہیں۔ ماں تو آپ کی ہیں ناں اگر آپ کے دل میں ماں کے لیے محبت اور ذرا سا احساس ذمہ داری ہوتا تو شاید میں اپنی زندگی کے لیے وہ فیصلہ نہ لیتا۔ جس کو آپ گلے میں پڑے ڈھول سے تشبیہ دے رہی ہیں۔"

وہ جواباً ان سے بڑھ کر تلخ ہوا تھا۔ بات کرتے کرتے اس کی نگاہ دروازے کی سمت اٹھی تھی اور پھر نگاہ پلٹنا بھول گئی۔

"تم دونوں بلیم گیم کھیلنا بند کرو۔ اگر عظام نے یہ فیصلہ ممی کی خاطر کیا ہے تب بھی کچھ غلط نہیں کیا۔ ممی نے بھی تو اپنی زندگی واری ہے اس پر۔ عظام بیٹا چلو جاؤ اب۔ الماس کی باتوں کو دل پر نہ لو۔ جانتے ہو ناں ابھی فرسٹریٹڈ ہے۔ دل کی بھڑاس نکال کر نارمل ہو جائے گی۔"

جہانگیر احمد نے بیٹے کو مخاطب کیا لیکن بیٹا ان کی جانب متوجہ تھا ہی نہیں۔ وہ نور الہدیٰ کو واپس پلٹتا دیکھ چکا تھا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ نئی نویلی دلہن یوں مٹر گشت کرتے ہوئے لاؤنج کے دروازے تک آن پہنچے گی۔

"اوہ خدایا" ایک تھکی تھکی سانس اس کے لبوں سے برآمد ہوئی جانے وہ کیا کچھ اور کتنا سن چکی تھی۔

جس وقت وہ بیڈ روم میں داخل ہوا۔ دلہن روایتی انداز میں بیڈ پر بیٹھی نہ ملی۔ وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیڈ پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی تھی۔

"کیا ہوا نور الہدیٰ طبیعت تو ٹھیک ہے؟"

عظام نے اسے دوستانہ انداز میں مخاطب کیا۔ نور نے نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور کیا نہیں تھا ان نگاہوں میں۔ عظام کو خود نگاہیں چرانا پڑ گئیں۔

"میرا خیال ہے تم نے میری اور ممی کی باتیں سن لی ہیں۔" وہ اس کے قریب بیٹھتے ہوئے بولا۔ نور الہدیٰ نے اب بھی کوئی جواب نہ دیا لیکن اب آنسو اس کے گالوں پر پھسلنے لگے تھے۔ وہ بے بسی سے لب کچل رہی تھی لیکن باوجود کوشش کے آنسوؤں پر بند باندھنا ممکن نہ تھا۔ ہتھیلی کی پشت سے آنسو پونچھتی لیکن وہ پھر سے بہنے لگتے۔

"پلیز کچھ تو بولو۔ کوئی بات کرو۔ خاموش رہنے سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں اور میں ہرگز نہیں چاہتا کہ تم میرے بارے میں اور خصوصاً ہمارے رشتے کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار ہو۔ میں نے یہ رشتہ دل و دماغ کی پوری آمادگی کے ساتھ جوڑا ہے تم ممی کی کسی بات کو دل پر نہ لو۔"

"میں آپ کی ممی کی کسی بات کو دل پر نہیں لے رہی۔ میں نے خود آپ کے منہ سے آپ کی بات سنی ہے آپ کو اپنی نانو کے لیے خدمت گزار بہو چاہیے تھی اس لیے آپ نے مجھ سے رشتہ جوڑا ہے۔ اور یہ

ڈھول آپ کو تاعمر پیٹنا پڑے گا۔"

وہ بھرائے ہوئے لہجے میں اسے اس کے الفاظ یاد دلا رہی تھی انداز ایسا تھا کہ اب وہ اس کی کسی بات پر یقین کرنے کے لیے قطعاً تیار نہیں۔

"میرا شبہ صحیح تھا تم نے واقعی ہماری باتیں سن لی ہیں۔ لیکن تم ان باتوں کے پس منظر سے آگاہ نہیں ہو اس لیے کسی یک طرفہ نتیجے پر پہنچنے کی اتنی جلدی مت کرو۔ ہم نے اپنی نئی زندگی کی شروعات کرنی ہیں یار۔ ایک دوسرے پر بھروسے اور اعتماد کے بغیر بات کیسے بنے گی۔"

"مجھے بغیر چاہت کے کسی کی زندگی کا حصہ بننے کا قطعاً شوق نہیں آپ کی مجبوری نے آپ کو زبردستی کے اس بندھن میں بندھنے پر مجبور کیا ہے۔ میری ایسی کوئی مجبوری نہیں اور زندگی گزارنا تو بہت دور کی بات میں تو آپ سے ہمکلام تک نہیں ہونا چاہتی میرا بس چلے تو میں ابھی اور اسی وقت اپنے گھر چلی جاؤں۔" وہ زاروقطار رو رہی تھی، لڑکیاں جذباتی ہوتی ہیں عظام جانتا تھا لیکن اس حد تک جذباتی ہوتی ہیں اسے یہ اندازہ نہ تھا وہ اس کی کوئی بات سننے پر آمادہ نظر نہ آ رہی تھی۔

رو رو کر وہ اپنی حالت ہی غیر نہ کرلے۔

"او کے میں تم سے کوئی بات نہیں کر رہا لیکن پلیز رونا بند کرو، ریلیکس ہونے کی کوشش کرو۔ یوں رونے سے تمہاری طبیعت خراب ہو جائے گی۔"

"میری دادی جان کی طبیعت خراب ہے میں نے ان کی خیریت پوچھنی ہے اور میرے فون میں چارجنگ نہیں۔" چند لمحوں کے توقف کے بعد اس نے ازخود عظام کو مخاطب کیا۔ عظام نے خاموشی سے اپنا فون اسے پکڑا دیا۔ اسے خدشہ تھا کہ کہیں وہ کال نہ ملا لے۔ اس کی بھرائی ہوئی آواز اس کے گھر والوں کو بھی تشویش میں مبتلا کر سکتی تھی مگر صد شکر اس نے میسج کرنے پر اکتفا کیا تھا۔ دو، تین نمبروں پر میسج کرنے کے بعد جوابی میسج وصول ہوا تھا۔ نورالہدیٰ نے خاموشی سے موبائل واپس اس کی طرف بڑھا دیا۔

حرا نے تسلی دی تھی کہ دادی جان اب بالکل ٹھیک ہیں لیکن وہ اپنی پیاری دادی کو کیسے بتاتی کہ وہ بالکل ٹھیک نہیں ہے۔ آنکھیں پھر سے ڈبڈبانے لگی تھیں۔

"کیسی ہیں دادی؟" عظام نے دوستانہ انداز میں پوچھا۔

"ٹھیک ہیں۔" وہ سپاٹ سے انداز میں جواب دیتی اٹھ گئی تھی۔ اس کا رخ اب ڈریسنگ روم کی طرف تھا۔ عظام جانتا تھا کہ وہ اب اسے خود سے مخاطب ہونے کی اجازت بھی نہیں دے گی۔ وہ بے بس سے انداز میں بالوں میں ہاتھ پھیر کر رہ گیا تھا۔

ممی کا وجود اس کے لیے کبھی بھی راحت و سکون اور آسانی لانے کا باعث نہ بنا تھا لیکن آج اسے ان کی وجہ سے جو کچھ بھگتنا پڑا تھا۔ اس کا تو اس نے تصور بھی نہ کیا تھا۔

وہ کامنی سی لڑکی یقیناً اس کے الفاظ سن کر بہت زیادہ ہرٹ ہوئی تھی۔ وہ اس کے کہے پر کب اعتبار کر پاتی یہ آنے والے وقت نے ہی بتانا تھا اور عظام جانتا تھا کہ فی الوقت وہ اپنا بھروسہ کھو چکا ہے۔

☆☆☆

ولیمے کے فنکشن میں اس کا سوگوار حسن عجیب چھب دکھلا رہا تھا۔ عظام نے شکر کیا کہ اس نے کسی حد تک خود کو کمپوز کر لیا ہے۔ لیکن اس کے گھر والے آئے تو وہ اپنی دادی کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رو دی تھی۔

"یہ کیا میلوڈرامہ ہے عظام۔ ویسے پر کون سی دلہن ایسے روتی ہے۔" الماس نخوت بھرے انداز میں اس سے مخاطب تھیں عظام نے جواب دینے کے بجائے انہیں تیکھی نگاہوں سے دیکھا تھا پھر نورالہدیٰ کی جانب بڑھ گیا۔ وہاں نانو پہلے سے ہی موجود تھیں اور نور کی دادی کے ساتھ ساتھ وہ بھی اسے تسلی دلاسا دینے میں مصروف تھیں۔

"زندگی میں کبھی چند گھنٹوں کے لیے بھی مجھ سے دور نہیں رہی ہے۔ بہت چھوٹا دل ہے اس کا۔"

pklibrary.com

نورالنسا نے اپنی آنکھیں پونچھتے ہوئے اس کی پیشانی چومی تھی۔

"دل کے ساتھ ساتھ دماغ بھی چھوٹا ہے۔" عظام دل ہی دل میں بڑبڑایا تھا۔ موصوفہ اس کی کوئی بات سننے پر آمادہ ہی نہ تھیں۔

ولیمے کے بعد دادی رواج کے مطابق نور الہدیٰ کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتی تھیں۔ عظام کو خدشہ ستایا کہ کہیں میکے جا کر وہ کم عقل لڑکی ساری داستان عیاں نہ کر دے اس نے نانو کی مدد چاہی۔

"نانو سمجھائیں اپنی سہیلی کو شادی کے ایک دن بعد ہی کون میاں بیوی کو جدا کرتا ہے۔" اس نے ان کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ نانو، نواسے کی بات سن کر خوش گوار حیرت سے دوچار ہوئیں۔

"فکر نہ کرو۔ میں نورالنسا سے بات کرتی ہوں۔" نہال ہو کر انہوں نے نواسے کو تسلی دی اور پھر جانے اپنی سہیلی سے کیا کہہ سن کر انہیں ان کے مطالبے سے دست بردار کروالیا۔

غم و غصے سے نورالہدیٰ کا برا حال تھا۔ وہ ہر صورت گھر واپس جانا چاہتی تھی مگر عظام کے سنگ واپس سسرال ہی آنا پڑا تھا۔

"آپ کو اپنی نانو سے ایسی بات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔" وہ لال بھبھوکا چہرے کے ساتھ اس سے مخاطب تھی۔

"پہلی بات یہ کہ جب میں نے تمہاری دادی کو اپنی دادی تسلیم کرلیا ہے تو تم بھی آئندہ سے نانو کو نانو ہی کہو گی۔ آئندہ تمہارے لبوں سے تمہاری نانو جیسے الفاظ نہ سنوں۔" اس نے ذرا سنجیدہ ہو کر تنبیہ کی۔ پیار محبت کی زبان تو محترمہ سمجھنے پر تیار ہی نہ تھیں۔ عظام نے حکمت عملی بدلنے پر غور کیا۔ وہ واقعی قدرے خائف ہو کر چپ ہوگئی۔

"اور دوسری بات یہ کہ مجھے نانو سے کون سی بات کرتے ہوئے شرم نہیں آئی۔ ذرا وضاحت کرو گی۔" وہ اب مسکرا کر بولا۔ نورالہدیٰ خاموش رہی تھی۔

"میں نے تو نانو سے فقط یہ کہا تھا کہ میں نے تو ابھی اپنی دلہن کو جی بھر کر دیکھا بھی نہیں اور آپ اسے پھر سے اس کے میکے بھیج رہی ہیں۔" نورالہدیٰ کا خفا خفا سا چہرہ اسے چھیڑنے پر اکسا رہا تھا۔ وہ اس بات پر اس کے شرمانے کی تو قطعاً توقع نہ کر رہا تھا لیکن یہ بھی اندازہ نہ تھا کہ وہ پھر سے نیر بہانا شروع کر دے گی۔

"اوہ ناٹ اگین۔" وہ بے بسی سے کراہ کر رہ گیا۔

"دیکھو نورالہدیٰ تم ایک میچور اور سمجھدار لڑکی ہو۔ یوں بی ہیو مت کرو۔ میری بات سنو اور سمجھو اور اگر تمہارا دل میری کسی وضاحت کو قبول نہیں کرتا تو میں تمہیں اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہیں کروں گا۔" وہ صلح جو انداز میں بولا۔

"میں نے غلط کہا تھا کہ آپ کے ساتھ زندگی گزارنا میری مجبوری نہیں۔ میں نکاح کے بعد آپ کے ساتھ زندگی گزارنے پر مجبور ہوں اگر میں اپنے دل کی بات مان کر اپنے گھر واپس لوٹ جاؤں گی تو میرے گھر والے جیتے جی مر جائیں گے۔" وہ تھکے ہارے انداز میں بولی تھی، عظام نے کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہے لیکن پھر اسے بات مکمل کرنے دی۔

"لیکن یہ جان کر کہ آپ نے یہ رشتہ زبردستی خود پر مسلط کیا ہے میری عزت نفس اجازت نہیں دیتی کہ میں آپ کے ساتھ زندگی گزاروں۔ ابھی ہم دونوں کے لیے اس رشتے سے پیچھا چھڑوانا ممکن نہیں۔ میں آپ کی خواہش کے مطابق آپ کی نانو کی خدمت کروں گی ان کا ہر ممکن خیال رکھوں گی۔ لیکن پھر ہم کسی وجہ کو بنیاد بنا کر اپنے راستے الگ کر سکیں گے۔"

نورالہدیٰ کے کہنے پر عظام نے متاثر ہوتی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ صاف ظاہر تھا کہ وہ کل سے اب تک اس بارے میں خاصی سوچ بچار کر چکی ہے۔

"آپ کی نانو نہیں صرف نانو۔" اس نے تصحیح کی اور پھر نورالہدیٰ کو بات پوری کرنے کا موقع دیا۔

''دو چار سال گزریں گے تو آپ مجھے اولاد نہ ہونے کا جواز بنا کر چھوڑ سکتے ہیں۔'' اس نے کیا کمال پلاننگ کی تھی۔

''اور اگر ان دو چار سالوں میں دو چار بچے ہو گئے تو پھر؟'' عظام نے پوری سنجیدگی سے ایک ممکنہ خدشہ بیان کیا۔

''سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔'' وہ جیسے کرنٹ کھا کر اچھلی تھی۔

''سوال بھی پیدا ہو سکتا ہے اور بچہ بھی۔ تم کچھ اور پلاننگ کیوں نہیں کرتیں۔'' وہ اب بھی سنجیدہ تھا لیکن بھوری آنکھوں کی مسکراہٹ نورالہدیٰ کی نگاہوں سے چھپی نہ رہ پائی تھی۔

''میں اپنے گھر والوں سے کہہ دوں گی کہ آپ کسی اور لڑکی میں انٹرسٹڈ ہیں۔'' اس نے گویا دھمکایا تھا۔

''کمال کا اسکرپٹ ہے۔ تم اسکرپٹ رائٹنگ کی طرف کیوں نہیں آتیں۔ آج کل ایسے ڈرامے بہت ہٹ ہوتے ہیں۔'' وہ سراہ رہا تھا۔

''آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہوئی۔

''میں صرف تم سے متاثر ہو رہا ہوں۔ صرف دور دور سے متاثر ہونے کی تو اجازت ہے یا وہ بھی نہیں ہو سکتا۔'' عظام بے چارگی سے بولا تھا۔ نورالہدیٰ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھی۔

''اچھا اب خود کو اور اپنے دماغ کو مزید نہ تھکاؤ۔ باقی کی پلاننگ بعد کے لیے اٹھا کر رکھ دو۔ ہو سکتا ہے وقت گزرنے کے ساتھ ہم دونوں آہستہ آہستہ ایک دوسرے کو سمجھنے کے قابل ہو جائیں۔ کسی فوری فیصلے پر پہنچنا میری نگاہ میں حماقت کے سوا کچھ نہیں۔'' وہ اس بار اسے دوستانہ انداز میں سمجھا رہا تھا۔ نورالہدیٰ بنا جواب دیے خاموشی سے لب کچلنے لگی تھی۔

''ہمارے رشتے کو پنپنے کے لیے تھوڑا سا وقت تھوڑی سی مہلت دو تو سہی یار۔ اگر کچھ عرصہ گزرنے کے باوجود تمہارا انٹرسٹ ڈویلپ نہیں ہوتا تو تم کسی بھی فیصلے پر پہنچنے میں آزاد ہو اور میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ میں نہ صرف تمہارے فیصلے کا احترام کروں گا بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کے لیے جو ممکن تعاون فراہم کرنا پڑے کروں گا لیکن فی الحال ذہنی طور پر خود کو اتنا مت الجھاؤ۔''

وہ اب رسان بھرے انداز میں سمجھا رہا تھا۔ نورالہدیٰ کچھ لمحے خاموشی سے اسے تکتی رہی پھر دھیرے سے اثبات میں گردن ہلا دی تھی۔

☆☆☆

وہ یہ گمان کیے بیٹھی تھی کہ اسے دن رات عظام کی نانو کی دیکھ بھال کرنی ہو گی اس کا خیال غلط تھا۔ عظام نے ان کی دیکھ بھال کے لیے دو نرسز رکھی ہوئی تھیں۔ ایک دن میں ان کے پاس ہوتی تو دوسری کی ڈیوٹی رات کو ہوتی تھی۔ نورالہدیٰ کو ان کی بیماری کی نوعیت کا اندازہ نہیں تھا لیکن ان کا نحیف و نزار وجود اور بے پناہ جسمانی کمزوری اور نقاہت دیکھنے والے کو با آسانی نظر آجاتی تھی۔

عظام آفس جانے سے پہلے ان کے ساتھ ناشتہ کرتا تھا اب نورالہدیٰ بھی اس کے ہمراہ ہوتی۔ وہ انہیں ساتھ دیکھ کر بے پناہ خوش ہوتیں۔

''تم دونوں اپنا ہنی مون ٹرپ کیوں پلان نہیں کرتے۔ یہ ہی تو دن ہوتے ہیں گھومنے پھرنے کے۔'' انہوں نے پیار بھرے انداز میں دونوں کو مخاطب کیا۔

''جائیں گے نانو! ضرور جائیں گے۔ بس آج کل آفس میں کچھ مصروفیت ہے پھر ان شاء اللہ پلان کریں گے۔'' عظام نے مسکرا کر انہیں تسلی دی۔

''نانو آپ ناشتہ برائے نام کرتی ہیں۔ آپ کو جو پسند ہے مجھے بتایئے میں بنا کر لاؤں گی پھر آپ نے دوا بھی تو لینی ہوتی ہے۔''

نورالہدیٰ نے انہیں مخاطب کیا۔ وہ یہ نوٹ کر چکی تھی کہ ان کی خوراک نہ ہونے کے برابر ہے۔ عظام کے جانے کے بعد اس نے اسی بارے میں

pklibrary.com

بات کی تھی۔

''کچھ اچھا نہیں لگتا بیٹا۔ دوائیاں کھا کھا کر منہ کا ذائقہ اتنا خراب ہو گیا ہے کہ بھوک بالکل مر گئی ہے۔ یہ دو چار نوالے بھی مجبوری میں لینے پڑتے ہیں۔'' وہ جیسے بے بسی سے مسکرائی تھیں۔

نورالہدیٰ نے دل سے ان کی شفایابی کی دعا کی تھی۔

گھر میں اس کا ساس، سسر سے سامنا نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان لوگوں کی اپنی الگ ہی روٹین تھی۔ جہانگیر احمد تو جب ملتے تو شفقت بھرے انداز میں اس کا حال احوال ضرور دریافت کرتے لیکن الماس تو اس سے مخاطب ہونا بھی گوارا نہ کرتی تھیں۔ وہ ساس کو کتنی ناپسند ہے۔ یہ بات تو وہ شادی کی اولین رات ہی جان چکی تھی پھر بھی ان کی تیکھی نگاہیں اور نخوت بھرا انداز اسے عجیب گھبراہٹ میں مبتلا کر دیتا تھا۔

عظام کی غیر موجودگی میں اس کی جائے پناہ نانو کا کمرہ ہی ہوتا وہاں وہ خود کو بہت پرسکون محسوس کرتی۔ عظام اسے دو چار دن بعد میکے ملوانے لے جاتا تھا۔ لیکن گھر والوں سے ملوا کر وہ اسے اپنے ہمراہ واپس لے آتا۔ اتنی مختصر ملاقات سے نورالہدیٰ کے دل کی بے قراری مزید بڑھ جاتی تھی۔

''تم نے ایک دو دن ٹھہرنا ہے تو ٹھہر سکتی ہو۔'' عظام اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کے دل کا حال جان لیتا اب وہ اس کو کیا بتاتی کہ دادی جان اس خواہش کے آڑے آتی ہیں۔

''اتنا اچھا شوہر ہے تمہارا جب اتنی جلدی جلدی خود ملوانے لے آتا ہے تو یہاں ٹھہرنے کی کیا ضرورت۔ ملاقات ہو تو جاتی ہے۔'' نورالنسا کے کہنے پر وہ خفگی سے انہیں دیکھتی۔

''میرا دل آپ لوگوں میں اٹکا رہتا ہے۔ سوچ کر آتی ہوں آؤں گی تو گھر کے کچھ کام نمٹا کر ہی چلی جاؤں اور آپ ہیں کہ الٹا میری ہی خاطر تواضع کر کے مجھے مہمانوں کی طرح رخصت کر دیتی ہیں۔'' وہ منہ پھلا کر شکوہ کرتی۔

''اب ہماری فکر کرنا چھوڑ دو ہمارے اسکول کا چوکیدار تھا ناں رحمت میں نے گھر کے کاموں کے لیے اس کی بہو کو رکھ لیا ہے۔ بیوہ ہے بے چاری اسے اپنے بچوں کے اسکول کی فیسیں وغیرہ بھرنے کے لیے چھوٹی موٹی نوکری چاہیے تھی اور مجھے گھر کے کاموں کے لیے کوئی مددگار۔ اللہ نے ایسی سبیل بنا دی کہ ہم دونوں کا بھلا ہو گیا۔ صاف ستھری عورت ہے۔ کام بھی بہت نفاست اور سلیقے سے کرتی ہے۔ مجھے ماسیوں کا کام پسند کب آتا تھا لیکن اب گھر کے کاموں کی طرف سے بالکل بے فکر ہو گئی ہوں میں۔'' انہوں نے اسے تسلی دی تھی۔

''جی آپی! صفیہ آنٹی کھانا بھی بہت مزے کا بناتی ہیں۔ میں بھنڈی کب کھاتا ہے لیکن ان کے ہاتھ کی بنی بھنڈی بھی اتنے مزے کی ہوتی ہیں کہ پوری دو روٹیاں کھا گیا۔'' عثمان نے بھی اپنی دانست میں بہن کو مطمئن کرنا چاہا۔

''اچھی بات ہے۔ آپ لوگوں کو میری کمی محسوس نہیں ہوتی۔'' وہ بظاہر مسکرا کر بولی لیکن دل و دماغ پر عجیب سی یاسیت چھا گئی تھی۔ اپنا وجود بالکل بے مصرف لگنے لگا تھا۔

عظام اچھا نہیں بلکہ بہت اچھا تھا اس کا ہر ممکن خیال رکھتا لیکن وہ یہ حقیقت کیسے جھٹلاتی کہ اس کا اور عظام کا کوئی جوڑ نہیں۔ وہ بہت شاندار شخصیت کا مالک تھا۔ اس کا رہن سہن، بول چال، لب و لہجہ سب اسے بہت خاص بناتے تھے۔ وہ کھانے کی میز پر جن ڈشز کی طرف ہاتھ بڑھاتا نورالہدیٰ کو تو ان کا نام تک معلوم نہ تھا۔ آفس کے کسی معاملے پر موبائل پر کسی سے بات کر رہا ہوتا تو آدھی سے زیادہ بات شستہ انگریزی میں کرتا۔

نورالہدیٰ کو انگلش گرائمر نورالنسا نے پڑھائی تھی اور زمانہ طالبعلمی میں اس کے انگلش کے مضمون میں پوری کلاس سے اچھے نمبر آتے لیکن وہ انگلش میں بات کرنے کا سوچتی تو پہلے اردو فقرہ ذہن میں آتا اور پھر اس کی ٹرانسلیشن کرنا پڑتی لیکن عظام کو دیکھ کر لگتا

کہ وہ تو سوچتا بھی انگلش میں ہے۔ اس کا اور عظام کا کوئی جوڑ ہی نہ تھا پتا نہیں دادی جان نے کیا سوچ کر اس کی شادی عظام سے کر دی۔ اگر شادی کی پہلی رات اس کی یہ خوش فہمی ختم نہ ہوتی کہ یہ رشتہ عظام کی چاہت پر جڑا ہے تو شاید وہ اپنی خوب صورتی پر ہی نازاں رہتی۔ اب اسے ابوذر کی بات بھی یاد آتی جو کس بے رحمی سے اس کی ذات کا تجزیہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا کہ نور الہدیٰ میں سوائے خوب صورتی کے ہے ہی کیا اور شخصیت کے بغیر خوب صورتی بھی میٹر نہیں کرتی۔ اس وقت ابوذر کی بات نے اسے بری طرح سلگا دیا لیکن اب احساس ہوتا کہ وہ سچا تھا اور کم از کم دوغلا تو نہیں تھا ناں۔ اسے اپنی ماں کے لیے اٹینڈنٹ کی نہیں بلکہ اپنے لیے من پسند بیوی کی تلاش تھی۔ نور الہدیٰ اس خاکے پر پوری نہ اتری تو وہ اپنی ماں بہنوں کے دباؤ کے باوجود رشتہ جوڑنے سے صاف انکاری ہو گیا۔

بے جوڑ رشتے کا بوجھ اٹھانا کتنا مشکل ہوتا ہے یہ کوئی نور الہدیٰ سے پوچھتا۔ عظام کی ساری نرمی، حلاوت اور اپنائیت اسے مزید اذیت میں مبتلا کرتی تھی۔ اپنے وسیع وعریض۔ شاندار، سجے سجائے بیڈ روم میں اسے عجیب طرح کی گھٹن کا احساس ہوتا۔ سکون اسے نانو کے کمرے میں جا کر ملتا۔ ان کی محبت شفقت اور اپنائیت میں کوئی کھوٹ، ملاوٹ یا غرض نہ تھی۔ وہ بے چاری تو خود اس غلط فہمی میں مبتلا تھیں کہ ان کا نواسا پہلی نگاہ میں ہی نور الہدیٰ کی من موہنی صورت کا اسیر ہو گیا تھا۔ وہ لاڈلے نواسے کی دلی خواہش پوری کرنے پر بہت نازاں اور مسرور تھیں۔

عظام کی بیوی ہونے کی حیثیت سے وہ بھی ان کی بے پایاں محبتوں کی حق دار ٹھہری تھی۔ ان کے شفیق وجود سے اسے عجیب سی ڈھارس ملتی۔ اگر وہ اس بات سے لاعلم ہوتی کہ عظام نے محض ان کی خاطر اس جیسی عام اور گھریلو لڑکی سے رشتہ جوڑا ہے وہ پھر بھی ان کی اتنی ہی خدمت کرتی۔ اس کا خمیر محبت سے گندھا تھا اور بستر پر پڑے اس نحیف، بیمار بوڑھے وجود سے اسے قلیل عرصے میں عجیب سی انسیت ہو گئی تھی۔ عظام جانتا تھا کہ وہ دن کا بیشتر وقت ان کے ساتھ گزارتی ہے۔

☆☆☆

"تم اپنی روٹین اپنے حساب سے سیٹ کرو۔ تم پر کوئی کمپلشن نہیں ہے کہ تم دن بھر نانو کے پاس ہی رہو۔" عظام نے اسے نرمی سے مخاطب کیا تھا اور اس کی یہ بات اسے مزید بے توقیر کر گئی تھی۔

"اگر آپ یہ سمجھتے ہیں کہ میں آپ کی وجہ سے انہیں ٹائم دیتی ہوں تو پلیز اپنی غلط فہمی دور کر لیں۔ شادی کے ایک ہفتے بعد میں نے انہیں آپ کی نانو کہنے کے بجائے صرف نانو کہنا شروع کر دیا تھا۔ وہ آپ کے حوالے کے بغیر بھی مجھے بہت عزیز ہیں۔" نور الہدیٰ نے وضاحت کرنے کی کوشش کی اور یہ ذرا سی بات کرتے ہوئے بھی اس کی پلکیں بھیگ گئی تھیں۔

"میں جانتا ہوں تمہارا دل کتنا خوب صورت ہے اسی لیے تو تمہیں منتخب کیا تھا۔" عظام نے اس پر محبت بھری نگاہ ڈالی۔ نور الہدیٰ کے لبوں پر پھیکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

"اچھا یہ تو بتاؤ کہ نانو تو تمہیں بہت عزیز ہیں ان کے نواسے کے لیے اب تک دل میں کوئی جذبہ بیدار نہیں ہوا۔" وہ مسکراتے ہوئے پوچھ رہا تھا۔

"نانو کے نواسے سے جڑا بندھن فقط مجبوری کا ہے اور مجبوری کے سودے کا دل سے کوئی تعلق نہیں ہوتا۔" وہ خشک لہجے میں کہتی ہوئی وہاں سے اٹھ گئی تھی۔ عظام گہرا سانس کھینچ کر رہ گیا تھا۔

☆☆☆

"علیزے تم لوگوں کو دو بار ڈنر پر انوائیٹ کر چکی ہے۔ پرسوں میری یاور سے فون پر بات ہوئی وہ بھی یہ ہی گلہ کر رہا تھا کہ عظام شادی کی دعوت قبول نہیں کر رہا۔ تمہارا مسئلہ کیا ہے کیوں لوگوں کو اوائیڈ کر رہے ہو۔" الماس عظام سے مخاطب تھیں۔ نور الہدیٰ جو کچن میں نانو کے لیے سوپ بنا رہی تھی ماں بیٹے کا

pklibrary.com

مکالمہ باآسانی سن سکتی تھی۔

"میں بزنس ٹرمز اور فیملی ٹرمز کو الگ رکھنے کا قائل ہوں ممی۔ وہاں جانے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔" وہ لاؤنج میں لیپ ٹاپ کھولے بیٹھا تھا۔ الماس کی جانب دیکھے بغیر مصروف اور لاپرواہ سے انداز میں جواب دیا۔

"ہمارا ان لوگوں سے تعلق آج کا نہیں ہے اور نا ہی یہ صرف بزنس کی وجہ سے ہے۔ شیراز آفندی تمہارے باپ کا بہترین دوست ہے یاور تمہارا کورس میٹ رہ چکا۔ علیزے ایک زمانے تک تمہاری اچھی دوست تھی اور تم یہ سب تعلق کاروباری تعلقات کے کھاتے میں ڈال رہے ہو۔" وہ خفگی بھرے لہجے میں مخاطب ہوئیں عظام اپنے کام میں مصروف رہا۔ جواب تک دینے کی زحمت نہ کی۔

"تم یہ کیوں نہیں کہتے کہ اپنی مڈل کلاس بیوی کو اپنے سرکل میں متعارف کرواتے ہوئے تمہیں شرم آتی ہے۔ جو بے وقوفی کر بیٹھے ہو اس کے بعد لوگوں کا سامنا کرنا اور ان کی طنزیہ مسکراہٹ برداشت کرنا تمہارے لیے بہت مشکل ہے۔" وہ اس کے جواب نہ دینے پر مزید چڑ کر بولی تھیں۔

"آپ کو جو سمجھنا ہے سمجھتی رہیں میں آپ کو وضاحت دینے کا پابند نہیں۔" وہ بیزاری سے بولا۔

"کوئی وضاحت ہوگی تو دو گے ناں۔" الماس مزید طنز سے باز نہ آئیں۔ عظام کو کیا خبر تھی کچن میں کھڑی نورالہدیٰ بھی اپنے رشتے کی کسی معتبر وضاحت کے انتظار میں ساکن کھڑی ہے لیکن اس کی سماعتیں تشنہ ہی رہی تھیں۔

عظام کے لبوں سے کوئی ایک فقرہ نہ برآمد ہوا۔ الماس ہی تھیں جو بولے جا رہی تھیں۔ "بہرحال تم ان کی طرف سے ڈنر کی دعوت قبول کرو یا نہ کرو۔ یہ میرا دردسر نہیں۔ لیکن میں نے کل انہیں اپنے ہاں انوائیٹ کیا ہے۔ تم بھلے سے اپنی کسی مصروفیت کا بہانہ بنا کر شرکت نہ کرنا لیکن تمہاری بیوی چوبیس گھنٹے گھر پر ہی ہوتی ہے وہ اگر کھانے کی میز پر نہیں بیٹھے گی تو یہ بات میرے لیے بہت شرمندگی کا باعث ہوگی میں نہیں چاہتی کہ لوگ ساس بہو کے تعلق پر بے بنیاد چہ میگوئیاں کریں۔ اگرچہ اس کا مہمانوں کے سامنے آنا بھی کم شرمندگی کا باعث نہ ہوگا لیکن یہ کڑوا گھونٹ تو پینا ہی پڑے گا۔ تم بس اس سے یہ درخواست کر دینا کہ کچھ ڈھنگ کا پہن کر تیار ہو جائے۔

ممی نے اس کی شادی کے ملبوسات تیار کرنے کی ذمہ داری فائزہ کی بہو کے سپرد کی تھی۔ آئی ہوپ ہماری طرف کے جوڑے قدرے معقول ہوں گے لیکن وہ مجھے جب بھی نظر آئی ہے اول جلول حلیے میں ہی نظر آئی ہے۔ کل اس کی ڈریسنگ کا خیال کر لینا۔"

الماس کی طنزیہ ٹون نہ بدلی تھی۔

"کل ہم نورالہدیٰ کی پھوپھو کے ہاں انوائیٹڈ ہیں اگر آپ اپنے پروگرام کے متعلق پہلے بتاتیں تو ہو سکتا ہے میں ان لوگوں سے معذرت کر لیتا مگر اب یہ پاسیبل نہیں۔" وہ سرد وسپاٹ سے انداز میں مخاطب ہوا تھا۔ الماس اسے شرربار نگاہوں سے گھورنے کے باوجود کچھ مزید نہ بول پائیں لیکن کچن میں کھڑی نورالہدیٰ کے قدم وزن اٹھانے سے انکاری ہو گئے وہ تھکے تھکے انداز میں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی۔

یہ سچ تھا کہ اس نے آج صبح ہی عظام سے انیسہ پھوپھو کی طرف جانے کی بات کی تھی حرا کی شادی کی تاریخ طے ہو چکی تھی اور وہ جب بھی فون کرتی طعنے دینے سے باز نہ آتی۔

"میں نے تمہاری شادی کی تیاریوں میں دن رات ایک کر دیے تھے اور تم ڈیٹ فکس ہونے کے بعد مبارک باد دینے تک نہیں آئیں۔ پلیز ایک دو دن کے لیے رہنے آ جاؤ۔ مجھے آج کل ایک بہن کی کمی شدت سے محسوس ہو رہی ہے۔"

وہ بات کے اختتام پر منت پر اتر آتی۔ نورالہدیٰ نے اسے تسلی دی تھی کہ وہ جلد ہی چکر لگائے گی۔ سوچا یہ ہی تھا کہ وہ ڈرائیور کے ساتھ پھوپھو کی طرف چلی جائے گی اور ایک پورا دن وہاں گزار کر واپسی کے لیے بھی ڈرائیور کو ہی بلوا لے گی۔

pklibrary.com

جب اس نے عظام کو اپنے پروگرام سے آگاہ کیا تو اس نے دو، چار دن انتظار کا کہہ دیا۔

"میں خود تمہیں چھوڑ آؤں گا۔ انیسہ پھوپھو جب بھی تمہارے گھر ملی ہیں اپنی طرف آنے کی دعوت دیتی ہیں اس بہانے ان کی طرف کا چکر لگ جائے گا۔ تم ایک دو دن ٹھہرنا چاہو تو بخوشی ٹھہر جانا۔"

عظام کے کہنے پر اس نے اثبات میں سر ہلا دیا تھا۔ اور اب اس نے کیسے الماس کے سامنے جھٹ کہہ دیا کہ وہ کل وہاں انوائیٹڈ ہیں۔ بے چارے میزبانوں کو تو کل کی دعوت کا علم ہی نہ تھا۔ اگلے دن آفس جانے سے پہلے عظام نے اسے شام کو تیار رہنے کا کہا۔

"کوشش کروں گا جلدی آجاؤں پھر انیسہ پھوپھو کی طرف چلیں گے۔"

وہ نورالہدیٰ سے وابستہ رشتوں کو پوری طرح اون کرتا تھا۔ نورالہدیٰ نے اس کے لبوں سے کبھی تمہاری دادی، تمہارے بابا یا تمہارے بھائی جیسے الفاظ نہ سنے تھے۔ وہ اس کی فیملی میں پوری طرح گھل مل گیا تھا۔ اس معاملے میں اس نے کبھی بھی اپنے اسٹیٹس کو آڑے نہ آنے دیا تھا۔ وہ دادی کے ہاتھ کے بنے کھانے انتہائی رغبت سے کھاتا بلکہ اگلی دفعہ کے لیے کوئی فرمائش بھی نوٹ کروا جاتا۔

عثمان کے ساتھ کرکٹ پر سیر حاصل تبصرے اور بابا کے ساتھ ملک کے سیاسی اور معاشی مسائل پر پر مغز گفتگو اور یہ سب کرتے ہوئے وہ نورالہدیٰ کے گھر والوں کے دل میں اپنی جگہ مستحکم کر چکا تھا۔

کبھی نورالہدیٰ کو بھی اپنائیت کا یہ مظاہرہ بہت بھلا لگتا تو کبھی وہ اسے فقط بہروپیا ہی لگتا۔ جس شخص کو اپنی ماں سے بات کرنے کی تمیز نہ تھی وہ غیروں سے اتنا اخلاق کیوں کر برت سکتا تھا۔ الماس، نورالہدیٰ کی ساس تھیں دونوں ایک دوسرے کو ناپسند کرنے کی ٹھوس وجوہات رکھتی تھیں لیکن بیٹے کا ماں سے یہ اکھڑا ہوا انداز نورالہدیٰ کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆☆☆

انیسہ پھوپھو کی طرف جاتے ہوئے نورالہدیٰ کے دل و دماغ میں عجب تلاطم برپا تھا الماس کا کہنا صحیح تھا وہ اسے اس قابل ہی نہ سمجھتا تھا کہ اپنی سوسائٹی میں کسی سے متعارف کروا سکے۔ کیسے آناً فاناً اس نے یہ پروگرام ترتیب دے دیا تھا۔ نورالہدیٰ نے انیسہ پھوپھو کو اپنے پروگرام سے لاعلم رکھا تھا۔ وہ خوامخواہ کے اہتمام میں پڑ جاتیں۔

"آپ چائے پی کر بھلے سے واپس جا کر اپنے مہمانوں کو جوائن کر لیجیے گا۔ کل آفس سے واپسی پر مجھے لیتے جائیے گا۔" گھر ذرا دور ہی تھا جب نورالہدیٰ نے عظام کو مخاطب کیا۔

"کون سے مہمان؟" عظام کا انجان بننا اسے سر تا پاؤں سلگا گیا۔ "وہ ہی جن سے سامنا نہ کروانے کی خاطر آپ کو اپنے ٹف شیڈول میں فرصت نکال کر مجھے یہاں لانا پڑا۔" وہ پھیکی ہنسی ہنستے ہوئے بولی تھی۔ عظام نے لب بھینچ کر اسے گہری نگاہوں سے دیکھا۔

"تمہارے آف موڈ کی یہ وجہ ہے۔ میں حیران تھا کہ یہاں آتے ہوئے تم خوش کیوں نہیں ہو۔ ویسے بائی دا وے تمہیں کس نے کہا کہ میں تمہیں مہمانوں سے ملنے نہیں دینا چاہ رہا تھا۔" اس نے ابرو اٹھا کر پوچھا۔

"میں نے کل ممی کی اور آپ کی ساری گفتگو سن لی ہے اس لیے آپ مجھے جھٹلا نہیں سکتے۔"

"واؤ امیزنگ ویسے تمہیں تو لوگوں کی گفتگو ٹیپ کرنے والے کسی خفیہ ادارے کا حصہ ہونا چاہیے۔ آئی ایم رئیلی امپریسڈ۔" وہ توصیفی انداز میں طنز کر رہا تھا۔

"ویسے اگر تم نے ممی اور میری گفتگو سن ہی لی تو اس ناچیز کا قصور بتا سکتی ہو۔ تم نے ہمیشہ ممی کے کہے کا ذمہ دار مجھے ٹھہرایا ہے اور میں ہر بار نئے سرے سے وضاحت نہیں کر سکتا۔ تمہیں یہ بات سمجھ لینی چاہیے۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔

"میں آپ سے وضاحت نہیں مانگ رہی لیکن

pklibrary.com

میں حقیقت جھٹلا نہیں سکتی۔ میں آپ کی سوسائٹی اور سرکل میں آپ کے لیے شرمندگی کا باعث ہوں۔ آپ کو یہ بے جوڑ بندھن نہیں باندھنا چاہیے تھا۔ آج آپ نے اپنے کلوز فیملی فرینڈز کے ڈنر میں میری شمولیت سے بچنے کی خاطر افراتفری میں انیسہ پھوپھو کی طرف جانے کا پروگرام بنایا اور اب الٹا مجھ پر ہی خفگی جتا رہے ہیں۔"

وہ کل سے اب تک یہ سب سوچ سوچ کر اتنا ہرٹ ہو چکی تھی کہ خود کو تلخ ہونے سے نہ روک پائی۔ عظام نے ایک لفظ بولے بنا گاڑی موڑ لی تھی۔

"گھر آنے والا ہے۔ اب کہاں جا رہے ہیں؟" وہ ذرا بوکھلائی، عظام نے اس بار بھی کوئی جواب نہ دیا۔ نورالہدیٰ اس کی خاموشی سے ذرا خائف ہوئی تھی۔

"پلیز اگلے یوٹرن سے گاڑی موڑ لیں۔ میں نے حرا اور پھوپھو کو آنے کا بتا دیا تھا۔" عظام کے تیوروں سے ڈر کر وہ غلط بیانی کر بیٹھی۔

"ان سے ایکسکیوز کر لینا ہم واپس گھر جا رہے ہیں۔ آج کے ڈنر میں تم میرے ساتھ شرکت کرو گی۔ تمہاری غلط فہمی دور کرنے کا اس کے سوا میرے پاس کوئی راستہ نہیں۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"اچھا ٹھیک ہے ہو گئی میری غلط فہمی دور۔ پلیز واپس چلیں۔ وہ ملتجیانہ انداز میں بولی۔ اس التجا کا عظام پر کوئی اثر نہ ہوا۔ وہ خاموشی سے ڈرائیو کرتا رہا۔

"میرا حلیہ ایسا نہیں کہ میں مہمانوں کے سامنے جا سکوں پلیز غصہ تھوک دیں۔ سوری کر رہی ہوں ناں۔ پھوپھو کی طرف ہی چل پڑیں۔"

"کیا ہوا ہے تمہارے حلیے کو۔ اچھا بھلا تو ہے۔" عظام نے اس پر ایک اچٹتی نگاہ ڈالی۔

"پھوپھو کے گھر جانے کے لیے مجھے کسی خاص تیاری کی ضرورت نہیں تھی وہ میرے اپنے ہیں لیکن میں ممی کے مہمانوں کے سامنے ایسے جاؤں گی تو وہ خوب خفا ہوں گی۔" نورالہدیٰ اپنی ذرا دیر پہلے والی خفگی بھول بھال کر ٹھیک ٹھاک پریشانی میں مبتلا ہو گئی تھی۔

"ممی کی خفگی کو خاطر میں نہ لایا کرو۔" اس نے بے نیازی سے مشورہ دیا۔

"دادی جان نے اپنی دانست میں میرے لیے شاندار ملبوسات بنوائے تھے لیکن وہ سب کامدار ہیں۔ نانو نے بھی ہیوی ہیوی ڈریس بنوا دیے۔ میں وہ تو گھر میں پہن کر نہیں پھر سکتی ناں اور ممی کو میرا حلیہ اول جلول لگتا ہے۔" وہ ان کی کل کی بات دوہراتے ہوئے روہانسی ہو گئی تھی۔

"تو تمہیں مجھ سے کہنا چاہیے تھا ناں۔ میں تمہیں شاپنگ کروانے لے جاتا۔" وہ سنجیدگی سے بولا تھا۔ نورالہدیٰ بنا جواب دیے رخ موڑ گئی وہ نہیں چاہتی تھی عظام اس کی بھیگی پلکیں دیکھ سکے۔

عظام بھی مزید کچھ نہ بولا تھا۔ گاڑی اب انجان راستے پر رواں دواں تھی۔ کچھ دیر بعد وہ ایک مشہور اور مہنگے ترین برینڈ کے آؤٹ لٹ پر تھے۔

"تفصیلی شاپنگ بعد میں کریں گے فی الحال آج کے لیے کچھ اچھا سا لے لو۔" اس بار وہ اپنے مخصوص نرم لہجے میں مخاطب تھا نورالہدیٰ نے مزید بحث مباحثہ نہ کیا تھا۔

اور جس وقت وہ عظام کے ہمراہ گھر پہنچی تو مہمان پہنچ چکے تھے۔ الماس نے حیرانی سے بہو کو دیکھا۔ جدید تراش خراش کے سوٹ میں وہ پہچانی ہی نہ جا رہی تھی۔ مطمئن ہونے کے بجائے ان کے لبوں پر نخوت بھری مسکراہٹ ابھری تھی۔

علیزے نورالہدیٰ سے بہت گرمجوشی سے ملی۔ فراخدلی سے اس کی خوب صورتی کو سراہا بلکہ عظام کو خوش قسمت ہونے کا سرٹیفکیٹ بھی دے دیا۔ پورے ڈنر میں نورالہدیٰ غیر آرام دہ رہی تھی وہ اس کلاس کا حصہ نہیں تھی اور یہ حقیقت جانتے ہوئے وہ خود کو مس فٹ محسوس کر رہی تھی۔

سچ تو یہ تھا عظام کے ساتھ علیزے جیسی لڑکی ہی سوٹ کرتی۔ دراز قد، پراعتماد، ماڈرن، چھا جانے

والی سحر انگیز شخصیت اور اس طبقے کی لڑکیاں حسین نہ ہوتے ہوئے بھی حسین ترین نظر آنے کے فن سے آشنا تھیں۔

وہ انتہائی پراعتماد طریقے سے ہر کسی کی گفتگو میں شریک رہی تھی۔ جہانگیر احمد اور الماس دونوں ہی اسے بہت اہمیت دے رہے تھے۔ نورالہدیٰ سارا وقت لاشعوری طور پر اپنے ساتھ اس کا موازنہ کرتی رہی تھی اور اس موازنے کے بعد جو نتیجہ نکلا وہ رات گئے عظام کے سامنے پیش کر ڈالا۔

"آپ نے خوامخواہ مجھ سے شادی کی۔ آپ کے ساتھ علیزے جیسی لڑکی سوٹ کرتی۔ پھر وہ آپ کو پسند بھی کرتی تھی آپ نے ناحق اس کا دل توڑا ساتھ اپنے ماں باپ کی امیدوں کا پاس بھی نہ رکھا۔"

"میں جانتا تھا علیزے سے ملنے کے بعد یہ ہی کیڑا تمہارے دماغ میں کلبلائے گا اسی لیے تمہارا اڈنر اسکپ کروانا چاہتا تھا۔" عظام اس کی بات سن کر یہ ہی کہہ پایا۔

"وہ شاید اب بھی آپ کو پسند کرتی ہو گی۔" نورالہدیٰ کا دل عجیب بے چینی میں گرفتار ہو گیا تھا سو نہ چاہتے ہوئے بھی فقرہ زبان سے پھسل گیا۔

"حقیقی زندگی ڈراموں سے بہت مختلف ہوتی ہے نورالہدیٰ! میری شادی کے بعد علیزے کو مجھ میں زیرو فی صد بھی انٹرسٹ نہیں رہا ہو گا۔ نہ ہی وہ ڈراموں کی طرح مجھے حاصل کرنے کے لیے اوچھے ہتھکنڈے اپنائے گی اور سازشوں کے ذریعے ہمارے درمیان جدائی ڈلوانے کی کوشش کرے گی۔ ہاں ایک زمانے میں وہ مجھ سے شادی کی خواہش مند تھی لیکن میری عدم دلچسپی دیکھ کر اس نے اپنے بڑھتے قدم روک لیے۔ عزت نفس صرف مڈل کلاس لڑکیوں کی میراث نہیں۔ لڑکی جس طبقے کی بھی ہو اسے اپنی سیلف ریسپیکٹ دوسری کسی بھی چیز سے عزیز ہوتی ہے سو پلیز میرے اور علیزے کے بارے میں کوئی غلط فہمی دل میں نہ پالنا۔"

وہ رسان بھرے لہجے میں سمجھا رہا تھا لیکن اس ساری بات میں نورالہدیٰ کو صرف ایک ہی بات قابل غور لگی۔ عظام نے بالآخر اسے مڈل کلاس لڑکی ہونے کا طعنہ دے دیا تھا۔ اس کا دل مزید بوجھل ہو گیا لیکن اب اس میں مزید بحث کا یارا نہ تھا۔

☆☆☆

حرا کی شادی سے ایک ہفتہ پہلے عظام اسے میکے چھوڑ آیا تھا۔ انیسہ پھوپھو کا گھر زیادہ دور نہ تھا وہ دن بھر وہاں رہتی مگر رات کو گھر واپس آ جاتی۔ شادی کے بعد پہلی بار تو گھر رہنے کا موقع ملا تھا۔ مہندی والی رات وہ انیسہ پھوپھو کے گھر میں مچی ہڑبونگ سے بچنے کے لیے سکون سے تیار ہونے واپس گھر آ گئی تھی۔

اور جس وقت وہ نک سک سے تیار ہو کر اس سوچ بچار میں تھی کہ اب عثمان کے ساتھ بائیک پر کیسے جا پائے گی عثمان نے اسے عظام کے آنے کی اطلاع دی۔ وہ اس کی آمد کی ہرگز توقع نہ کر رہی تھی سو بری طرح بوکھلا گئی۔

"آپ پریشان تھیں ناں کہ ان کپڑوں کو سنبھالتے ہوئے بائیک پر کیسے بیٹھیں گی تو اب عظام بھائی آپ کو وہاں چھوڑ دیں گے میں تو چلا۔ وجدان کے بار بار فون آ رہے ہیں۔ وہ بے چارہ وہاں اکیلا لگا ہوا ہے۔"

عثمان اسے اطلاع دیتا رفوچکر ہو گیا۔ عظام کمرے میں آیا تو وہ ذرا پزل ہو کر جیولری باکس اور میک اپ کا بکھرا سامان سمیٹنے میں مصروف ہو گئی۔ سلام کے بعد دوبارہ عظام کو مخاطب تک نہ کیا۔ وہ کچھ دیر تک اس کی مصروفیت دیکھتا رہا پھر مسکرا کر قریب آیا۔

"اچھی لگ رہی ہو۔" مسکراتے ہوئے توصیفی جملے سے نوازا۔ پہلے سے بوکھلائی ہوئی نورالہدیٰ مزید پزل ہو گئی تھی۔ شادی کے بعد پہلی بار وہ عظام کے سامنے یوں سولہ سنگھار کیے کھڑی تھی۔

"مجھے پتا ہے آپ دل ہی دل میں مجھے کیک، پیسٹری سے تشبیہ دے رہے ہوں گے لیکن یوں بجا،

pklibrary.com

سنورنا میری مجبوری تھی یہاں سب لوگ ایسی باتیں نوٹ کرتے ہیں اور نئی نئی شادی شدہ لڑکیوں کو خصوصاً زیادہ ہار سنگھار کرنا پڑتا ہے۔ میں نے تو پھر جھومر، ٹیکہ نہیں لگایا وہاں پھوپھو کے جیٹھ کی بیٹی مجھ سے بھی چار ماہ پہلے شادی ہوئی تھی اس کی اور وہ پوری دلہن بنی بیٹھی ہے۔" وہ بے ارادہ ہی وضاحت دینے میں لگی ہوئی تھی عظام کی مسکراہٹ گہری ہوگئی۔

"تم نے تو مجھے شادی پر انوائیٹ ہی نہیں کیا۔ وہ تو آج دادی جان سے فون پر بات ہوئی تو انہوں نے تاکید کی کہ میں نے شادی میں ضرور شرکت کرنی ہے۔"

"دادی جان کو آپ کی مصروفیت کا اندازہ نہیں لیکن مجھے ہے آپ نہ آتے تو میں انیسہ پھوپھو سے معذرت کرلیتی۔" وہ نظریں جھکا کر دھیمے لہجے میں بولی۔ عظام کی مسکراتی نگاہیں کنفیوز جو اتنا کر رہی تھیں۔

"میں نے تو آنے کے لیے دادی کا بلاوا ہی کافی سمجھا۔ تم بلاتیں تو کیسے نہ آتا۔ لیکن تم از خود سب کچھ فرض کرلیتی ہو۔"

"آج تو مہندی کا فنکشن ہے۔ آپ کی موجودگی اتنی ضروری نہیں بھلے سے کل میرج ہال میں تھوڑی دیر کے لیے آجایئے گا۔" اس نے عظام کی سہولت کا خیال کرتے ہوئے تجویز دی۔

"تو اب واپس چلا جاؤں۔" وہ کچھ خفا ہوا۔

"نہیں میرا مطلب ہے آج وہاں جا کر آپ بور ہی ہوں گے۔ فیملی فنکشن ہے کیا کریں گے جا کر۔" نورالہدیٰ نے بوکھلا کر وضاحت دی۔

"بور نہیں ہوں گا۔ اپنی پیسٹری کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہوں گا۔ مجھے تو علم ہی نہ تھا کہ میری قسمت میں ایسی حسین و جمیل پیسٹری لکھی گئی ہے لیکن بد قسمتی سے مجھے صرف دیکھنے کی اجازت ہے۔" وہ اب اسے چھیڑ رہا تھا۔

"اڑا لیں مذاق، آپ کو اس کے سوا آتا بھی کیا ہے۔" وہ خفگی سے منہ پھیر گئی۔

"میری تعریف کو تم مذاق کہہ رہی ہو۔" وہ خفا ہوا۔

"پیسٹری کہہ کر کون بیوی کی تعریف کرتا ہے۔" وہ اس سے بڑھ کر خفا ہوئی۔

"تمہیں پیسٹری میں نے قرار دیا۔" تاسف کی جگہ تعجب نے لے لی۔ نورالہدیٰ خاموش رہی۔

"تمہاری بدگمانی ہمارے بیچ فاصلوں کو کبھی پاٹنے نہ دے گی نورالہدیٰ۔" وہ گہری سانس کھینچتے ہوئے بولا۔

"بہرحال یہ پیسے رکھ لو۔ تمہیں خود سے تو خیال نہیں آیا لیکن حرا کی شادی میں تمہیں کوئی گفٹ تو دینا چاہیے ناں۔ میرا تو خیال ہے کیش دے دو۔ وہ اپنی مرضی کی چیز خرید لے گی۔" عظام نے اس کی جانب پیسے بڑھائے تھے۔

"میں اتنے ڈھیر سارے پیسے دے کر آپ کی امارت کا رعب نہیں ڈالنا چاہتی اور میں حرا کو شادی کا تحفہ پہلے ہی دے چکی ہوں۔ پیسے تھے میرے پاس۔" نورالہدیٰ نے پیسے پکڑنے کے لیے ہاتھ نہیں بڑھایا تھا۔

"میں یہ پیسے اپنی امارت کا رعب ڈالنے کے لیے دے رہا ہوں؟" عظام نے دکھ بھرے لہجے میں پوچھا۔ "نہیں میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" وہ بھی جیسے بول کر پچھتائی۔

"تمہارا جو بھی مطلب تھا میں سمجھنے سے قاصر ہوں۔ خیر چلتا ہوں دروازہ بند کرلو۔"

"آپ پھوپھو کی طرف نہیں چل رہے؟" نورالہدیٰ نے بے ساختہ پوچھا۔

"کیا کروں گا جا کر تم نے ہی تو کہا ہے فیملی فنکشن ہے۔" عظام نے سنجیدگی سے اس کے الفاظ واپس لوٹائے۔

"سوری!" وہ منمنا کر یہ ہی کہہ پائی۔

"اٹس او کے تم اپنا فنکشن خراب نہ کرو۔ جاؤ سب تمہارے منتظر ہوں گے۔"

"بابا عثمان اور دادی جان سب وہاں ہیں۔

آپ مجھے وہاں ڈراپ کر سکتے ہیں؟'' اس نے دھیرے سے پوچھا تھا۔

'' وائے ناٹ شیور۔ میں گاڑی میں تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔ گھر لاک کر کے آجاؤ۔'' عظام سنجیدگی سے کہتا باہر نکل گیا تھا۔ چند لمحوں کے لیے نورالہدیٰ ساکت کھڑی بے بسی سے لب کچلتی رہی۔ پھر تھکے تھکے انداز میں چیزیں سمیٹنے لگی تھی۔

☆☆☆

شادی کے فنکشن میں اس کی بے چین نگاہیں عظام کو تلاشتی رہی تھیں لیکن شاید وہ کل کی بات پر اتنا خفا ہو گیا تھا کہ آج آنے کا ارادہ ہی ملتوی کر دیا۔

''سنتی ہو نورالنسا آج اپنی نورالہدیٰ کی نظر اتار دینا۔'' ماشاء اللہ چشم بدور بہت ہی حسین لگ رہی ہے۔ انیسہ پھوپھو کی ساس اس پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے بولیں۔

''تمہارا دولہا نہیں آیا اب تک۔ اب تو بارات بھی پہنچ گئی ہے۔'' انہوں نے اگلا سوال کیا۔ دادی نے بھی اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھا۔ یہ بات وہ بھی اس سے چار بار پوچھ چکی تھیں۔

''جی بس پہنچنے والے ہوں گے۔ میں فون کرتی ہوں۔'' وہ مزید سوالوں سے بچنے کی خاطر وہاں سے چلی گئی لیکن جب تھوڑی دیر تک بھی عظام نہ آیا تو ہمت کر کے اس نے کال ملالی۔

''سوری یار میں تمہیں فون کر کے بتانے ہی والا تھا میں نہیں آسکوں گا۔'' اس نے نورالہدیٰ کے سلام کا جواب دیتے ہی بتا دیا تھا۔ نورالہدیٰ کے لبوں پر پھیکی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اسے تو پہلے ہی پتا تھا کہ وہ نہیں آئے گا۔ کہاں کل مہندی کا فنکشن تک اٹینڈ کرنے کا ڈرامے کر رہا تھا اور آج اس خاص موقع پر بھی غیر حاضر تھا بہروپیا کہیں کا۔ نورالہدیٰ کی بدگمانی عروج پر تھی۔

''نانو کی طبیعت ٹھیک نہیں میں انہیں لے کر ہاسپٹل آیا ہوا ہوں۔ ابھی الٹراساؤنڈ اور کچھ ٹیسٹ ہونے باقی ہیں۔ یہاں سے فارغ ہوتے ہوتے کافی دیر ہو جائے گی۔ تم انیسہ پھوپھو کو سب بتا کر معذرت کر لینا۔'' عظام تھکے تھکے انداز میں مخاطب تھا۔

''کیا ہوا نانو کو۔'' ساری بدگمانی پل بھر میں ہوا ہوئی۔

''کہا ناں طبیعت خراب ہے۔ اچھا میں بعد میں بات کروں گا نانو کو ٹیسٹ کے لیے لے کر جا رہا ہوں۔'' اس نے عجلت میں فون بند کر دیا۔ اس کی آواز اور انداز سے نورالہدیٰ ٹھیک ٹھاک تشویش میں مبتلا ہو گئی تھی۔ وہ یقیناً بہت پریشان تھا۔

وہ دل ہی دل میں نانو کی صحت یابی کی دعا کرنے لگی۔

☆☆☆

اگلے دن اس نے صبح سویرے ہی واپسی کی ٹھانی۔ دادی بھی مسز عالم کی خیریت دریافت کرنے ساتھ جانا چاہتی تھیں۔

''آج حرا کا ولیمہ ہے۔ آپ پروگرام کے مطابق انیسہ پھوپھو کی طرف چلی جائیں۔ ویسے بھی وہ آج خود کو بہت تنہا محسوس کر رہی ہوں گی آپ کل یا پرسوں سہولت سے آجایئے گا۔'' اس نے انہیں منع کرنے کے بعد عظام کو فون کیا تھا لیکن اس کی سوئی سوئی سی آواز سن کر شرمندہ سی ہو گئی۔

''آپ ابھی تک اٹھے نہیں۔'' وہ خاصا سحر خیز تھا اس لیے اس نے دھیرے سے پوچھا۔

''ہاں بس رات کو نانو کے پاس تھا۔ فجر پڑھ کر بیڈ روم میں آیا ہوں۔ خیریت تم نے کیسے فون کیا۔'' عظام نے نرمی سے پوچھا۔

''میں آنا چاہ رہی تھی ڈرائیور کو بھیج دیجیے۔''

''کیوں آج تو حرا کا ولیمہ ہے۔ تم پروگرام کے مطابق کل آجانا۔ یہاں کی ٹینشن مت لو۔ میں آفس نہیں جا رہا۔ میں ہوں نانو کے پاس۔''

''فنکشن رات کو ہے۔ ممکن ہوا تو میں اٹینڈ کر لوں گی بس آپ فی الحال ڈرائیور کو بھیج دیجیے۔'' اس نے اصرار کیا۔

''او کے میں بھیجتا ہوں۔'' عظام نے مزید

بحث نہ کی تھی۔
اور جس وقت وہ نانو کے پاس پہنچی تو انہیں دیکھ کر اسے دھچکہ لگا۔ ایک ہفتے کے اندر وہ مزید کمزور ہو گئی تھیں۔ ایسی بھی کیا بیماری ان کی جان کو چمٹ گئی تھی اور اس نے یہ ہی سوال ان سے بھی کر ڈالا۔
''بیماری بڑی پرانی ہے بیٹا۔ بار بار حملہ آور ہوتی ہے۔ ہر بار میں اسے پچھاڑ دیتی ہوں لیکن وہ اگلی بار پہلے سے زیادہ طاقتور ہو کر حملہ کرتی ہے اور اب تمہاری نانو بہت بوڑھی اور کمزور ہو گئی ہیں لگتا ہے اس بار یہ جنگ میں جیت نہ پاؤں گی۔''
وہ تھکے ہوئے انداز میں مسکرائی تھیں۔
نورالہدیٰ نے متوحش ہو کر انہیں دیکھا۔
''میں کینسر سروائیور ہوں بیٹا اور میرے معالج دوسرے مریضوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے ہمیشہ میری مثال دیتے تھے لیکن اب میں یہ جنگ لڑتے لڑتے تھک چکی ہوں اور تھکا ہوا سپاہی جلد ہار مان لیتا ہے۔''
ان کی بات سن کر وہ ساکت رہ گئی تھی۔
''آپ نے کبھی مجھے بتایا کیوں نہیں؟'' کچھ دیر بعد اس کی سرسراتی آواز نکلی تھی۔
''مجھے اپنے دکھوں کا اشتہار لگانا کبھی پسند نہیں رہا۔ نہ ہی لوگوں کی ترحم آمیز نگاہوں کا سامنا کرنا آسان لگتا ہے بس اسی لیے میرے اپنے ہی میری بیماری سے واقف تھے۔'' وہ یاسیت بھرے انداز میں مسکرائی تھیں۔
''میں آپ کی اپنی نہیں ہوں نانو۔'' اسے ان کی بات سن کر تکلیف ہوئی۔
''اپنی ہو اسی لیے تو بتا رہی ہوں اب تمہاری نانو کے پاس زیادہ مہلت نہیں بچی۔ عظام میرے سامنے ڈاکٹر کے ساتھ میری رپورٹس ڈسکس کرنے سے ہچکچا رہا تھا لیکن زیادہ پڑھا لکھا ہونے کا نقصان یہ ہے کہ مجھے اپنی رپورٹس پڑھ کر خود ہی مرض کی سنگینی کا احساس ہو گیا ہے۔ وہ بہت پریشان ہے۔ اسے سمجھانا تمہارا کام ہے، اس دنیا میں جو آیا ہے اسے جانا ہے عمر خضر کون لکھوا کر لایا ہے اور ویسے بھی اللہ نے اس مختصر زندگی میں ہر نعمت سے نوازا ہے۔ بس اللہ ایمان اور عافیت کے ساتھ آخری منزل آسان کرے، تم میرے لیے بس یہ دعا کرنا۔''
''میں اللہ سے خوب دعا کروں گی آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی، پلیز ایسی باتیں مت کریں۔'' وہ ان کا ہاتھ تھام کر سسک پڑی تھی۔
''عظام کو حوصلہ دینے کے لیے تمہیں خود کو مضبوط بنانا ہوگا میری بچی!'' انہوں نے اسے شفقت بھرے انداز میں مخاطب کیا۔
نورالہدیٰ خود کو کیا مضبوط بناتی۔ وہ ان کی تسلی کے لیے اثبات میں سر ہلاتی آنسوؤں پر بند باندھ گئی مگر ذرا دیر بعد جب وہ ان کے لیے سوپ بنانے کچن میں گئی تو برداشت جواب دے گئی۔ یہ شفیق سی ہستی زندگی موت کی کشمکش میں مبتلا ہے اسے کب خبر تھی، اس کے اعصاب اتنے مضبوط نہیں تھے کہ اس شاک کو برداشت کر سکتے۔ الماس کچن میں آئیں تو اسے روتا دیکھ کر چونک گئیں۔
''کیا ہوا ہے تمہیں؟ اپنے گھر سے کب لوٹیں۔ سب خیریت ہے ناں وہاں؟'' انہوں نے حیرانی سے استفسار کیا۔
''جی!'' اس نے بدقت سر ہلایا مگر آنسو پھر بہنے لگے۔''
''میں نانو کے لیے پریشان تھی۔'' الماس کی حیران نگاہیں خود پر مرکوز پا کر اسے وضاحت دینی پڑی تھی۔
''کیا ہوا ہے ممی کو۔'' وہ بری طرح پریشان ہوئیں اور پھر نورالہدیٰ کے جواب کا انتظار کیے بنا تیزی سے باہر نکلی تھیں۔ اب ان کا رخ ماں کے کمرے کی جانب تھا۔

☆☆☆

''عظام تمہیں کیا بتاتا۔ رپورٹس کل ہی آئی ہیں الماس۔'' وہ بیٹی کو وضاحت دیتے دیتے گویا تھک سی گئیں۔

"مجھے میری ماں کی بیماری کی اطلاع ایک غیر لڑکی سے مل رہی ہے آپ نے عظام کو ہمیشہ مجھ پر فوقیت دی۔ میں نے یہ حقیقت قبول کر لی لیکن آپ کے لیے تو عظام کی بیوی بھی مجھ سے زیادہ اہم ہے۔ وہ کچن میں کھڑی آپ کے لیے آنسو بہا رہی ہے اور آپ کی اپنی بیٹی ایک پرسکون نیند اور شاور لینے کے بعد ملازمہ سے ناشتے کا کہنے کچن میں گئی۔ میں آپ کے لیے پریشان ہی ہو سکوں کم از کم مجھ سے یہ حق تو نہ چھینیں۔" وہ آب دیدہ ہو کر شکوہ کر رہی تھیں۔

"تمہاری ماں، تمہارے گھر کے ہی ایک کمرے میں مقیم ہے الماس اور تمہاری شکل دیکھے مجھے کئی کئی دن بیت جاتے ہیں۔ پھر بھی شکوہ تمہارے لبوں پر ہی ہے۔ تمہیں ساری عمر مجھ سے بہت شکوے رہے ہیں۔ اب میرے ساتھ یہ شکوے بھی دم توڑ جائیں گے۔" وہ افسردگی سے بولیں۔

"ہاں میری کوتاہی ہے میں آپ کے لیے وقت نہیں نکال پاتی۔ لیکن آپ کی پچھلی رپورٹس تو بالکل ٹھیک تھیں پھر یہ آنا فانا کیا ہو گیا۔ عظام نے ڈاکٹرز سے پوچھا نہیں وہ کیا کہتے ہیں۔ اگر ڈاکٹرز اجازت دیں تو ہم باہر چلیں گے آپ بالکل ٹھیک ہو جائیں گی ممی۔" الماس نے جیسے ان سے زیادہ خود کو تسلی دی۔

وہ ان کی بات پر ایسے مسکرائی تھیں جیسے کسی بچے کی بات پر مسکرایا جاتا ہے۔

"میں مانتی ہوں میں آپ کی بری بیٹی ہوں لیکن آپ تو میری اچھی ماں ہیں ناں۔ پلیز میری کوتاہیوں کو معاف کر دیں۔ میں خود آپ کے ڈاکٹرز سے بات کروں گی۔ آپ اپنی رپورٹس دکھائیے مجھے۔ یوں اچانک ایسی سیریس کنڈیشن تک بات کیسے جا سکتی ہے۔ مجھے یقین نہیں آ رہا۔"

الماس حقیقت تسلیم کرنے سے انکاری تھیں۔ مسز عالم بے بسی سے مسکرا کر رہ گئیں۔ ایک مدت بعد بیٹی ماں کے لیے بے قراری کا اظہار کر رہی تھی لیکن وہ جانتی تھیں اب اس کا کوئی فائدہ نہیں۔ ایک گہری سانس کھینچ کر وہ اسے تسلی دینے لگی تھیں۔

☆☆☆

نور الہدیٰ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ عظام کو کیسے تسلی دے، وہ نانو کی طبیعت کی وجہ سے بے حد پریشان تھا۔ آفس جانا تقریباً ختم کر دیا تھا۔ زیادہ وقت مسز عالم کے ساتھ گزارتا۔ ان کی ٹریٹمنٹ شروع ہو چکی تھی۔

بڑھاپے کی وجہ سے ڈاکٹرز نے کیموتھراپی اور ریڈیوتھراپی کا آپشن مسترد کر دیا تھا۔ زیادہ دوائیاں درد کے خاتمے کے لیے تھیں ڈاکٹرز اب ان کے بارے میں زیادہ پرامید نہ تھے۔

نور الہدیٰ سب کچھ بھول بھال کر فقط ان کی خدمت پر ہی کمر بستہ رہتی۔ نانو اپنی بیماری کی حقیقت جان لینے کے بعد حیرت انگیز طور پر پرسکون ہو چکی تھیں۔ الماس بھی دن کا بیشتر وقت ماں کے ساتھ گزارتیں۔

"میرے سب پیارے میری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ اس سے زیادہ خوب صورت موت کیا ہو گی۔" وہ مسکرا کر کہتیں اور پیاروں کا دل کٹ کر رہ جاتا۔

عظام انہیں ہاسپٹل لے جاتا تو الماس بھی ساتھ جاتیں اور وہ ایسا ہی دن تھا جب ملازمہ نے نور الہدیٰ کو عظام کی خالہ کے آنے کی اطلاع دی۔

"عظام کی خالہ!" نور الہدیٰ ملازمہ کے منہ سے یہ بات سن کر جی بھر کر حیران ہوئی۔ ڈرائنگ روم میں گئی تو خوب صورت نقوش والی بے تحاشا ماڈرن درمیانی عمر کی خاتون سامنے صوفے پر براجمان تھیں۔ نور الہدیٰ جانتی تھی کہ نانو کی فقط ایک بیٹی الماس ہی ہیں وہ ان خاتون کو الماس کی کوئی کزن سمجھی تھی۔

"ممی اور عظام تو نانو کے ساتھ ہاسپٹل گئے ہیں۔" اس نے سلام دعا کے بعد انہیں آگاہ کیا تھا۔

"مجھے تو فقط عظام سے ملنا تھا۔ میں ہفتہ پہلے ہی یو کے سے آئی تھی آج رات کی میری واپسی کی

pklibrary.com

فلائٹ ہے۔ پچھلی بار پانچ سال پہلے آئی تھی جب بھی عظام سے ملاقات نہ ہو پائی وہ جب خود فارن ٹرپ پر تھا۔ سوچا اس بار اپنی جیا کی نشانی سے مل لوں پھر جانے کب پاکستان آنا ہو۔"

"جیا۔" نورالہدیٰ نے حیرت سے ان کے لبوں سے نکلا نام دہرایا۔

"جویریہ عظام کی مرحومہ ماں ہم اسے پیار سے جیا کہتے تھے۔ عظام نے تمہیں کبھی ماں کی تصویر نہیں دکھائی وہ ہو بہو ماں پر ہی گیا ہے۔"

خاتون اپنی ہی دھن میں بول رہی تھیں اور نورالہدیٰ پر گویا حیرت کے ساتوں آسمان ٹوٹ پڑے۔

"آپ کیا کہہ رہی ہیں۔ عظام کی ماں تو ممی ہیں۔" اس نے بے یقینی سے انہیں جھٹلایا۔

"اس کی اسٹیپ مدر کی بات کر رہی ہو۔ کیا نام ہے اس کا ہاں شاید الماس۔" انہوں نے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"عظام پانچ سال کا تھا جب جیا کی ڈیتھ ہوئی تھی۔ جہانگیر بھائی نے محض چھ ماہ بعد ہی دوسری شادی کر لی تھی۔ خیر ہمیں اعتراض کا حق نہیں، ان کے سامنے پوری زندگی پڑی تھی۔ دوسری شادی ان کا حق تھا پھر عظام بھی اپنی سوتیلی نانی سے بہت اٹیچڈ ہو گیا تھا ہمارے دل کو اس کی طرف سے اطمینان تھا ویسے بھی جیا کے علاوہ ہم سب بہن بھائی یو کے سیٹلڈ تھے۔ کوئی شادی کر کے جا بسا تو کسی کو روزگار باہر لے گیا بس ہماری جیا تھی جس کا آخری ٹھکانا بھی یہاں بنا۔ یہ ہماری کوتاہی کہ ہم اس کے بعد عظام سے ویسا رابطہ نہ رکھ پائے جیسے رکھنا چاہیے تھا۔ لیکن میں تو جب جب بھی پاکستان آئی عظام سے ملنے ضرور آئی۔"

وہ خود ہی وضاحت پیش کرنے میں لگی ہوئی تھیں اور نورالہدیٰ تو بس حیرت سے آنکھیں پھاڑے ان کے انکشاف سن رہی تھی۔

"عظام تو ایسا بے مروت نکلا کہ اپنی شادی کا بتایا تک نہیں۔ اسے کہوں گی تمہیں لے کر باہر کا چکر لگائے۔ اس کا سارا ننھیال تو وہاں ہی ہے ناں۔ ویسے کب شادی ہوئی تم دونوں کی؟" انہوں نے اچانک پوچھا۔

"جی ابھی چند ماہ ہی ہوئے ہیں۔" نورالہدیٰ نے اپنی حیرت پر قابو پاتے ہوئے قدرے سنبھل کر جواب دیا۔

"ماشاءاللہ عظام لکی ہے جو تم جیسی پیاری بیوی ملی، اچھا اس سے رابطہ تو کرو۔ پوچھو کب تک آئے گا۔ آج ویسے بھی میری واپسی ہے بڑی ہیکٹک روٹین ہے آج کی۔ میں پھر بھی فرصت نکال کر آئی ہوں۔"

"جی میں پوچھ کر بتاتی ہوں۔" وہ اپنا موبائل اٹھانے کمرے کی طرف بڑھی پھر واپس باہر جاتے جاتے رک کر وہیں کھڑے ہو کر کال ملائی۔

"آپ کی خالہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔ پوچھ رہی ہیں آپ کب تک واپس آئیں گے۔" نورالہدیٰ نے پوچھا۔ اسے گمان تھا کہ عظام حیرت سے پوچھے گا کون سی خالہ بلکہ وہ خود کو اس کی ممکنہ ڈانٹ کے لیے بھی تیار کرنے لگی۔ وہ عورت کوئی نوسرباز ہی نہ ہو یہ خدشہ تو فون ملاتے ستایا تھا۔

"کون فری خالہ؟" عظام نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"میں نے نام نہیں پوچھا۔ یو کے سے آئی ہیں اور آج رات ان کی واپسی ہے۔" اس نے سپاٹ سے انداز میں تفصیل بتائی۔

"تم ان کی فلائٹ کا ٹائم پوچھ لو۔ بتا دو ابھی ہمیں آنے میں دیر ہے میں ایئرپورٹ جا کر ان سے مل لوں گا۔" عظام نے مختصر سا پیغام دے کر رابطہ منقطع کر دیا۔ نورالہدیٰ نے اس کی خالہ تک پیغام پہنچا دیا۔

"چلو اچھی بات ہے ملاقات ہو ہی جائے گی۔" انہوں نے فلائٹ شیڈول سے آگاہ کرنے

کے بعد واپسی کی راہ لی۔ نورالہدیٰ نے آداب میزبانی نبھانے چاہے مگر وہ پیار سے اس کے گال تھپتھپا کر اپنی مصروفیت کا عذر پیش کرتی اسی وقت واپس چلی گئی تھیں۔

☆☆☆

نورالہدیٰ اگلے دو، تین دن تک منتظر ہی رہی کہ عظام اس بارے میں اس سے کوئی بات کرے گا۔ اس نے اپنے سوتیلے رشتوں کی حقیقت سے اسے کبھی آگاہ کیوں نہ کیا وہ اس کی جانب سے اس وضاحت کی منتظر ہی رہی لیکن شاید اس کی نگاہ میں نورالہدیٰ کی کوئی وقعت اور حیثیت تھی ہی نہیں۔ وہ آج کل اسے خود سے بہت دور لگنے لگا تھا۔ گمبھیر سنجیدگی اس کے وجود کا احاطہ کیے رکھتی اور نورالہدیٰ کو کوئی روٹین کی بات کرنے کے لیے بھی اسے مخاطب کرنا ہوتا تو اپنی ہمت مجتمع کرنی پڑتی، عظام کو تو اندازہ تک نہ تھا کہ وہ کس ذہنی کرب سے گزر رہی ہے لیکن نانو سے اس کی پژمردگی چھپی نہ رہ پائی تھی۔

"کیا بات ہے نورالہدیٰ! کس وجہ سے اتنی پریشان ہو؟" انہوں نے اسے محبت سے مخاطب کیا۔

الماس نے بھی نگاہیں اٹھا کر اسے دیکھا وہ آج کل زیادہ وقت ماں کے ساتھ گزارتیں۔ اس لڑکی کی اپنی ماں سے قربت اب انہیں زیادہ نہ کھلتی۔ وہ جس محبت اور بے لوث طریقے سے ہر گھڑی ان کی خدمت پر کمر بستہ رہتی وہ جذبہ نظر انداز کرنے کے قابل نہ تھا۔

"بس آپ جلدی سے اچھی ہو جائیں نانو! مجھے آپ کی بہت ضرورت ہے۔" اس کی آنکھیں ڈبڈبا گئی تھیں۔

"میں ابھی تو ہوں ناں تمہارے پاس بتاؤ کیا مسئلہ ہے کیا عظام نے کچھ کہا؟" وہ پوچھ رہی تھیں۔

نورالہدیٰ نفی میں سر ہلاتے ہوئے آنسو پونچھنے لگی۔

"آج ممی کی نرس دیر سے پہنچے گی۔ اس کا ابھی میرے پاس فون آیا تھا۔ جب تک وہ نہیں آتی تم یہاں رکنا۔ مجھے ایک ضروری کام سے جانا ہے واپسی میں ٹائم لگے گا۔" الماس نے نورالہدیٰ کو مخاطب کیا۔ پتا نہیں انہیں واقعی ضروری کام آن پڑا تھا یا وہ ماں اور بہو کو بات کرنے کا موقعہ دینا چاہتی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد نانو نے اسے اپنے قریب بلا کر پیار سے اس کی پریشانی کی وجہ دریافت کی۔

"عظام آپ کے سوتیلے نواسے ہیں نانو۔" آخر اس نے جی کڑا کر کے پوچھ ہی ڈالا۔

"جس تعلق اور رشتے کی بنیاد محبت پر قائم ہو بیٹا اس میں سگا، سوتیلا ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر تم اس وجہ سے رنجیدہ ہو کہ عظام نے تم سے یہ حقیقت چھپائی تو تمہارا شکوہ بنتا ہے۔ بیوی ہونے کے ناتے تمہیں اس کی زندگی کے ہر گوشے کا علم ہونا چاہیے۔" وہ نرمی سے بولیں نورالہدیٰ خاموشی سے لب کچلتی رہی۔

وہ بستر مرگ پر پڑی اس شفیق ہستی کو یہ بتا کر کیسے پریشان کرتی کہ عظام کی زندگی میں اسے سرے سے کوئی حیثیت حاصل ہی نہیں ہے۔ وہ ایک چھت تلے دو اجنبیوں کی حیثیت سے زندگی گزار رہے ہیں۔ اپنائیت کا وہ رشتہ جو عظام نے شروع شروع میں قائم کرنے کی کوشش کی تھی وہ بھی کب کا دم توڑ چکا ہے۔ وہ اس سے قطعی لاتعلق ہو چکا تھا۔ نورالہدیٰ کو اپنے رشتے کی ناپائیداری کا بخوبی احساس تھا لیکن وہ اس دل کا کیا کرتی جو عظام کے نام پر دھڑکنا سیکھ چکا تھا۔

اس سے دور جانے کا تصور کرتے ہی اس کا دم رکنے لگتا۔ کبھی کبھی اسے لگتا کہ وہ نانو کی صحت یابی کے لیے اللہ کے حضور گڑگڑاتی ہے تو شاید اس میں اس کی اپنی غرض پوشیدہ ہے اگر انہیں خدانخواستہ کچھ ہو جاتا تو جانے عظام اور اس کے رشتے کا مستقبل کیا ہوتا۔

"الماس میری اکلوتی بیٹی تھی۔ اس کا باپ بے پناہ دولت مند تھا لیکن وہ ہر اس اخلاقی برائی میں مبتلا تھا جو کسی بھی بگڑے رئیس زادے میں ہوتی ہیں۔" نانو نے اسے قریب بٹھا کر ڈھیرے ڈھیرے اپنی داستان حیات سنانے کا آغاز کیا۔ وہ داستان جس کا

pklibrary.com

ایک باب عظام کے نام کا تھا۔

☆☆☆

شوہر سے علیحدگی کے بعد ان کی بیٹی ہمیشہ ان سے شاکی رہی وہ عیش وعشرت جو اسے باپ کے گھر حاصل ہو سکتا تھا ماں کے فیصلے کی وجہ سے اسے اس سے محروم ہونا پڑا۔

روزینہ نے طلاق لینے کے بجائے محض علیحدہ ہونے پر اکتفا کیا تھا۔ شوہر کا نام ساری زندگی ان کے نام کے ساتھ جڑا رہا لیکن شوہر نے ان کے ساتھ بیٹی کو بھی اپنی زندگی سے خارج کر دیا تھا۔

ان کی زندگی سخت جدوجہد سے عبارت رہی تھی۔ الماس کو بہترین زندگی فراہم کرنے کے لیے انہوں نے مقدور بھر کوشش کی لیکن اس کے خوابوں کی پرواز بہت بلند تھی۔ زندگی کی شاہراہ پر اسے جہانگیر احمد ٹکرا گئے۔ ایک پانچ سالہ بچے کے باپ، جس کی ماں کچھ عرصہ پہلے ہی اللہ کو پیاری ہو گئی تھی۔ جہانگیر احمد کے اسٹیٹس نے الماس کو اتنا متاثر کیا کہ وہ اس کی طرف سے شادی کے پروپوزل پر فوراً ہامی بھر بیٹھی۔ انہوں نے بیٹی کو سمجھانے کی بہت کوشش کی جانتی تھیں کہ وہ جہانگیر احمد کی بیوی تو بن جائے گی لیکن کبھی اس کے بیٹے کی ماں نہ بن پائے گی اور وہ ہی ہوا جس کا انہیں خدشہ تھا۔

ساڑھے پانچ برس کا عظام جو ماں کو کھونے کے بعد ویسے ہی بہت سہا سہا رہتا تھا اب باپ کی شفقت سے بھی محروم رہنے لگا۔

"الماس کو زندگی سے وہ سب مل گیا تھا جس کی وہ خواہش مند تھی جہانگیر احمد بھی کم عمر اور حسین ترین بیوی پا کر بہت مسرور تھے دونوں میاں بیوی نئے رشتے میں مگن ہو کر عظام کو بالکل ہی فراموش کیے ہوئے تھے۔ سیر سپاٹے، لنچ، ڈنر اور اب تو الماس نے شوہر کے ساتھ اس کا آفس بھی جوائن کر لیا تھا۔ وہ دونوں ایک دوسرے کے سنگ بہت خوش تھے۔

الماس ماں کو یار بار جتاتی کہ جس فیصلے سے وہ اسے باز رکھنا چاہتی تھیں اس فیصلے نے اسے زندگی کی تمام مسرتوں سے ہمکنار کر دیا ہے وہ ماں سے اصرار کرتی کہ وہ اب اس کے ساتھ چل کر رہیں۔ جہانگیر احمد بھی کئی بار ان سے یہ بات کر چکے تھے۔

وہ ہر بار بیٹی کی خواہش اور داماد کے خلوص بھرے اصرار پر سہولت سے معذرت کر لیتیں لیکن کبھی کبھار الماس کی طرف چکر ضرور لگاتیں اور اس کی بڑی وجہ اس وسیع وعریض گھر کے ایک گوشے میں موجود وہ سہا سہا وجود ہوتا جو بہت تھوڑے وقت میں ان کے دل کے بہت قریب ہو گیا تھا۔

جہانگیر احمد نے عظام کو فقط ایک بار بتایا تھا کہ وہ اس کی نانو ہیں اور اب جب بھی وہ وہاں جاتیں تو وہ انہیں اپنا منتظر ملتا۔ ان کی محبت، شفقت اور اپنائیت پا کر وہ کھل اٹھتا تھا۔

دوسروں کے لیے کم گو سا بچہ ان کے ساتھ ڈھیروں باتیں کرنے لگا تھا اور پھر وہ ایسا ہی دن تھا وہ عظام کے لیے اس کی پسند کا کھلونا لے کر گھر گئیں۔ الماس اور جہانگیر دونوں ہی گھر پر موجود نہ تھے۔

گھر کا نیا خانساماں جو شکل سے بہت شریف اور مسکین نظر آتا تھا اپنے مذموم ارادوں کی تکمیل کے لیے عظام کے کمرے میں موجود تھا اگر وہ اس وقت وہاں نہ پہنچتیں تو جانے وہ معصوم فرشتہ کس اذیت ناک صورت حال سے دوچار ہوتا۔ خانساماں تو موقع سے فرار ہو گیا لیکن عظام ان سے لپٹ کر بلک بلک کر رویا۔

"یہ انکل بہت دنوں سے مجھ سے عجیب عجیب باتیں کرتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر یہ کسی اور کو بتائیں تو سبزی کاٹنے والی چھری سے وہ میری گردن کاٹ دیں گے اور آج تو وہ میرے کمرے میں ہی گھس گئے تھے۔

پلیز نانو آپ مجھے چھوڑ کر واپس نہ جائیں ورنہ میں بھی آپ کے ساتھ ہی چلوں، گا نئی ممی مجھے بالکل پیار نہیں کرتیں اور ڈیڈی سارا وقت ان ہی کے ساتھ سپنڈ کرتے ہیں۔" وہ ان سے چمٹ کر بار بار ایک ہی بات دوہرائے جا رہا تھا۔ الماس کی ضد نے

pklibrary.com

انہیں قائل نہ کیا کہیں عظام کی التجا کے سامنے وہ ہار گئیں۔

وہ یہاں آ کر رہنے لگی تھیں۔ عظام ایک پل کے لیے ان سے جدا ہونا گوارا نہ کرتا۔ وہ اپنے اسکول کی چھٹی کے بعد ان کے اسکول کے باہر گاڑی میں دو، دو گھنٹے ان کا انتظار کر لیتا لیکن اکیلے گھر نہ جاتا۔ اس کی خاطر دوسرے شہر تبادلہ ہونے پر انہوں نے ریٹائرمنٹ لینے کو ترجیح دی۔ وقت گزرتا گیا۔

کل کا سہا بچہ پر اعتماد جوان کا روپ دھار گیا تھا۔ اگر وہ نواسے پر جان چھڑکتی تھیں تو نواسا بھی ہر گھڑی ان کا دم بھرتا۔ اس کی زندگی کی ہر کامیابی کے پیچھے اس کی مشفق نانو کا وجود تھا۔

وہ ان کے لیے بے حد حساس تھا۔ الماس اور اس کے تعلقات میں بیتے برسوں میں خاص بہتری نہ آئی تھی وہ انہیں ممی کہہ کر مخاطب کر لیتا اور یہ ہی اس کے لیے بہت تھا لیکن الماس کی ماں اس کی زندگی کا سب سے قیمتی اثاثہ تھیں صرف ان کی خاطر اس نے بھی دنیا والوں کے سامنے الماس کے ساتھ اپنا حقیقی رشتہ پیش نہ کیا۔ وہ نانو کی بیٹی تھیں سو اس کی ممی ہوئیں اور بس بات ختم۔

اس کی زندگی تو نانو پر شروع ہو کر ان پر ہی ختم ہوتی تھی۔ ان ہی کی خواہش پر اس نے شادی کی ہامی بھری اور اب نورالہدیٰ اس کی زندگی کی خوب صورت حقیقت تھی۔

"صرف اس وجہ سے اس سے بدگمان مت ہو میری بچی کہ اس نے تمہیں ہمارے رشتے کی حقیقت سے بے خبر رکھا۔ یہ حقیقت خود اس کے لیے بے معنی ہے خدا گواہ ہے اگر الماس کی کوکھ سے کوئی بچہ جنم لیتا تو مجھے وہ بھی عظام سے کم عزیز ہوتا۔ یہ دل کے رشتے ہیں کسی کھوٹ، بناوٹ اور غرض سے پاک، ورنہ خود بتاؤ میرا اور تمہارا کیا رشتہ ہے۔ تم مجھے اتنے تھوڑے عرصے میں اتنی عزیز کیوں ہو گئی ہو اور میری طبیعت بگڑنے پر تم اتنی بدحواس کیوں ہوتی ہو۔ صرف تمہارے شوہر کی نانو ہی ہوں ناں لیکن میں جانتی ہوں میرے بعد وہ چند لوگ جن کی دعاؤں میں میں ہمیشہ شامل رہوں گی ان میں سے ایک تم بھی ہو گی۔"

وہ اس پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے مسکرائی تھیں۔

"پلیز جانے کی باتیں مت کیا کریں نانو۔" وہ ان سے چمٹ کر سسکیاں بھرنے لگی۔ مسز عالم محبت سے اس کی پشت ہولے ہولے سہلانے لگی تھیں۔

☆☆☆

"آپ کی یہ چند دن کی خدمت اس بے گانگی بھرے رویے کی تلافی کر سکتی ہے ممی! جو آپ نے ساری زندگی نانو کے ساتھ اپنایا۔" عظام چبھتے ہوئے انداز میں الماس سے مخاطب تھا۔

"میں نے اپنی ماں کے ساتھ جو بھی رویہ اپنایا میں تمہارے سامنے جوابدہ نہیں۔ وہ میری ماں اور میں ان کی بیٹی ہوں۔ یہ حقیقت دنیا کا کوئی شخص نہیں جھٹلا سکتا۔" الماس نے اسے سپاٹ انداز میں باور کروایا۔

"ٹھیک کہہ رہی ہیں مگر یہ حقیقت ساری زندگی آپ خود فراموش کیے رہی ہیں۔" وہ طنز سے باز نہ آیا۔

ناشتے کی میز پر موجود تیسرے گم صم وجود نے سہم کر عظام کو دیکھا۔ کس قدر کٹھور لگنے لگا تھا یہ شخص اس وقت نورالہدیٰ کو الماس پر ترس آیا تھا جو ہر بار کی طرح عظام کا طنزیہ وار سہہ کر محض اسے گھورنے پر ہی اکتفا کر پائی تھیں۔

"نورالہدیٰ تم نے بہت دن سے اپنے گھر کا چکر نہیں لگایا۔ جانا چاہتی ہو تو چلی جاؤ بلکہ جتنا مرضی عرصہ وہاں رہ لو۔ نانو کی خدمت کے لیے ان کے پاس آج کل ان کی بیٹی بھی ہوتی ہیں۔"

وہ جانے کیوں اتنا چڑچڑا اور تلخ ہو رہا تھا۔ اس کی بات سن کر نورالہدیٰ کا دل لرزنے لگا وہ اسے کیوں بھیج رہا تھا۔

"میں کہیں نہیں جاؤں گی۔" وہ منمنا کر یہ ہی کہہ پائی۔ "تمہاری دادی جان بھی ضعیف ہیں ان لوگوں کو بھی تمہاری ضرورت ہوتی ہے۔ یہاں

pklibrary.com

رہنا تمہاری مجبوری نہیں ہے پتا نہیں تمہیں یہ بات سمجھ میں کیوں نہیں آتی۔" اس نے اب توپوں کا رخ نورالہدیٰ کی طرف موڑ لیا۔

"جب اس نے کہہ دیا وہ نہیں جانا چاہتی تو کس حیثیت میں زبردستی کر رہے ہو۔ نورالہدیٰ تم سکون سے ناشتہ کرو۔ اس کی بات ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیا کرو۔ ممی کے لاڈ پیار نے اس کا دماغ ساتویں عرش پر پہنچا رکھا ہے۔ ماں سے بات کرنے کی تو کبھی تمیز تھی ہی نہیں اب بیوی کو بھی خوامخواہ کے تیور دکھا رہا ہے۔"

الماس نے عظام کو تیکھے تیوروں سے گھور کر نورالہدیٰ کو مخاطب کیا۔ نورالہدیٰ کے حلق میں نوالہ اٹکنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ آنسو پھسل کر گالوں کا رخ کرتے اس نے پانی کا گلاس لبوں سے لگا لیا۔

☆☆☆

نانو کی خطرناک بیماری کا آخری داؤ چلنے سے پہلے ہی ان کا دل دغا دے گیا۔ وہ پرسکون نیند سوتے سوتے ابدی نیند سو گئی تھیں۔ صدمہ بہت بڑا تھا لیکن زیادہ بڑا اس لیے بھی تھا کہ کوئی کسی کے کندھے پر سر رکھ کر آنسو بہانے کے لیے تیار نہ تھا۔

جہانگیر احمد بزنس ٹور پر باہر تھے وہ آخری رسومات میں بھی شریک نہ ہو پائے۔ الماس پتھرائے ہوئے وجود کے ساتھ اپنے کمرے میں گوشہ نشین ہو گئی تھیں۔ عظام کا سرد و سپاٹ انداز دیکھ کر کسی روبوٹ کا گمان ہوتا اور نورالہدیٰ کسی بے چین روح کی طرح گھر میں ادھر ادھر بھٹکتی رہتی۔ نانو کا بے آباد کمرہ اسے عجیب وحشت میں مبتلا کرتا۔ دل کی بے قراری بڑھتی تو وہ ان کے کمرے میں جا کر قرآن پاک کی تلاوت شروع کر دیتی۔

روز و شب گزرتے جا رہے تھے لیکن کوئی اس سوئے ہوئے محل میں رہنے والے لوگوں کے جسم سے سوئیاں نکالنے نہیں آ رہا تھا۔

"الماس بی بی کو کل شام سے تیز بخار ہے لیکن وہ دوا تک نہیں لے رہیں۔" ملازمہ نے ہی نورالہدیٰ کو بتایا تھا۔

نورالہدیٰ سن کر پریشان ہوئی لیکن ان کے کمرے میں جانے کی ہمت بھی نہ کر پا رہی تھی۔ اس گھر میں رہنے والے عجب بددماغ تھے۔ خلوص کا جواب انتہائی بدلحاظی سے بھی دے سکتے تھے لیکن دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر وہ ان کے پاس چلی گئی۔ حیرت انگیز طور پر انہوں نے اس کے کہنے پر کھانے کے دو چار نوالے بھی لیے پھر چپ چاپ دوا بھی لے لی......

نورالہدیٰ کی ہمت بندھ گئی تھی وہ دن میں کئی بار ذرا ذرا سی دیر کے لیے ان کے پاس جا بیٹھتی۔ ہر وقت نک سک سے تیار رہنے والی الماس اب پہچان میں نہ آتی تھیں۔

"پلیز ممی سنبھالیں خود کو، آپ نے اپنا کیا حال بنا لیا ہے۔ کپڑے بدلیں میں آپ کے بال بناتی ہوں بلکہ آپ کے بال ڈائی ہوئے بہت دن ہو گئے۔ سارے سفید بال واضح ہو رہے ہیں۔ ہیر کلر ہی کروا لیں۔"

وہ اب ان سے مخاطب ہونے کی ہمت کرنے لگی تھی۔

"میں ممی کی بری بیٹی تھی ناں کہتی تھیں کہ مجھ سے خفا نہیں مجھے معافی تک مانگنے نہ دیتی تھیں لیکن میں جانتی ہوں وہ دل میں مجھ سے خفا ہوں گی، ہے ناں نورالہدیٰ۔"

الماس نے گویا اس کی بات سنی ہی نہیں ان کے انداز پر وہ ذرا سہم گئی تھی کبھی کبھار اسے لگتا کہ ان کا ذہنی توازن بگڑنے لگا ہے۔

"لیکن سارا قصور میرا نہیں۔ ممی برابر کی قصوروار تھیں انہوں نے ہمیشہ اپنا سوچا۔ دنیا کی اور عورتیں بھی تو ہوتی ہیں جو ہر طرح کے شوہروں کے ساتھ نباہ کرتی ہیں۔ میری دادی، چاچی، تائی سب کے شوہر ویسے ہی تھے جیسا میرا باپ تھا۔ کوئی شوہر سے الگ نہ ہوا ـــ میرے بارے میں سوچا تک نہیں اور میرے باپ سے علیحدگی اختیار کر لی۔" وہ کھوئے کھوئے انداز میں بول رہی تھیں۔ نورالہدیٰ

pklibrary.com

نے انہیں تاسف سے دیکھا۔

''میں نے جہانگیر سے شادی کی تو ممی کی دعائیں میرے ساتھ نہ تھیں اور جب ماں کی دعا نہ ہو تو بیٹی کیسے خوش رہ سکتی ہے۔ جہانگیر کو اس کا ایک بیٹا ہی کافی تھا۔ اس نے مجھے ماں بننے کی اجازت ہی نہ دی۔ شادی کے کچھ عرصے بعد میں نے ماں بننے کی خواہش کا اظہار کیا تو جہانگیر نے اس شدت کے ساتھ میرا مطالبہ رد کر دیا کہ مجھے کبھی دوبارہ یہ بات کرنے کی ہمت ہی نہیں پڑی اور دنیا میں سب سمجھتے ہیں کہ جہانگیر سے بڑھ کر جان چھڑکنے والا شوہر اور کوئی نہیں۔'' وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی تھیں۔

''میں عظام کو اپنا کر اپنی ممتا کی تسکین کر لیتی لیکن وہ میری ممی کا بیٹا بن چکا تھا۔ ممی کے ہوتے ہوئے عظام کیسے مجھے ماں کا رتبہ دے سکتا تھا۔ بتاؤ ہوئی ناں ممی غاصب۔؟''

انہوں نے اس کی تائید چاہی نور الہدیٰ نے اپنے آنسو چھلکنے سے روکے۔ الماس کی ذہنی کیفیت بہت ابتر تھی۔

''لیکن شاید میں غلط ہوں، ممی ہی بہت اچھی تھیں بلکہ بہت عظیم تھیں ان جیسی ماں کی مجھ جیسی بیٹی نہیں ہونی چاہیے تھی۔ ان کی بیٹی تمہارے جیسی ہونی چاہیے تھی۔ تم اچھی ہو بہت اچھی۔''

''آپ بھی بہت اچھی ہیں ممی!'' اس نے ان کے ہاتھ تھامے۔

''جہانگیر کی وجہ سے مجھے اچھا بننا پڑتا ہے۔ میں ساری عمر خود کو جوان رکھنے کی کوشش میں ہلکان ہوتی رہی ہوں تمہیں پتا ہے میرے باپ کی طرح جہانگیر بھی بہت رنگین مزاج ہے، میں کسی وقت اسے اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔ بزنس ٹرپ ہو، آفس ورک یا بزنس میٹنگز میں ہر جگہ اس کے ساتھ سائے کی طرح رہتی ہوں لیکن اب میں تھک گئی۔ وہ اکیلا باہر جا رہا تھا۔ میں نے جانے دیا۔ شکر ہے عظام کی تربیت ممی نے کی ورنہ آج تم بھی میری طرح بیٹھ کر رو رہی ہوتیں۔''

الماس ہنستے ہوئے بولی تھیں اور اس بار نور الہدیٰ واقعی رو پڑی تھی۔

☆☆☆

''ممی کی ذہنی حالت بہت ابتر ہے انہیں کسی سائیکاٹرسٹ کو دکھانے کی ضرورت ہے۔'' وہ عظام سے مخاطب تھی۔

''وقتی صدمہ ہے ٹھیک ہو جائیں گی۔ نانو سے کب ان کی زیادہ اٹیچمنٹ تھی یہ تو ان کے آخری دنوں میں محبت کا ابال اٹھا تھا۔'' وہ لاپروائی سے بولا۔

''آپ انتہائی سخت دل شخص ہیں۔ ان کی حالت آپ کے سامنے ہے اور آپ وہ نظر انداز کر رہے ہیں۔ مجھے زیادہ معلومات نہیں ورنہ میں خود ہی کسی اچھے سائیکاٹرسٹ سے اپائنٹمنٹ لے لیتی آپ پلیز یہ مہربانی کر دیں۔ اپنی ماں سمجھ کر نہ سہی۔ نانو کی بیٹی جان کر ہی، نانو کے تو آپ کی ذات اور زندگی پر بے تحاشا احسانات ہیں ناں۔''

وہ الماس کی خاطر اس کٹھور شخص کی منت پر اتر آئی تھی عظام نے اسے تیکھے تیوروں سے گھورا تھا۔

''سائیکاٹرسٹ نہ سہی کوئی اچھا ڈاکٹر جو ان کے اعصاب کو پرسکون کرنے کے لیے کوئی دوا دے۔ وہ بہت اسٹریس میں ہیں۔ ڈیڈی ملک میں ہوتے تو اور بات تھی اور اگر نانو ہوتیں تو مجھے براہ راست آپ سے بات کرنے کی ضرورت ہی نہیں تھی، پلیز میری بات کو سیریس لیں۔ ممی کا چیک اپ بہت ضروری ہے۔''

''تمہاری تقریر مکمل ہو گئی یا کچھ اور کہنا باقی ہے؟'' عظام نے سرد و سپاٹ انداز میں پوچھا۔ نور الہدیٰ ایک لفظ بولے بنا وہاں سے چلی گئی۔ بے بسی، دکھ اور غصے کی ملی جلی کیفیات نے اسے اپنی لپیٹ میں لے لیا تھا۔ سب جانتے بوجھتے بھی وہ اس سے آس کیوں لگا لیتی تھی۔

اگلے روز عظام نے آفس پہنچ کر اسے فون کیا۔

''میں نے ڈاکٹر سے اپائنٹمنٹ لے لی ہے۔ شام چھ بجے کا ٹائم ملا ہے۔ ڈرائیور کو لوکیشن سینڈ کر دوں گا تم ممی کو ساتھ لے جانا۔''

وہ روکھے سے انداز میں مخاطب ہوا تھا۔ نور الہدیٰ نے بے یقینی سے اس کی بات سنی تھی۔
''میں ممی کو لے جاؤں۔'' حیرت کے دھچکے سے سنبھلتے ہوئے اس نے استفسار کیا۔
''ظاہر ہے کل تم نے مجھ سے یہ ہی بات کی تھی۔ میرا کام اپائنٹمنٹ لے کر دینا تھا۔ میں نے لے دی۔ آگے تم جانو تمہارا کام'' وہ بے نیازی بھرے انداز میں گویا ہوا۔ ''میں کیسے جاؤں گی میں تو خود بھی نزلہ، کھانسی کی دوا لینے اکیلے ڈاکٹر کے پاس نہیں گئی۔ پلیز آپ فرصت نکال کر آ جایئے گا۔''
نور الہدیٰ نے اس کا جواب سننے کی زحمت بھی نہ کی اور فوراً ہی اللہ حافظ کہتے ہوئے کال کاٹ دی۔ فون دوبارہ بجنے لگا۔ وہ پاگل نہیں تھی جو دوبارہ کال اٹینڈ کرتی۔ فون کو سائلنٹ موڈ پر لگا کر وہ ممی کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ ابھی انہیں ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے راضی کرنے کا مرحلہ باقی تھا۔

☆☆☆

نور الہدیٰ کا دماغ کہتا تھا کہ وہ شام کو مقررہ وقت پر گھر نہیں، آئے گا۔ دل کی گواہی متضاد تھی جیت دل کی ہی ہوتی وہ نہ صرف وقت پر گھر آ گیا بلکہ ان کا چیک اپ کروانے بھی لے گیا یہ اور بات کہ نور الہدیٰ کو مستقل اس کی قہر برساتی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا تھا۔
ڈھٹائی کبھی بھی نور الہدیٰ کی فطرت کا حصہ نہیں رہی تھی لیکن ان ماں بیٹے کے بیچ رشتوں کی خلیج پاٹنے کے لیے اسے ڈھٹائی اختیار کرنا پڑ رہی تھی۔ الماس نہ وقت پر دوا لیتی تھیں نہ ہی ٹھیک طرح سے کھانا کھاتی تھیں نور الہدیٰ کی ہدایت پر ملازمہ اس وقت ان کی روٹین سے آگاہ کرتی جب عظام بھی موجود ہوتا۔
''جب ممی کو بھوک لگے گی تو وہ کھا لیں گی صغریٰ! تم ٹینشن مت لو۔'' وہ لاپروائی سے ملازمہ کو جواب دیتی۔
''صغریٰ بتا رہی ہے کہ انہوں نے نہ تو رات کا کھانا کھایا، نہ ہی ناشتہ کیا۔ بنا کچھ کھائے دوا کیسے لیں گی؟'' عظام اس کے جواب پر اسے کھا جانے والی نگاہوں سے گھورتا۔
''وہ میری بات نہیں مانتیں آپ کوشش کر کے کیوں نہیں دیکھتے۔'' وہ ترنت جواب دیتی۔
کیوں عظام بے وقوف نہیں تھا جو اس کی چالاکیوں سے آگاہ نہ ہوتا لیکن ان چالاکیوں کا سدباب کیسے کرے اسے طریقہ نہ سوجھتا۔ لامحالہ اسے ہی الماس کی خبر گیری کرنا پڑتی وہ ان سے بات کرتے وقت اب بھی اتنا ہی اکھڑ اور بدلحاظ ہوتا لیکن ان کے کھانے پینے، سونے جاگنے کی ہر روٹین سے باخبر اور میڈیسن دینے کے معاملے میں سخت گیر رویہ اپناتا۔

☆☆☆

اب پتا نہیں یہ بیٹے کے احساس اور پروا کرنے کا کرشمہ تھا یا دوائیوں نے اپنا اثر دکھانا شروع کر دیا تھا، الماس کی ذہنی اور جسمانی صحت پہلے کی نسبت بہت بہتر تھی اور جب ان کی اپنی حالت سنبھلی تو انہوں نے دوسروں کی خبر گیری کرنا چاہی۔ سب سے پہلے نور الہدیٰ ان کے سوال جواب کی لپیٹ میں آئی۔
''تمہارے اور عظام کے بیچ کیا چل رہا ہے نور الہدیٰ۔'' انہوں نے اس سے تنہائی میں استفسار کیا۔
''ہمارے بیچ کیا چلنا ہے ممی کچھ بھی تو نہیں۔'' وہ دونوں اس وقت اسٹڈی میں تھیں اور نور الہدیٰ کتابوں کی ترتیب درست کر رہی تھی۔
''یہ وہ کتابیں ہیں جو نانو آخری دنوں میں مجھ سے سنتی تھیں۔ میں ان کو سب سے الگ کر کے رکھوں گی۔''
''مجھے میرے سوال کا جواب دو، چھوڑو یہ کتابیں میرے سامنے آ کر بیٹھو۔'' وہ اس کے

بات ٹالنے پر خفا ہوئیں۔ وہ خاموشی کے ساتھ ان کے سامنے بیٹھ گئی۔

"ممی کی زندگی میں بھی تم دونوں فقط ان کے سامنے ہی خوش باش کپل کا تاثر پیش کرتے تھے اور اب تو اداکاری کا وہ جواز بھی ختم ہو گیا مجھے سیدھے اور صاف لفظوں میں بتاؤ تم دونوں کا کیا مسئلہ ہے؟"

وہ اپنی عقابی نگاہیں اس پر گاڑے بیٹھی تھیں گویا سچ اگلوا کر دم لیں گی نور الہدیٰ کچھ لمحے خاموشی سے نظریں چرانے کی کوشش کرتی رہی پھر اس کی آنکھیں ڈبڈبانے لگیں۔ وہ یہ بوجھ سہتے سہتے خود بھی تھک چکی تھی۔ ممی خود پوچھ رہی تھیں تو وہ کیسے چھپا پاتی۔

"عظام اور میرے درمیان کچھ نہیں ہے ممی۔ وہ میرے جیسی لڑکی ڈیزرو ہی نہیں کرتے تھے۔ نانو کی وجہ سے انہوں نے مجھے اپنی زندگی میں شامل کیا اور یہ بات مجھے شادی کی اولین رات ہی پتا چل گئی تھی۔ میں نے آپ دونوں کی باتیں سن لی تھیں آپ مجھے عظام کے گلے میں پڑے ڈھول سے تشبیہ دے رہی تھیں اور عظام الٹا آپ کو مورد الزام ٹھہرا رہے تھے کہ انہیں آپ کی وجہ سے یہ ڈھول گلے میں لٹکانا پڑا ہے۔ میں کیسے زبردستی ان کی زندگی کا حصہ بنتی۔ تھوڑی بہت عزت نفس میں بھی تو رکھتی ہوں ناں۔" وہ بھرائے ہوئے لہجے میں اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔

"اوہ میرے خدا۔ کس قدر احمق لڑکی ہو تم۔" الماس نے اپنا سر ہاتھوں میں تھام لیا۔ وہ ان کے ردعمل پر چپکی سی رہ گئی۔

"شادی کی پہلی رات نہ سہی بعد میں تو تمہیں ہم ماں بیٹے کے تعلقات کی نوعیت کا اندازہ ہو گیا تھا ناں۔ وہ میری ہر بات کا الٹا جواب دینا اپنا فرض سمجھتا ہے اور تم ان بے بنیاد باتوں کو سینے سے لگائے بیٹھی رہیں۔" الماس کا بس نہ چل رہا تھا کہ اس احمق لڑکی کا کیا حشر نشر کر دیں۔

"سچ یہ ہی ہے کہ انہوں نے نانو کی خاطر مجھ سے شادی کی۔" نور الہدیٰ نے کمزور سے لہجے میں اپنا دفاع کرنے کی کوشش کی۔

"اگر ایسا تھا بھی نور الہدیٰ تو مجھے بتاؤ اس میں قابل اعتراض بات کیا تھی۔ ہاں تم سے شادی کا ایک جواز یہ بھی تھا۔ ان دنوں ممی کی ایک اٹینڈنٹ نے غیر ذمہ داری اور لاپروائی کی حد کر دی تھی۔ وہ تین چار دن تک بغیر چیک کیے ممی کو ایکسپائرڈ دوا دیتی رہی تھی دوسری نرس نے اس کی غلطی پکڑی، ممی کی طبیعت خاصی خراب ہوئی تھی۔ عظام ان دنوں مجھ پر بھی بہت بگڑا میرے گھر پر نہ ہونے کی وجہ سے سب ملازمین کو من مانی کی عادت پڑی ہوئی تھی، گھریلو ملازمین کی غیر ذمہ داری تو برداشت کی جا سکتی تھی لیکن وہ ممی کے معاملے میں بہت حساس تھا اس نے ایک سیدھی سادھی گھریلو لڑکی سے شادی کا فیصلہ اسی لیے کیا کہ وہ گھر اور گھر والوں کا خیال کرے گی لیکن اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ یہ شادی نبھانا نہیں چاہتا تھا۔

اس نے بہت سوچ سمجھ کر یہ فیصلہ کیا تھا۔ اور شادی کے وقت لڑکا ہو یا لڑکی دونوں کوئی نہ کوئی بنیاد بنا کر اس فیصلے پر پہنچتے ہیں ناں۔ کسی مرد کو خوب صورتی درکار ہوتی ہے۔ کوئی گھریلو لڑکی کو ترجیح دیتا ہے کسی کو کیرئیر وومن پسند آتی ہے تو کوئی اعلیٰ تعلیم یافتہ جیون ساتھی کا خواہش مند ہوتا ہے۔ لڑکی والے بھی تو لڑکے کی نوکری، گھر بار، شرافت جیسا کوئی نہ کوئی معیار سامنے رکھتے ہیں ناں تمہارے گھر والوں نے بھی رکھا ہوگا پھر میرے بیٹے کو اس فیصلے کے لیے مورد الزام کیوں ٹھہرایا تم نے؟" وہ یکلخت سخت گیر ساس کا روپ دھار چکی تھیں۔

"کیونکہ میں خود کو عظام کے قابل نہ سمجھتی تھی وہ ہر لحاظ سے مجھ سے بہت بہتر ہیں۔" نور الہدیٰ کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو گرنے لگے۔ "تو تمہیں چاہیے تھا تم اپنے احساس کمتری کا علاج

pklibrary.com

کرتیں عظام کو کس بات کی سزا دی۔ اسے شادی کے بعد بھی بیوی کی ذات سے کوئی سکھ نہ ملا کوئی اور مرد ہوتا تو تمہیں یوں من مانی کرنے کی اجازت نہ دیتا حد ہوتی ہے بے وقوفی کی۔"

"میں ان کی زندگی سے دور چلی جاؤں گی۔ وہ اپنے لیے اپنا من پسند جیون ساتھی ڈھونڈ لیں۔" وہ خود اذیتی کی انتہا پر تھی۔

"اگر تم نے اب بھی میلوڈی کوئین بننے کا ڈرامہ ختم نہ کیا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" الماس نے اسے درشتی سے ڈپٹا۔ وہ سوں سوں کر کے آنسو بہاتی رہی۔

"خوش قسمت ہو تم جو تمہیں عظام جیسا شوہر ملا۔ اس ہیرے کی قدر کرو۔ بدگمانی کی عینک اتار کر دیکھو تو تمہیں خود ہی اندازہ ہو جاتا کہ تمہیں دیکھ کر اس کی آنکھیں کیسے جگمگانے لگتی ہیں ضروری نہیں کہ ہر شوہر آئی لو یو کی تکرار کرے، بیوی کے پیچھے دم ہلاتا پھرے اور پھر صرف تمہاری ناک ہی تو اونچی نہیں وہ تم سے چار گنا بڑھ کر انا پسند ہے۔ تم سے بھی تمہارے التفات کی بھیک نہیں مانگے گا۔ ابھی بھی وقت ہے اپنی غلطی سدھار لو۔ اپنی بدگمانیوں پر اس سے معذرت کرو۔ بیوی ہو اس کی ہر طرح کا حق رکھتی ہو اس پر۔ لڑو جھگڑو، خفا ہو، روٹھو مگر لاتعلقی برت کر تم ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔ اسے کھو دو گی۔ ہر چیز کی ایک حد ہوتی ہے نور الہدیٰ۔ یہ غیر فطری رویے تمہارے رشتے کو دیمک کی طرح کھا جائیں گے۔ تم نے تو زندگی کو بھی کوئی فلم یا ڈرامہ سمجھ لیا تھا۔ مرد کے ضبط اور برداشت کو اتنا نہیں آزماتے احمق لڑکی۔" وہ اس کی عقل پر ماتم کر رہی تھیں۔

"سوری ممی۔" وہ کھسیا کر سوری ہی کہہ پائی۔ اس بار الماس فقط اسے گھور کر رہ گئیں۔

☆☆☆

"میں دو ہفتے کی میڈیسن لایا تھا ممی اور آپ نے بمشکل چار دن دوا لی ہے۔ ڈاکٹر کی سخت ہدایت تھی کہ طبیعت میں بہتری محسوس ہونے کے باوجود یکدم دوا لینی نہیں چھوڑنی۔ اس نے خود ہی ڈوز گھٹا دی تھی ناں۔ دوا بتدریج ختم کی جاتی ہے۔ پلیز ڈاکٹر کی بات مانیں اپنی مرضی مت چلایا کریں۔"

وہ ان پر خفا ہو رہا تھا۔ وہ اس کی خفگی کو خاطر میں لائے بغیر مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔

"مسکرانے کی وجہ جان سکتا ہوں۔ خدانخواستہ کہیں پھر سے تو دماغ پر اثر نہیں ہونے لگا۔" وہ طنز کرنے سے باز نہ آیا۔

"تمہیں پتا ہے عظام! تم مجھ سے جتنی مرضی بدلحاظی برت لو اور میں تم سے بے اعتنائی بھرا رویہ اپنائے رکھوں میں نے زندگی میں کبھی بھی تمہیں اپنا سوتیلا بیٹا نہیں سمجھا۔ تمہاری ہر کامیابی پر دنیا کے سامنے فخر سے گردن اکڑائے ہر کسی کی مبارک باد وصول کی۔ تم ہمیشہ میرے لیے میرا بیٹا ہی رہے۔ بدلحاظ مغرور، بدتمیز اور اکھڑ بیٹا جو ہمیشہ ماں سے شاکی اور نانی سے قریب رہا۔ دکھ اس بات کا تھا کہ تم نے اپنی زندگی کے کسی فیصلے میں مجھے شامل نہ کیا۔ نور الہدیٰ بھی تمہارا ایسا ہی فیصلہ تھی۔ میں تمہاری اس بے وقوفی پر سخت جھنجلائی تھی۔ وہ عام سی گھریلو لڑکی مجھے کبھی تمہارے قابل نہ لگی تھی لیکن اب میں نے جانا کہ تمہارا فیصلہ کتنا بہترین تھا۔ وہ لڑکی جتنی خوب صورت ہے اس سے ہزار گنا زیادہ اس کا دل خوب صورت ہے۔ کیا وجہ ہے کہ تم ابھی تک اپنی زندگی میں اس کا جائز مقام نہ دے پائے۔ وہ تمہارے لیے قدرت کا انمول تحفہ ہے۔ اس کی قدر کرو۔ وہ تمہاری لاتعلقی اور بے اعتنائی مزید نہیں سہہ سکتی۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس کا دماغی توازن بھی بگڑ جائے۔ ہر وقت گھر میں اداس روح کی طرح بوکھلائی چکرائی پھرتی ہے کوئی بات پوچھو تو خالی خالی آنکھوں سے یوں دیکھتی ہے جیسے بات سمجھ میں ہی نہیں آئی۔"

"کیا نور الہدیٰ نے کچھ کہا آپ سے؟"

عظام نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

"وہ بے چاری کیا کہے گی لیکن میں اندھی نہیں ہوں۔ اس کا شاداب چہرہ کملا کر رہ گیا ہے اس کی آنکھوں کے گرد حلقے اس کی بے خوابی کے گواہ ہیں۔ کھانے کی میز پر وہ صرف رسم پوری کرنے کو بیٹھتی ہے۔ خدا، رسول کو گواہ بنا کر اسے اس لیے زندگی میں شامل کیا تھا کہ اسے لاتعلقی کی مار مارو گے۔" وہ ڈپٹتے ہوئے پوچھ رہی تھیں۔

"آپ خود سے اندازے مت لگائیں شادی کے بعد میں نے اس کی بدگمانیاں ختم ہونے کی سر توڑ کوشش کی۔ اس کا ہر ممکن خیال رکھا۔ مگر کسی بھی طرح اس کے احمقانہ خدشات دور نہ کر پایا۔" عظام بے بس ہو کر بولا۔

"سب کچھ کر کے دیکھ لیا۔ اسے ایک بار بھی اپنی محبت کا یقین دلایا؟" الماس نے سنجیدگی سے استفسار کیا۔ عظام خاموش رہا تھا۔

"تم اس حد تک اپنی انا کے اسیر ہو گے مجھے اندازہ تک نہ تھا۔

لڑکیوں کا دل بہت نازک ہوتا ہے۔ وہ کم عقل اور بے وقوف بھی ہوتی ہیں لیکن تم جیسے عقل مند شخص مجھے اس بے وقوفی کی امید نہ تھی اگر اس سے محبت کرتے ہو تو اظہار کرنے کی جرات بھی پیدا کرو اور نہیں تو اسے آزاد کر دو۔ اس کی زندگی کو کھیل تماشا مت بناؤ۔" وہ از حد سنجیدہ تھیں۔ عظام بہت دیر تک خاموش بیٹھا رہا تھا پھر گہری سانس کھینچتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

"دوا یاد سے لے لیجیے گا۔" اس نے تاکید کی پھر جاتے جاتے مڑا۔

"ہاں ایک بات رہ گئی۔ میں نے اگر ساری زندگی آپ کو ممی کہا ہے تو صرف کہا ہی نہیں ممی سمجھا بھی ہے۔ بس آپ کی عادتوں سے اختلاف تھا اور امید ہے ہمیشہ رہے گا اور کبھی اس غلط فہمی میں مبتلا مت ہو جائیے گا کہ میں آپ کا تابع دار اور فرماں بردار بیٹا بن کر رہوں گا۔ شب بخیر۔" وہ بے نیازی سے کہتا کمرے سے نکل گیا تھا۔ الماس بھیگی پلکوں کے ساتھ مسکرا دی تھیں۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آیا تو نور الہدیٰ کو دیکھ کر چونکا۔ وہ یکسر بدلے ہوئے حلیے میں تھی۔ نیا ہیر کٹ، جدید تراش خراش کا سوٹ اور نو میک اپ لک کے ساتھ دمکتا ہوا چہرہ۔ پہلے کی نسبت وہ بہت کمزور ہو گئی تھی آنکھوں کے گرد حلقے کسی حد تک اب بھی نمایاں تھے لیکن اس سب کے باوجود وہ دل میں اترنے کی حد تک حسین اور دلکش لگ رہی تھی۔

"میں نے شام کو گھر پر فون کیا۔ پتا چلا تم اور ممی دونوں ہی گھر پر نہیں ہو۔ ممی کا فون بزی تھا اور تم تو شاید فون گھر پر ہی چھوڑ گئی تھیں۔"

عظام نے اس کے چہرے سے نگاہیں ہٹاتے ہوئے روٹین کے سے انداز میں پوچھا۔ اس کے کوئی نوٹس نہ لینے پر نور الہدیٰ کا چہرہ مرجھا سا گیا۔

"ممی مجھے اپنے ساتھ شاپنگ کروانے لے گئی تھیں۔" اس نے دھیرے سے بتایا۔

"اور شاپنگ کے بعد ممی یقیناً تمہیں اپنے ساتھ پارلر لے گئی ہوں گی۔" عظام نے اندازہ لگایا۔

"جی، میں تو منع کرتی رہ گئی لیکن ممی نے میری ایک نہ سنی۔" نور الہدیٰ نے جیسے اقرار جرم کیا۔

عظام نے اس کی بات سن کر مزید کوئی تبصرہ نہ کیا۔ وہ چینج کرنے کے لیے ڈریسنگ روم کی طرف بڑھ گیا۔ باہر نکلا تو وہ ہنوز اسی پوزیشن میں براجمان تھی۔

"کیا ہوا ہے نور الہدیٰ ایسے کیوں بیٹھی ہو۔" وہ پوچھے بنا نہ رہ پایا۔ نور الہدیٰ نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔

"میں آپ سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" وہ بہت وقت سے یہ فقرہ بولنے کی ہمت مجتمع کر پائی

تھی۔
"میں نے بھی تمہیں کچھ کہنا ہے۔" عظام اس کے قریب بیٹھتے ہوئے سنجیدگی سے بولا۔
"کہیے میں سن رہی ہوں۔" نورالہدیٰ کا دل کسی ممکنہ خدشے کے تحت لرز سا گیا۔
"نہیں پہلے تم کہو۔" اس نے فراخدلی دکھائی۔
"وہ کچھ بولنے سے پہلے تذبذب میں مبتلا ہوئی پھر آنکھیں موند کر جی کڑا کیا۔ جو وہ کہنے لگی تھی وہ عظام کی آنکھوں میں دیکھ کر نہیں کہہ سکتی تھی۔
"میں آپ سے اپنی تمام بدگمانیوں پر معافی چاہتی ہوں۔ آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ اپنی طرف سے یہ رشتہ نبھانے کی پوری کوشش کروں گی۔ آپ سے الگ ہونے کا تصور میرے لیے سوہان روح ہے۔ آپ مجھے اپنی پسند کے جس سانچے میں ڈھالنا چاہیں گے میں ڈھل جاؤں گی۔"
بات کرتے کرتے اس کی بند آنکھوں سے آنسو بہنے لگے تھے لیکن اس نے بہتے آنسوؤں کے ساتھ بھی اپنی بات جاری رکھی "میں نہیں جانتی میں کب، کیسے اور کیوں کر آپ کی محبت......"
"پلیز نورالہدیٰ چپ ہو جاؤ۔" عظام نے یکلخت اس کی بات کاٹی۔ وہ پل بھر سے پہلے خاموش ہوئی۔ آنسوؤں سے بھری آنکھوں کے ساتھ عظام کو دیکھا۔ اب یقیناً سب ختم ہو گیا تھا اس کٹھور شخص پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہ ہوا تھا۔ اپنے جذبوں کے یوں بے مول ہو جانے پر اس کا دل دھاڑیں مار کر رو رہا تھا۔
"اگر تم اظہار محبت میں بھی پہل کر دیتیں تو مجھے بہت تکلیف پہنچتی۔ یہ تمہارا حق ہے کہ تم میرے لبوں سے میری محبت کی حکایت سنو۔" وہ اس پر محبت بھری نگاہ ڈالتے ہوئے دھیرے مخاطب ہوا۔ "تمہیں تو نہیں معلوم کہ تم کب، کیوں اور کیسے میری محبت میں مبتلا ہوئیں لیکن مجھے ہر وہ لمحہ پوری جزئیات کے ساتھ یاد ہے جب تم بنا کوئی دستک دیے بے دھڑک میرے دل میں گھس کر پورے طمطراق کے ساتھ براجمان ہوئی تھیں۔" عظام نے پیار بھری سرگوشی کی تھی نورالہدیٰ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔
"یہ اظہار مجھے بہت پہلے کر دینا چاہیے تھا اور جہاں تک میری پسند کے سانچے میں ڈھلنے کی بات ہے تو تمہارا ہر روپ اور ہر انداز مجھے اپنا دیوانہ بنا لیتا ہے۔ چاہے یہ آج کی تمہاری ماڈرن لک ہو، بالکل عام سادہ سا گھریلو حلیہ یا پھر بھی سنوری سی کیک پیسٹری۔ تم پر ٹھہری ہر نگاہ میرے اندر اتنی ہلچل مچاتی ہے کہ میرے لیے خود کو لاتعلق پوز کرنا ایک دشوار ترین امر بن جاتا تھا۔"
عظام اظہار کرنے پر آیا تو اپنے دل کی ہر، ہر بے قراری سے پردہ اٹھاتا گیا۔
"پلیز عظام مجھے ایک ساتھ اتنی خوشی مت دیں کہ میرا دل دھڑکنا ہی رک جائے۔" وہ پھر سے رو پڑی تھی۔
"تم آنسوؤں میں اتنی خود کفیل کیسے ہو یار۔ جب دیکھو آنسو بہتے چلے آتے ہیں۔ اب میں تمہیں وارننگ دے رہا ہوں کہ ان آنکھوں میں دوبارہ آنسو دیکھے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔" وہ اس کے آنسو پونچھتے ہوئے قدرے ڈپٹ کر بولا۔
"آپ سے برا کوئی ہے بھی نہیں۔ کتنے اجنبی بن گئے تھے آپ مجھ سے، مسکرا کر مخاطب ہونا تو دور کی بات، نگاہ تک ڈالنی بھول گئے تھے۔ آپ کی لاتعلقی سے میں روز جلتی تھی روز مرتی تھی۔" وہ سسک کر شکوہ کیے بنا نہ رہ پائی۔
"اونہوں کس نے کہا نگاہ ڈالنی بھول گیا تھا۔ کہو تو بتا دوں پچھلے ایک ہفتے میں تم نے کس کس رنگ کا جوڑا پہنا ہے۔ کس روز بالوں کی چوٹی بنائی ہے۔ کس دن فقط بے ترتیب بالوں کو لپیٹ کر کیچر لگایا کب ائیر رنگز پہنے اور کب اتار کر رکھے ہیں۔ رات کس کروٹ پر سوتی ہو اور پوری رات میں کتنی

کروٹیں بدلتی ہو۔'' ''توبہ آپ سوتے وقت بھی مجھے تاڑتے تھے؟'' وہ جھینپ کر رہ گئی تھی۔

''صرف تاڑنے کی ہی تو اجازت دے رکھی تھی ظالم لڑکی؟'' وہ جیسے کراہا تھا۔

''ظالم نہیں بے وقوف!'' نورالہدیٰ نے اقرار جرم کے انداز میں اس کی تصحیح کی۔ ''اور ہاں یہ آپ نے مجھے ابھی کیک پیسٹری کہا۔ دوبارہ اس پیرائے میں تعریف کی تو میں واقعی خفا ہو جاؤں گی۔'' ایک دم سے خیال آیا تو وارننگ دی۔

''اچھا سوری یار۔ کل سے روز نانو کی اسٹڈی میں جاؤں گا۔ شاعری کی ڈھیروں کتابیں پڑی ہیں وہاں۔ روزانہ رات کو تمہیں ایک رومانٹک غزل سناؤں گا۔'' اس نے وعدہ کیا۔

''بس ایک غزل'' وہ مسکرائی۔

''نہیں تمہارے حسن کی شان میں خوب قلابے ملاؤں گا اور روز ایک نئے پیرائے میں اظہار محبت بھی کروں گا۔'' وہ بہت فراخدلی سے وعدے پر وعدہ کیے جارہا تھا۔ نورالہدیٰ جھینپ کر مسکرانے لگی۔

''بس یا کوئی اور یقین دہانی؟'' اس نے اس کی طرف جھکتے ہوئے پوچھا۔

نورالہدیٰ کے گالوں پر حیا کی سرخی چھا گئی تھی۔ نفی میں گردن ہلاتے ہلاتے اسے جیسے کچھ اور یاد آیا۔

''جی سب سے ضروری یقین دہانی تو باقی رہ گئی ہے۔ وعدہ کریں میری بات نہیں ٹالیں گے۔'' اس نے بہت آس سے اسے دیکھا۔

''خیر میں نے پہلے بھی آپ کی کوئی بات نہیں ٹالی ہے مادام لیکن آپ حکم کیجیے۔'' وہ فرماں برداری کی انتہاؤں پر تھا۔

نورالہدیٰ نے اس ڈرامے بازی پر اسے گھورنا چاہا۔

''آپ ممی سے بہت بدتمیزی کرتے ہیں کتنی بری بات ہے یہ خود سوچیں کل کو آپ کے بچے آپ سے اتنی بدلحاظی سے بات کریں تو آپ کو کیسا لگے گا۔'' نورالہدیٰ نے اسے احساس دلوانا چاہا۔

''بہت اچھا لگے گا۔'' وہ جانے کس دھن میں بولا۔

''مطلب؟ نورالہدیٰ نے حیرت سے آنکھیں پھاڑیں۔

''مطلب کل کو جب ہمارے بچے ہوں گے تمہیں مما، مجھے بابا بلائیں گے تو کتنا اچھا لگے گا یار۔'' وہ خوش ہوتے ہوئے بولا۔

''میں بچوں کی بدتمیزی کی بات کر رہی ہوں۔'' نورالہدیٰ قدرے خفا ہوئی۔

''تو انہیں تمیز سکھانا تمہاری ذمہ داری ہوگی ناں۔ مجھ سے کیا کہہ رہی ہو۔'' کس خوب صورتی سے اس نے بات گھمائی تھی۔

''کیوں جناب صرف میری ذمہ داری کیوں ہونے لگی۔ بچوں کی بہترین پرورش ماں اور باپ دونوں کی ذمہ داری ہوتی ہے۔'' وہ چمک کر بولی۔

''میرے پاس کب اتنی فرصت ہوگی۔ آدھے سے زیادہ دن تو میں آفس میں گزارتا ہوں۔ بچے تو تمہیں خود ہی سنبھالنے ہوں گے۔'' عظام نے پیشگی باور کروایا۔

''یعنی آپ آفس سے واپس آکر بھی بچے سنبھالنے میں میری مدد نہیں کریں گے۔''

''آفس سے واپسی پر میں بچوں کی ماں کو سنانے والی غزل یاد کروں گا یا انہیں سنبھالتا پھروں گا۔ حد کرتی ہو یار!'' وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا۔ اس بار نورالہدیٰ بھی ہنسی نہ روک پائی تھی۔

''یونہی ہنستی مسکراتی رہا کرو اور ہاں ممی کے اور میرے تعلقات کی ٹینشن لینے کی ضرورت نہیں یہ ماں بیٹے کا آپس کا معاملہ ہے۔'' وہ اس پر محبت پاش نگاہ ڈالتے ہوئے بولا تھا۔

''لیکن......'' نورالہدیٰ نے کچھ کہنے کو لب کھولنا چاہے مگر عظام کی جذبے لٹاتی مسکراتی نگاہوں کا سامنا نہ کر پائی۔ وہ بے ساختہ ہی نگاہیں جھکا گئی۔ چہرے پر حیا آلود مسکان بکھر گئی تھی۔

☆☆

عینا عمر خان

قصہ ایک سحری کا

"گل! گل اٹھو! اٹھو گل آنکھیں کھولو، جلدی اٹھو گل آنکھیں کھولو!"
گل نے مندی مندی آنکھیں کھولیں تو شوہر کا چہرہ نظر آیا اور اس چہرے کے جارحانہ تاثرات دیکھ کر اس کی آنکھیں پوری کی پوری کھل گئیں۔ تیرہ چودہ پندرہ سارے طبق روشن ہو گئے۔ "بھنگ پی کر سوئی

pklibrary.com

تھیں یا پھر گھوڑے گدھے سب کچھ بیچ کر سوئی تھیں۔ ٹائم دیکھو، کیا ہو رہا ہے۔" یزمان غصے سے بول رہا تھا۔

گل نے شوہر کے پیچھے دیوار پر لگی گھڑی کی طرف دیکھا۔ پانچ بج کر دس منٹ ہو رہے تھے۔

"دیکھو دیکھو کیا ٹائم ہو رہا ہے اذانیں ہو چکی ہیں سحری کا وقت کب کا ختم ہو چکا بغیر سحری کے روزہ رکھنا پڑے گا۔"

گل جلدی سے بیڈ سے نیچے اتری۔ مگر موبائل کہاں گیا الارم کیوں نہیں بجا۔ وہ پاگلوں کی طرح موبائل ڈھونڈنے لگی۔

بیڈ کے نیچے صوفوں کے نیچے، دونوں بچیاں آرام سے سوئی ہوئی تھیں اس نے احتیاط سے بیڈ کے اوپر چڑھ کر الماری کے اوپر بھی دیکھ لیا، موبائل کہیں نہیں تھا لائٹ بند کر کے وہ کمرے سے باہر آگئی۔ یزمان وضو کر رہا تھا۔ اسے دیکھتے ہی پھر شروع ہو گیا۔

"میں جب کسی کے منہ سے سنتا تھا کہ انہوں نے بغیر سحری کے روزہ رکھا ہے، تو میں حیران ہوتا تھا اب پتا چلا کہ تمہاری جیسی جس کی بیوی ہو وہی مرد بغیر سحری کے روزہ رکھتے ہیں۔"

گل نے کچن کا دروازہ کھولا صاف ستھرا کچن ہر چیز ٹھکانے پر سب کچھ تیار تھا۔ آٹا گوندھا ہوا تھا مٹی کی بڑی پلیٹ میں میٹھا دہی جما ہوا تھا۔ جو ہم لوگ گھر میں جماتے تھے رات کی تندور کی روٹی میٹھے دہی میں چوری کر کے وہ سب سحری میں شوق سے کھاتے تھے۔ رات کی روٹی بھی پڑی تھی اگر اذان سے پانچ منٹ پہلے بھی آنکھ کھل جاتی تو یزمان، دہی کے ساتھ روٹی کھا لیتا مگر قسمت میں جب نہ ہو تو کوئی کیسے کچھ کھا سکتا تھا۔

"تمہاری وجہ سے میں نے اپنی چالیس سالہ زندگی میں پہلی بار بغیر سحری کے روزہ رکھا ہے۔"

اب وہ تولیے سے منہ پونچھ رہا تھا مگر بڑبڑاہٹ ہنوز جاری تھی۔

"یزمان! آپ بلاوجہ غصہ کر رہے ہیں میں نے بھی تو بغیر سحری کے روزہ رکھا ہے۔"

"ہاں تو تمہارا ہی احسان ہے سزا تو تمہیں ملنی چاہیے کیسے تم اتنی بے فکر ہو کر سو سکتی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ میں افطاری میں کتنا کم کھاتا ہوں رات کو بھی کچھ نہیں کھایا کہ سحری میں نہیں کھایا جائے گا اور اب تمہاری مہربانی سے سحری بھی رہ گئی اب یہ پورا دن کیسے گزرے گا۔"

گل کی آنکھیں بھیگ گئیں۔ "یزمان دیکھیں پورا چک دہی جما ہوا ہے، روٹی بھی تندور کی پڑی ہے اگر اذان سے پانچ منٹ پہلے بھی آنکھ کھل جاتی تو آپ دہی کے ساتھ روٹی کھا لیتے اور پانی پی لیتے مگر یہ ہماری قسمت میں نہیں تھا۔ ان دانوں پر ہمارا نام نہیں لکھا تھا تو پھر ہم یہ کیسے کھا سکتے تھے۔"

"بس تم عورتوں سے باتیں کروا لو سب کچھ تھا نصیب میں اگر تم وقت پر اٹھ جاتیں تو۔"

یزمان نے تخت پر پڑی جاء نماز اٹھا کر زمین پر بچھائی اور نماز کے لیے کھڑا ہو گیا۔

"میں اس لیے نہیں اٹھی کہ اندر کمرے میں سو رہی تھی، اے سی لگا ہوا تھا کمرے کا دروازہ بند تھا مگر آپ تو باہر سو رہے تھے آپ کیوں نہیں اٹھے گلی میں کوئی نہ کوئی گزرتا ہے۔ ڈھول والا آتا ہے مؤذن بار بار وقت کم رہ جانے کا اعلان کرتا ہے پھر اذان کی آواز۔ آپ کیوں کسی بھی آواز پر نہیں اٹھے۔"

گل کا صبر تمام ہوا تو آخر بول پڑی۔

"دماغ مت خراب کرو میرا، ہٹو آگے سے۔"

یزمان غصے سے بولا اور سر جھٹک کر نیت باندھنے لگا۔

گل نے بھی سر جھٹکا اور وہاں سے ہٹ گئی کچن میں آ کر آٹا اور دہی اٹھا کر فریج میں رکھا کہ اب کس لیے پراٹھے بناتی۔

بھنا ہوا قیمہ فریج میں رکھا تھا، یزمان سحری میں پہلے دہی میں روٹی چوری کر کے کھاتا پھر پراٹھے کے ساتھ قیمہ اور چائے جبکہ گل دہی کم کھاتی تھی، وہ اپنے لیے سوکھا پراٹھا بناتی سالن کے ساتھ اور چائے تو ضروری تھی۔ سب کچھ تھا مگر ان کے نصیب میں نہیں تھا۔

pklibrary.com

گل نے فریج کا دروازہ بند کیا اور باہر آ گئی۔

باہر آ کر موبائل ڈھونڈنے لگی اسے پھر یاد آ گیا۔

"کہاں جا سکتا ہے موبائل۔" وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ جس چارپائی پر یزمان سویا ہوا تھا اس کا تکیہ اٹھایا تو موبائل وہاں پڑا تھا۔ یقیناً موبائل پر الارم بجا ہوگا مگر تکیے کے نیچے ہونے کی وجہ سے آواز دب گئی ہوگی۔ مگر موبائل یہاں آیا، کیسے اس نے تو الارم لگا کر موبائل اپنے ہاتھوں سے کمرے میں ٹیبل پر رکھا تھا۔

تھوڑا سا دماغ لڑایا تو ساری بات سمجھ میں آ گئی رات میں کہیں، ان کی چار سالہ بیٹی اٹھی ہوگی ٹیبل پر پڑا پاپا کا موبائل اٹھا کر پاپا کے پاس رکھ دیا، اپنے خیال میں تکیے کے نیچے اور خود واپس جا کر سو گئی ہوگی اب وہ معصوم کیا جانتی تھی کہ پاپا موبائل کا ان کے پاس رکھنے سے گھر میں کتنی پریشانی ہو گئی تھی۔

ایسا ہی ہوا ہوگا کیونکہ ایمان چھ سال کی تھی وہ سمجھ دار تھی، دعا چھوٹی تھی اور وہ باپ کی چیزیں باپ کے پیچھے لیے پھرتی رہتی تھی اگر کبھی گل یزمان کی چپل پہن لیتی تو وہ فوراً چپل اتروا تی کہ یہ پاپا کی چپل ہے، پاپا کی گھڑی، ٹوپی، رومال یہ سب چیزیں دعا ہی باپ کو دیتی تھی اور خوش ہوتی تھی۔

آج بھی اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔ گل نے موبائل اٹھا کر چارج پر لگا دیا اور خود وضو کرنے چلی گئی۔

☆☆☆

گل اور یزمان کی شادی کو دس سال ہو چکے تھے اس کی شادی کے دو سال بعد، چھوٹے دیور ذیشان کی شادی ہوئی تو وہ اپنی بیوی راحیلہ کے ساتھ اوپر والے پورشن میں رہنے لگا۔ اوپر دو کمرے تھے جبکہ نیچے والے پورشن میں تین کمرے تھے۔

گل نچلے پورشن، میں ساس سسر کے رہتی تھی پانچ سال پہلے جب سے چھوٹے اور آخری دیور ریحان کی شادی کا وقت آیا تو ساس کی خواہش تھی کہ یزمان اور گل اپنا بندوبست کہیں اور کر لیں کیونکہ ریحان کی ہونے والی بیوی ساس صاحبہ کی سگی بھانجی تھی اور وہ اپنی بھانجی کو اپنے ساتھ رکھنا چاہتی تھیں۔

(جبکہ گل سسر صاحب کی سگی بھانجی تھی) اب یہ یزمان کی قسمت تھی کہ بالکل ساتھ والے گھر میں رہنے والے صدیق صاحب، اپنی بیوی کے ساتھ اکلوتے بیٹے کے پاس کینیڈا جانے کی تیاری کرنے لگے۔

یزمان نے ان سے گھر خریدنے کی بات کی ان کو گھر بیچنا ہی تھا، چاہے کوئی بھی خریدے یزمان نے وہ گھر خرید لیا۔ گھر کافی مہنگا تھا اوپر نیچے دونوں پورشن بنے ہوئے تھے۔

یزمان نے اپنی جمع پونجی اکٹھی کی کچھ لوگوں سے قرض لیا، کچھ باپ سے اور پانچ سال پہلے وہ گل کے ساتھ یہاں شفٹ ہو گیا تب ایمان ایک سال کی تھی۔

یزمان نے نچلا پورشن کرائے پر چڑھا دیا اور خود اوپر والے پورشن میں رہنے لگا دو کمرے، کھلا برآمدہ ان کے لیے بہت کافی تھا، پانچ سالوں میں یزمان

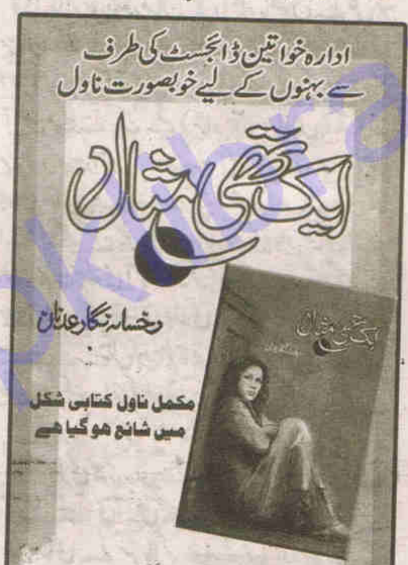

pklibrary.com

نے اپنا سارا قرضہ بھی اتار دیا تھا۔

☆☆☆

یزمان گل کے ماموں کا بیٹا تھا وہ دونوں ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے مگر خاموش محبت، جو دل میں رہتی ہے اور دل تک ہی رہتی ہے۔ گل کو وجیہہ اور ریزرو یزمان دل کے قریب لگتا۔

لیکن وہ کہتے ہیں نا کہ عشق اور مشک چھپائے نہیں چھپتا۔ یا حد سے زیادہ التفات محبت کا بتا دیتا ہے یا حد سے زیادہ گریز!!

ان کے تعلق میں بھی گریز حد سے زیادہ تھا، اچھی خاصی کزنز کے درمیان بیٹھی ہنستی مسکراتی باتیں کرتی گل کی بولتی، یزمان کو دیکھتے ہی بند ہو جاتی اس طرح یزمان بھی گل وری کو دیکھتے ہی سنجیدہ اور ریزرو سا ہو جاتا۔ ایسے میں قیامت کی نظر رکھنے والے سمجھ گئے کہ اس دال میں کچھ کالا ہے مگر اس سے پہلے کہ کوئی ظالم سماج درمیان میں آتا، ماموں نے گل کو یزمان کے لیے اپنی بہن سے مانگ لیا۔ بہن کو بھلا کیا اعتراض ہوسکتا تھا یوں گل وری دلہن بن کر یزمان کا آنگن مہکانے کے لیے (شاہ جہان ہاؤس) آ گئی۔

یزمان بہت اچھا وہ بہت اچھا بیٹا تھا، بہت اچھا بھائی تھا اور اب وہ بہت اچھا شوہر اور باپ بھی تھا اتنے اچھے شخص میں صرف ایک بری عادت تھی اسے غصہ بہت جلدی آتا تھا۔ مگر اچھی بات یہ تھی کہ جتنی جلدی غصہ آتا تھا اتنی جلدی اتر بھی جاتا تھا۔ اور وہ بڑے پیار سے گل کو منا لیتا تھا، گل نے بھی یزمان کے غصہ سے کمپرومائز کر لیا تھا۔

☆☆☆

سبزی کاٹتی گل نے آہٹ پر سر اٹھا کر دیکھا تو سامنے سے مامی آ رہی تھیں۔ ”السلام علیکم مامی!“

مامی نے سر ہلا کر جواب دیا اور ہاتھ کے اشارے سے اسے اٹھنے سے منع کیا چادر اتار کر ایک طرف رکھی اور جلدی سے چارپائی پر لیٹ کر لمبے لمبے سانس لینے لگیں۔ روزے کی حالت میں سیڑھیاں چڑھ کر آئی تھیں تو سانس چڑھ گیا تھا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے مامی!“ گل نے چھری ایک طرف رکھ کر پوچھا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں تمہاری خبر لینے آئی ہوں تمہیں کیا ہوا تھا۔ میرے بیٹے کو بغیر سحری کے روزہ رکھوا دیا۔“

”اف!“ گل نے کوفت سے آنکھیں میچیں! تو لاڈلے بیٹے نے ماں کو خبر کر دی۔

”مامی میں نے بھی بغیر سحری کے روزہ رکھا تھا آنکھ نہیں کھلی اس وجہ سے!“

”وہی تو کہہ رہی ہوں کیسے آنکھ نہیں کھلی اتنا عرصہ ہو گیا ہے شادی کو، دو بچوں کی ماں ہو کر کیسے تم اتنی گہری نیند سو سکتی ہوں۔“

گل سمجھ گئی کہ وہ بیٹے کی حمایت میں بولنے آئی ہیں ہر وضاحت بیکار ہوگی، اس لیے سر جھکا کر بولی۔

”غلطی ہو گئی آئندہ احتیاط کروں گی۔“

”اتنا سا منہ نکل آیا ہے میرے بچے کا اسے دیکھ کر تو میرا کلیجہ منہ کو آ گیا۔“

مامی کی بات سن کر گل نے گہری سانس لی۔

”جی مجھے اندازہ ہے اسی لیے دیکھیں، افطاری میں سب کچھ آپ کے بیٹے کی پسند کا بنا رہی ہوں۔“ اس نے سامنے پڑی سبزیوں کی طرف اشارہ کیا۔

”ہاں تو بنانا بھی چاہیے تمہیں، تمہاری ہی غفلت کی وجہ سے اس نے بھوکے پیٹ روزہ رکھا ہے اور اب وہ دوکان بھی چلا گیا ہے مردوں کو باہر کا کام بھی کرنا پڑتا ہے۔ اب میرے بچے کا کیا حال ہوگا اگر عورت اپنے اندر تھوڑا سا احساس ذمہ داری پیدا کر لے تو ایسی نوبت نہ آئے مگر پتا نہیں آج کل کی عورتوں کو کیا ہو گیا ہے۔“

گل سر جھکائے ڈانٹ سن رہی تھی اسے احساس ہو رہا تھا کہ سامنے بیٹھی عورت صرف ایک ماں ہے، جسے اپنے بچے کے بھوکا رہ جانے کا افسوس ہے۔ بچہ چالیس سال کی عمر سے تجاوز کر چکا ہے خود دو بچوں کا باپ بن چکا ہے مگر ماں کے لیے، وہ آج بھی بچہ ہے۔ (ہائے ربا ماں کا دل تو نے کس مٹی سے بنایا ہے خود بے شک بھوکی

pklibrary.com

رہ جائے مگر بچہ بھوکا نہ رہے)

"امی! موبائل پر الارم لگایا ہوا تھا شاید دعا نے موبائل ان کے تکیے کے نیچے رکھ دیا تھا اس وجہ سے آواز نہیں آئی۔"

"الارم سے ہی اٹھنا بغیر الارم کے نہیں اٹھنا پرانے وقتوں میں الارم نہیں ہوتے تھے، تب بھی تو عورتیں اٹھتی تھی ناں اور راحیلہ بھی کہہ رہی تھی کہ بھابھی کی کتنی سخت نیند ہے کہ سحری کا وقت چلا گیا اور ان کی آنکھ نہیں کھلی۔" گل نے جھٹکے سے سر اٹھایا (سارا لحاظ اور مروت گئی بھاڑ میں)

"راحیلہ کیا کہہ رہی تھی آپ کو یاد ہے جب راحیلہ کی شادی ہوئی تھی اس کی کتنی سخت نیند تھی۔ سخت گرمی میں بغیر پنکھے کے کیسے سوتی تھی ہلا ہلا کر اٹھانے پر بھی نہیں اٹھتی تھی اور جب ارمان پیدا ہوا وہ بچہ رو رو کر ہلکان ہو جاتا تھا اور یہ میڈم سوئی ہوتی تھی خود کہتی تھی کہ ذیشان مجھے چپل اٹھا کر مارتا ہے تو میری آنکھ کھلتی ہے، کتنی بار ارمان سوئی ہوئی ماں کے اوپر چڑھ کر نیچے گر جاتا تھا اور اس کو پتا بھی نہیں چلتا تھا آج وہ میرے بارے میں بات کر رہی ہے، جبکہ آپ کو اچھی طرح پتا ہے میری نیند کتنی کچی ہے ذرا سی آواز پر ذرا سی آہٹ پر میری آنکھ کھل جاتی ہے۔ سب کو پتا ہے سارے گھر میں سب سے زیادہ کچی نیند میری اور یزمان کی ہی تھی، اگر کسی وجہ سے ایک دن ہماری آنکھ نہیں کھلی تو اب راحیلہ جیسی بھی ہمارے بارے میں بات کرے گی۔"

"ہاں تو تم نے خود ہی موقع دیا ہے بات کرنے کا۔ چھوڑو یہ سب میری پوتیاں کدھر ہیں۔ نظر نہیں آ رہی ہیں۔"

"اندر کمرے میں ہیں ہوم ورک کر رہی ہیں دونوں۔"

امی نے اندر کمرے میں جھانکا۔

"آجاؤ دعا بیٹا، چلیں، دادا بلا رہے تھے آپ کو۔"

"آئی دادی ماں!" دعا جلدی سے بولی۔

"امی! آپ کہیں نہیں جا رہی، اب آئی ہیں تو افطاری ہمارے ساتھ کریں میں ماموں کو بھی بلوالوں گی۔"

"آج نہیں، افطاری کرنے میں پھر آؤں گی۔ آج حریم نے بشریٰ کو بلایا ہے افطاری کے لیے اچھا نہیں لگتا کہ میری بہن وہاں آئی ہے افطاری کے لیے میں یہاں افطاری کروں۔"

"چلیں دادی ماں۔" دعا چپل پہن کر آ گئی۔

"ہاں چلو!" امی نے چادر اوڑھی اور دعا کا ہاتھ پکڑ کر سیڑھیوں کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

"السلام علیکم!" ماموں کی آواز پر برتن دھوتی گل نے گردن موڑ کر دیکھا۔

"وعلیکم السلام آپ یہاں کیا کر رہے ہیں۔" گل منہ پھلا کر بولی۔ یہ ناراضی کا اظہار تھا وہ بس ماموں سے ہی ناراض ہو سکتی تھی۔

"تمہاری بیٹی سوگئی تھی ہمارے گھر میں کہاں لٹاتا ہے اسے۔"

ماموں کی گود میں سوئی ہوئی دعا تھی۔

"اندر کمرے میں بیڈ پر لٹادیں۔" ماموں نے دعا کو احتیاط سے بیڈ پر لٹا دیا۔ ایمان بھی سو رہی تھی۔

"آپ یہاں کیا کر رہے ہیں؟" ماموں باہر آئے تو گل نے اپنا سوال دہرایا۔

"کیا مطلب کیا کر رہا ہوں میرے بیٹے کا گھر ہے۔" ماموں آرام سے تخت پر بیٹھتے ہوئے بولے گاؤ تکیے سے ٹیک بھی لگالی۔

"ہاں بے شک بیٹے کا گھر ہے مگر بیٹے کے گھر سے پہلے بھی، ایک گھر اللہ کا گھر آپ کو اس وقت وہاں ہونا چاہیے تھا۔ تراویح ہو رہی ہیں۔"

"ہاں پتا ہے مگر اب میں بوڑھا ہو گیا ہوں باقاعدگی سے نہیں پڑھ سکتا، کبھی پڑھ لیتا ہوں کبھی چھوڑ دیتا ہوں۔ تم اپنی سناؤ تم ٹھیک ہو؟" وہ اسے دیکھ کر شرارت سے بولے۔

"مجھے پتا ہے آپ بھی مجھے سنانے آئے ہیں آپ کے بیٹے نے بغیر سحری کے روزہ جو رکھا تھا آج میری وجہ سے۔"

pklibrary.com

"تم نے بھی تو بغیر سحری کے روزہ رکھا تھا۔"

گل نے ایک دم سر اٹھا کر دیکھا۔ سچ ہے ماں! ماں ہوتی ہے اور ماں کا بھائی بھی ماں جیسا ہوتا ہے۔ گل کا دل بھر آیا کسی کو تو اس کی پروا ہے مگر بظاہر مسکراتے ہوئے بولی۔

"آپ کی بیوی اور آپ کے بیٹے نے اتنی باتیں سنائی ہیں، مجھے جیسے سارا قصور میرا ہو۔"

"نہیں، میں نہیں مانتا دونوں کا قصور تھا اگر ایک کی آنکھ نہیں کھلی تو دوسرے کی کھل جاتی اس لیے میں تمہاری بات سے متفق ہوں کہ سحری کھانا تم لوگوں کے نصیب میں نہیں تھا۔"

"شکر ہے کہ آپ میری سائیڈ پہ ہیں۔ پتا ہے سارا دن آپ کے بیٹے نے مجھے اتنی باتیں سنائی ہیں۔ اتنا ڈانٹا ہے ایک بات تو بتائیں۔ یہ ساری دنیا کا سب سے زیادہ تنگ مزاج، غصیلا اور کھڑوس بندہ میرے لیے ہی رہ گیا تھا۔"

اس کی بات سن کر ماموں مسکرا دیے پھر بولے۔

"ایک راز کی بات بتا رہا ہوں یاد رکھنا۔ یہ جو بہت زیادہ تنگ مزاج، غصیلے اور کھڑوس قسم کے لوگ ہوتے ہیں، یہ بڑے نادر و نایاب اور خاص ہوتے ہیں اور بہت خاص لوگوں کے نصیب میں آتے ہیں۔"

"یہ آپ میری تعریف کر رہے ہیں یا اپنے بیٹے کی۔" گل انہیں مشکوک نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی۔

"ظاہر ہے تمہاری تعریف کر رہا ہوں، میرے بیٹے کی تعریف تو سارا زمانہ کرتا ہے۔" وہ بے نیازی سے بولے۔

"خیر تم یہ بتاؤ میری بیوی کیا کہہ رہی تھی؟"

"وہ کہہ رہی تھیں کہ پوری زندگی آپ نے کبھی ان کی وجہ سے بغیر سحری کے روزہ نہیں رکھا۔"

"ہاں یہ بات تو بالکل ٹھیک کہی اس نے میں نے کبھی بغیر سحری کے روزہ نہیں رکھا۔"

"ماموں! اتنا جھوٹ مت بولیں مجھے پتا ہے آپ نے بھی دو مرتبہ بغیر سحری کے روزہ رکھا تھا۔"

گل کی بات سن کر وہ اپنی جگہ سے اچھل پڑے۔

"یہ اتنی اندر کی بات تمہیں کیسے پتا چلی؟" وہ حیران تھے۔

"کیسا! مانتے ہیں ناں پھر!" گل نے ہاتھ آگے کیا! "کیسے پکڑا میں نے آپ کو۔" گل ہنستے ہوئے بولی۔

ماموں کو اپنی حماقت کا احساس ہوا تو فوراً ماتھے پر ہاتھ مارا۔

"بھانجی! کچھ تو خدا کا خوف کرو مجھے اللہ نے تمہارا ماموں بنایا ہے وہی رہنے دو تم مجھے دوسرا والا ماموں نہ بنایا کرو۔"

وہ مصنوعی غصے سے بولے۔ "اب یہ بات اپنی ساس کو مت بتا دینا ورنہ میری خیر نہیں ہوگی۔"

"اف ماموں، کتنا ڈرتے ہیں آپ اپنی بیوی سے اپنے بیٹے کو بھی گھٹی خود اپنے ہاتھوں سے دیتے ناں تا کہ وہ بھی مجھ سے ڈرتا"

"ڈرے گا۔ یہ زمان بھی تم سے ڈرے گا پہلے اسے میری عمر تک تو پہنچنے دو میری عمر میں سب مرد اپنی بیویوں سے ڈرتے ہیں جوانی میں سارے شیر ہوتے ہیں۔" وہ سینہ چوڑا کر کے بولے۔

"میں بھی اپنی جوانی میں شیر تھا اتنا ڈرتی تھی تمہاری مامی مجھ سے میرا نام سنتے ہی کانپنے لگتی تھی۔"

وہ بولتے جا رہے تھے اور گل ہنس ہنس کر بے حال ہو رہی تھی۔

اف ماموں! لطیفے کب سے سنانے شروع کر دیے آپ نے! یہ لطیفہ بھی اپنی بیوی کو بھی سنائیں ناں کتنا مزہ آئے گا۔"

ماموں بھی ہنس پڑے۔ "اچھا اب چائے پلا رہی ہو یا میں جاؤں۔"

"ابھی بناتی ہوں۔" گل جلدی سے چائے بنانے کے لیے اٹھ گئی۔

"الائچی والی بنانا۔" ماموں نے آواز دے کر کہا تو گل نے سر ہلایا اور چائے کا پانی رکھنے لگی۔

☆☆☆

pklibrary.com

یزمان گھر میں آیا تو گل سحری کے لیے دہی جمانے کے لیے جاگ لگا رہی تھی۔ تباخ (مٹی کی چھوٹی پرات جتنا برتن) میں ایک چمچ دہی اور دو چمچ دودھ ڈال کر اچھی طرح مکس کیا پھر اس میں نیم گرم دودھ ڈال کر مکس کیا، آخر میں دو چمچ چینی ڈال کر اچھی طرح ہلایا پھر تباخ پر ڈھکن لگا دیا اور موٹا کپڑا تہ لگا کر تباخ پر رکھ دیا اب یہ ڈھکن سحری پہ کھلنا تھا۔

اتنے میں یزمان آیا اس نے نماز کے انداز میں دوپٹا اوڑھا ہوا تھا۔

''آ گئے آپ۔'' وہ گیلے کپڑے سے شیلف صاف کرتے ہوئے بولی۔

''ہمم، بچے سو گئے کیا؟''

''ہاں سو گئے ہیں، آپ بیٹھیں میں آپ کے لیے کچھ کھانے کو لاتی ہوں۔'' یزمان جا کر تخت پر بیٹھ گیا، گل نے جلدی سے ٹرے سیٹ کی۔ تھوڑے سے پکوڑے، تھوڑی سی چاٹ اور دو سینڈوچ اس نے ٹرے جا کر یزمان کے سامنے رکھی اور واپس آ کر کپ میں چائے نکالنے لگی۔

''پتا ہے ابھی مسجد میں تراویح پڑھتے ہوئے ایک شخص کی حالت خراب ہو گئی۔''

''اچھا!'' گل نے چائے لا کر رکھی اور خود بھی تخت پر بیٹھ گئی۔

''کیا ہوا تھا؟''

''ہونا کیا تھا، زیادہ کھا کر اپنی حالت خراب کر لی مجھے حیرت ہوتی ہے سارا دن روزہ رکھنے کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ روزہ کھول کر بندہ دو تین وقت کا اکٹھا کھا لے۔ پیٹ میں تو ایک وقت کا ہی جائے گا ناں۔ پتا ہے لوگ افطاری کرتے ہیں، پھر پیٹ بھر کے کھانا کھاتے ہیں چٹ پٹی چیزیں کھا کر پیاس تو لگتی ہے پھر پانی پی پی اپنا پیٹ پھلا لیتے ہیں۔ پھر ان سے تراویح کے لیے کھڑا نہیں ہوا جاتا، ابھی کل مجھ سے کوئی کہہ رہا تھا کہ آپ اتنے آرام سے نماز پڑھتے ہیں آپ کو پیاس نہیں لگتی۔ میں نے کہا میں افطاری میں ایک کھجور کھاتا ہوں تھوڑا سا فروٹ، دو پکوڑے دو چمچ چاٹ اور ایک گلاس شربت، اس کے علاوہ کچھ نہیں کھاتا، اس لیے زیادہ پیاس بھی نہیں لگتی اس لیے آرام سے نماز اور تراویح پڑھتا ہوں، اب گھر جا کر ایک کپ چائے، دو پکوڑے اور تھوڑی سی چاٹ کھاؤں گا بس روٹی کا نوالہ بھی نہیں کھاتا۔

وہ حیران ہو گیا۔ کہنے لگا ہم تو افطاری کرتے ہیں پھر روٹی بھی کھاتے ہیں، اس لیے اس وقت کھڑے ہونے کی ہمت نہیں ہوتی۔''

''ہاں مجھے پتا ہے آپ کم کھاتے ہیں مگر شور بہت مچاتے ہیں اگر کوئی چیز وقت پر نہ ملے تو۔'' گل ناراضی سے بولی۔

یزمان نے مسکراتے ہوئے چمچہ چاٹ میں ڈالا اور گل کے منہ کے سامنے کیا۔

''سوری یار! میں نے آج تمہیں کچھ زیادہ ہی ڈانٹ دیا، اب احساس ہو رہا ہے اس کھانے پر ہمارا نام نہیں تھا۔ تمہارا قصور نہیں تھا اس لیے سوری کر رہا ہوں۔ اب منہ کھول دو ان دانوں پر تمہارا نام لکھا ہوا ہے۔'' اس کی بات پر گل نے مسکراتے ہوئے اس کے ہاتھ سے چاٹ کھا لی۔

''پتا ہے گل، میں سوچ رہا تھا کہ اللہ نے ہمارے لیے کتنی آسانیاں پیدا کی ہیں مگر یہ ہم انسان ہیں جو خود اپنے لیے مشکل پیدا کرتے ہیں۔ آج ہم نے بغیر سحری کے روزہ رکھا سارا دن میں تمہیں ڈانٹتا رہا حالانکہ اللہ جانتا تھا کہ ہم بغیر سحری کے روزہ رکھ سکتے ہیں اس لیے آنکھ نہیں کھلی اسی طرح کوئی روزہ دار بھولے سے روزے کی حالت میں کچھ کھا پی لے تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا، اللہ جانتا ہے کہ وہ کمزور ہے اس لیے خود اسے کھلاتا پلاتا ہے۔ یہ سب اللہ کے فیصلے ہیں سب کچھ تقدیر سے ہوتا ہے اس لیے ایک بار پھر سوری۔ مجھے اتنی پریشانی ہو رہی تھی کہ تم سارا دن روتی رہی ہو گی اور۔''

اس کی بات سن کر گل ہنس پڑی اور اس کی بات کاٹ کر بولی۔

''ایک منٹ ایک منٹ! مر گئی وہ گل! گزر گئے

وہ زمانے جب آپ مجھے ڈانٹتے تھے اور میں سارا دن روتی تھی، دو دو دن تک کھانا نہیں کھاتی تھی مگر اب وقت بدل گیا ہے، غصہ کرنا آپ کی فطرت ہے آپ اپنی فطرت نہیں بدل سکتے تو میں نے خود کو بدل دیا اب آپ کے غصے کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔ آپ مجھے ڈانٹتے ہیں، میں ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتی ہوں، مزے سے کھانا کھاتی ہوں بڑا کپ چائے کا پیتی ہوں اور سکون سے سوتی ہوں۔''

وہ مزے سے بول رہی تھی اور یزمان حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''اس لیے تو میں بولوں کہ تم اتنی موٹی کیوں ہو رہی ہو بے شرم ہو گئی ہو ناں، چربی چڑھ گئی ہے تمہارے اوپر۔''

''اور اپنے بارے میں کیا خیال ہے خود جو موٹے ہو رہے ہیں دن بدن وہ۔''

''میں!'' یزمان نے حیرت سے اپنی طرف انگلی سے اشارہ کیا! ''میں تو بالکل فٹ ہوں میں کہاں سے موٹا ہو گیا میرے جسم کی تو سب تعریف کرتے ہیں کہ نہ موٹا نہ پتلا بالکل فٹ جسامت ہے میری۔''

''لوگوں کو چھوڑیں میری بات سنیں جب ہماری شادی ہوئی تو میرا وزن پچاس کلو تھا اور آپ کا ساٹھ کلو، اب میرا وزن ساٹھ کلو ہے اور آپ کا ستر کلو، آپ اپنا وزن ساٹھ پر لے آئیں میں بھی دوبارہ پچاس پر لے آؤں گی۔ مسٹر یزمان۔''

''بہت چالاک ہو گئی ہو۔'' یزمان نے کہا تو گل بولی! ''سو تو ہے۔''

''اور ایک بات تو بتائیں آپ کا نام یزمان کس نے رکھا تھا اور کیوں۔''

''میرے دادا اور تمہارے نانا شاہجہان صاحب نے رکھا تھا میرا نام یزمان یہ ہمارے آبائی گاؤں کا نام تھا دادا وہیں پیدا ہوئے بچپن لڑکپن وہیں گزرا انہیں بہت محبت تھی اپنے گاؤں سے اس لیے جب میں ان کا پہلا پوتا اس دنیا میں آیا تو انہوں نے میرا نام یزمان رکھ دیا۔ مگر تم کیوں پوچھ رہی ہو کیا تمہیں نہیں پسند میرا نام۔''

''بہت پسند ہے اس لیے تو پوچھ رہی تھی، بہت یونیک سا نام ہے۔'' گل نے خالی برتن اٹھاتے ہوئے کہا۔

گل برتن اٹھا کر لے گئی اور جلدی سے دھو بھی دیے واپس آئی تو یزمان سونے کے لیے لیٹ چکا تھا۔

☆☆☆

کمرے میں زیرو بلب کی میٹھی سی روشنی تھی اے سی کی ٹھنڈک اور پرسکون ماحول، گل نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا اور اس میں الارم سیٹ کرنے لگی۔ دل میں ایک ڈر تو تھا کہ اگر آج بھی آنکھ نہ کھلی تو الارم سیٹ کر کے اس نے موبائل الماری کے اوپر رکھ دیا۔ سارا دن کی تھکاوٹ اور ٹینشن، اس کی آنکھیں بند ہونے لگیں جلد ہی وہ نیند کی وادیوں میں اتر چکی تھی۔

☆☆☆

کوئی عجیب سا احساس تھا جس سے اس کی آنکھ کھل گئی، گل نے ٹیبل لیمپ جلا کر ٹائم دیکھا تو دو بج رہے تھے۔

ابھی تو بہت ٹائم ہے اس نے لیمپ بجھا دیا اور دوبارہ سونے کی کوشش کرنے لگی۔ مگر پھر جھٹ سے آنکھیں کھول دیں۔ اگر پھر پکی سو گئی تو! وہ جلدی سے اٹھ گئی الماری کے اوپر سے موبائل اٹھایا اور کمرے سے باہر آ کر دروازہ بند کر دیا۔ یزمان مزے سے بے خبر سو رہا تھا۔ گل نے موبائل تخت پر رکھا اور خود بھی تخت پر لیٹ گئی۔

کچھ ہی دیر میں وہ سو چکی تھی کہ اچانک، ڈھول کی آواز پر ایک دم اٹھ گئی۔ ڈھول والا بھی شاید ان کے دروازے کے آگے ڈھول بجا رہا تھا۔ (کل کہاں مر گیا تھا) اس نے کوفت سے سوچا، ڈھول والے کے جانے کے بعد وہ پھر سونے کی کوشش کرنے لگی۔ ابھی سوا دو بجے تھے اور بہت ٹائم باقی تھا وہ پونے تین بجے اٹھتی تھی۔ وضو کر کے یزمان کو بھی جگا دیتی تھی جتنی دیر میں وہ سحری بناتی، یزمان تہجد کی نماز پڑھ لیتا سحری

کرنے کے بعد یزمان قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگتا اور گل، برتن وغیرہ سمیٹ کر نماز پڑھتی۔ اگر وقت زیادہ ہوتا تو نماز کے بعد گل بھی قرآن پاک پڑھنے لگتی یہی ان کی ان کا معمول تھا۔

دوبارہ آنکھ لگے تھوڑی دیر ہی گزری تھی کہ موبائل کی آواز پر ایک دم اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے جلدی سے اٹھ کر موبائل اٹھا کر دیکھا تو ماموں جان کالنگ لکھا آرہا تھا۔

''اف!'' گل نے کٹ کا بٹن دبایا اور پھر لیٹ گئی۔ پانچ منٹ نہیں گزرے تھے کہ پھر موبائل بجنے لگا۔ اب کے یزمان کا موبائل بج رہا تھا گل نے دیکھا تو ماں جی کالنگ لکھا ہوا تھا۔

اس نے کٹ کا بٹن دبا کر موبائل رکھا اور پھر لیٹ گئی ابھی آنکھ لگی تھی کہ کوئی عجیب سی آواز کانوں میں آنے لگی۔ گل اٹھ کر بیٹھ گئی یہ آواز کہاں سے آرہی تھی دونوں موبائل خاموش پڑے تھے تو یہ آواز۔ یزمان نے بھی مندی مندی آنکھیں کھول کر دیکھا۔

''بند کرو ناں یہ الارم'' وہ نیند میں ڈوبی آواز میں بولا۔

گل نے نفی میں سر ہلایا۔

''مجھے نہیں پتا یہ آواز کہاں سے آرہی ہے۔''

''کیا مطلب!'' یزمان اٹھ کر بیٹھ گیا اور آواز کی سمت کا تعاون کرنے لگا۔ ''میرا خیال ہے یہ آواز فریج کے اوپر سے آرہی ہے۔''

گل نے اٹھ کر فریج کے اوپر ہاتھ مارا تو الارم والی گھڑی ہاتھ میں آگئی۔

گھڑی میں الارم زور شور سے بج رہا تھا گل نے لا کر وہ گھڑی یزمان کو دی۔ ''بند کریں اسے، کیسے بند ہوتی ہے یہ۔''

یزمان نے الارم بند کیا اور گھڑی کو الٹ پلٹ کر دیکھنے لگا۔ ''یہ تو امی کے جہیز کی گھڑی ہے اسے تو وہ بہت سینے سے لگا کر رکھتی ہیں یہ گھڑی یہاں کیا کر رہی ہے؟''

گل ساری بات سمجھ چکی تھی۔

''آپ کی امی آئی تھیں دوپہر کو وہی یہ گھڑی یہاں رکھ کر گئی ہوں گی کہ ان کا لاڈلا بیٹا پھر بغیر سحری کے روزہ نہ رکھ لے۔''

یزمان نے گھڑی سائیڈ پر رکھی اور گل کا ہاتھ پکڑ کر اسے لٹا دیا۔

''لیٹ جاؤ ابھی پونے تین بجنے میں دس منٹ باقی ہیں۔'' اور خود بھی لیٹ گیا دو منٹ بھی نہیں گزرے تھے کہ پھر موبائل بجنے لگا۔ اف گل کا جی چاہا اپنے بال نوچ۔ اٹھ کر دیکھا تو راحیلہ کالنگ لکھا تھا یہ دیکھیں۔ گل نے موبائل یزمان کے سامنے کیا۔

''یہ اپنے شوہر سے جوتے کھا کر اٹھنے والی بھی آج اتنی جو گی ہو گئی ہے کہ مجھے اٹھانے کے لیے مس کالیں دے رہی ہے۔''

یزمان کی ہنسی چھوٹ گئی گل نے کٹ کا بٹن دبایا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں تھام کر بیٹھ گئی۔

''سو جاؤ یار!'' یزمان نے ہنستے ہوئے گل کا ہاتھ پکڑ کر جیسے ہی کہا موبائل پھر بجنے لگا۔

''اف، اف، اف'' وہ رو دینے کو ہو گئی اب کی بار اس کا اپنا لگایا ہوا الارم بج رہا تھا۔ یزمان نے ہنستے ہوئے موبائل بند کیا تو یزمان کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے کٹ کا بٹن دبایا وہ ہنستا جا رہا تھا اور گل رونے کے قریب تھی۔ اچانک عجیب سی آواز آئی، ٹھک، ٹھک، ٹھک، گل نے یزمان کو دیکھا وہ بھی حیرت سے اسے دیکھ رہا تھا آواز دیوار کے پار سے آرہی تھی جیسے کوئی ہتھوڑی سے دیوار بجا رہا ہو۔

''راحیلہ بھابھی تمہیں اٹھانے کے لیے دیوار بجا رہی ہیں۔''

گل ایک جھٹکے سے اٹھی کچن کے نیچے بنے کیبنٹ سے ہتھوڑی نکال کر لائی اور اپنی طرف کی دیوار پر مارنے لگی۔ ٹھک ٹھک یزمان ہنستا جا رہا تھا اور گل دیوار پر ہتھوڑی مارتی جا رہی تھی۔ اس کا صبر تمام ہو گیا تھا اور اب اس نے راحیلہ کا صبر تمام کرنا تھا۔

☆☆

قرۃ العین خرم ہاشمی

جائز دھوکا

دھیرے سے دروازہ کھول کر اس نے اندر جھانکا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ جلدی سے اندر آئی اور دروازہ بند کر کے دونوں بازو پھیلا کر گھومنے لگی۔

"کتنا مزا آ رہا ہے۔ ایسا لگتا ہے جنت میں آ گئی ہوں۔"

خوشی سے خود کلامی کرتی وہ مسکرائی اور پھر ایک کونے کی طرف بڑھ گئی۔ سر اٹھا کر دیوار پر لگے نئے نکور اے سی کو دیکھنے لگی۔

"بنانے والوں نے بھی کیا چیز بنائی ہے۔ گرمی میں بھی ٹھنڈک۔۔۔! پتا نہیں علی کب مجھے اے سی لے کر دیں گے اور۔۔۔!"

اس سے پہلے کہ اس کی بات مکمل ہوتی واش روم کا دروازہ کھول کر دبے پاؤں چلتی خالدہ بیگم اس کے پاس آ کر کھڑی ہو گئیں۔

"بہورانی! اے سی کو نظر لگالی ہو تو اب یہ بھی بتا دو کہ کمرے میں آنے کی کیا وجہ ہے؟ ویسے تو بے چاری ساس چلاتی رہے کوئی سنتا نہیں اور جب سے اے سی لگا ہے بہو بیگم مختلف بہانوں سے چکر لگاتی رہتی ہیں۔ جیسے میں کچھ سمجھتی نہیں ہوں۔"

طنزیہ لہجے میں کہتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ نازو کے منہ کے زاویے بگڑ گئے۔

"ساس کے چلانے کی آواز پر تو مردے بھی قبر سے اٹھ جائیں میری کیا مجال جو ان سنی کر دوں۔"

سر جھٹک کر بڑبڑاتی ہوئی وہ ان کے پاس آئی جو ریموٹ ہاتھ میں پکڑے ایل سی ڈی آن کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔

"یہ والا سرخ بٹن دبائیں۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"سب پتا ہے۔ لگتا ہے کہ ریموٹ کے سیل کمزور ہو گئے ہیں اس لیے کام نہیں کر رہا۔" وہ گڑبڑا کر بولیں تو نازو طنزیہ مسکرا دی۔

"تم کسی کام سے آئی تھیں؟" خالدہ بیگم اس کے سر پر کھڑے ہونے سے بیزار ہو کر بولیں۔

"ویسے ہی سب کام کر کے فارغ بیٹھی تھی تو سوچا آپ کے ساتھ گپ شپ لگا لوں۔"

وہ مزے سے کہتے ہوئے کرسی پر بیٹھ گئی اور نظریں اسکرین پر جما دیں۔

"توبہ! کتنی بھوکی ندیدی نگاہوں سے اسکرین کو گھور رہی ہے جیسے کھا ہی جائے گی۔"

خالدہ بیگم نے کن انکھیوں سے اسے دیکھا جو پوری طرح اسکرین پر چلتے ڈرامے کی طرف متوجہ تھی۔

"رات کو ٹھیک سے سو بھی نہیں سکی۔ بار بار لائٹ آتی جاتی رہی۔ اب تھوڑی دیر سو جاؤں گی۔ تم مجھے عصر سے پہلے مت اٹھانا۔"

وہ اسے کمرے سے باہر بھیجنا چاہ رہی تھیں اس لیے فوراً اسکرین بند کر کے لیٹ گئیں۔ نازو نے جو پوری طرح ڈرامے میں گم تھی۔ کاٹ کھانے والی نگاہوں سے انھیں گھورا اور ایک جھٹکے سے کھڑی ہو گئی۔

"گرمی کا عالم مجھ سے پوچھیں۔ جس کے کمرے میں گرم ہوا پھینکتا پرانا سا کولر ہے۔ آپ تو مزے سے اے سی میں سوتی ہیں۔"

وہ غصے میں کہتی باہر جانے لگی۔

"تو اپنے شوہر سے کہو نا کہ اے سی لگوا

pklibrary.com

دے۔ مجھے کئی سالوں بعد اولاد کی طرف سے یہ سکھ ملا ہے۔ بیوہ ہوئی تو ہر طرح کے حالات کا سامنا کرتے ہوئے تین بچوں کو پروان چڑھایا۔ بیٹی کی شادی کی۔ سب کچھ بیچ کر اظفر کو باہر بھیجا۔ شکر ہے کہ آج وہ اس قابل ہوا ہے کہ پیسے گھر بھیج رہا ہے۔ بی بی صبر اور شکر سے سب کچھ مل جاتا ہے۔ گرمی کے طویل دن اور دوپہریں جس طرح میں نے کاٹی ہیں، تم سوچ بھی نہیں سکتیں۔" خالدہ بیگم کی پاٹ دار آواز میں ماضی کے دکھوں کی تپش تھی۔ وہ تیزی سے باہر چلی گئی تو خالدہ بیگم ماضی کی بھول بھلیوں میں گم نیند کی وادی میں اتر گئیں۔

☆☆☆

"آپ کی ماں تو ایسے رعب جماتی ہیں جیسے سب کچھ ان کا ہی تھا جسے بڑے بیٹے پر لٹا کر اس کی کمائی کی حق دار بن بیٹھی ہیں۔"

شام کو تھکا ہارا خراب بائیک کو گھسیٹ کر صحن میں کھڑا کر کے پہلے وہ ماں کے کمرے میں گیا۔ ان کی منگوائی کھانے پینے کی مختلف اشیاء کے تھیلے تھما کے اور بقایا پیسوں کا حساب دے کر جیسے ہی اپنے کمرے میں آیا تو منہ بسورتی نازو نے سارے دن کی روداد سنائی۔ وہ جھنجھلا گیا۔

"تمہیں کیا ضرورت ہے ان سے بحث یا مقابلہ کرنے کی۔ اظفر بھائی اور میرا فرض ہے ان کی ذمہ داری اٹھانا مگر میری معمولی نوکری اور بڑھتی

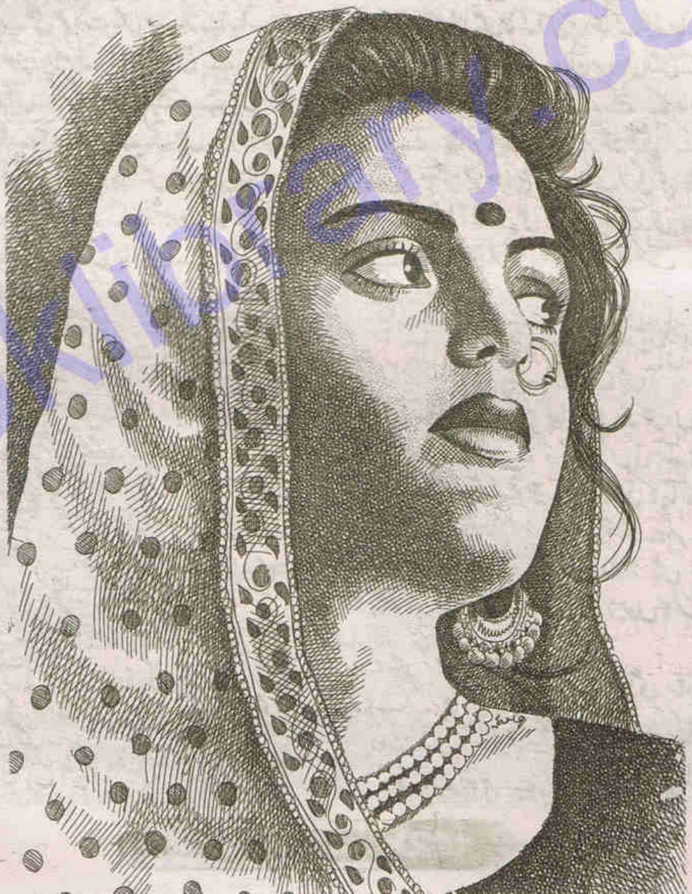

pklibrary.com

مہنگائی میں یہ ممکن نہیں کہ میں انھیں آرام وہ زندگی دے سکوں۔ اظفر بھائی بھی کئی سال خوار ہوئے تب جا کر دبئی جانا نصیب ہوا ہے۔ پچھلے چھ مہینوں سے وہ گھر پیسے بھیج رہے ہیں۔ تمہیں کیوں اعتراض ہے۔"

علی نے بے زاری سے کہا کیونکہ ہر روز اسی طرح کی باتیں سن کر تنگ آ گیا تھا۔ ایک طرف سر پر چڑھتا قرضہ، بجلی کے بل، مہنگائی، بیوی کی عام سی فرمائشیں جنھیں پورا کرنا بھی مشکل تھا۔

"وہ گھر نہیں صرف اپنی ماں کو پیسے بھیج رہے ہیں۔ کبھی اپنے چھوٹے بھائی کو کچھ نہیں بھیجا اماں نے گاؤں کی زمین فروخت کر کے سارے پیسے ان کو باہر جانے کے لیے دے دیے جبکہ آدھا حصہ آپ کا بنتا تھا مگر آپ بھی مروت میں چپ رہے۔ اب اس عیش اور سکون پر صرف اماں کا حق ہے۔ وہ اچھا کھاتی پیتی ہیں۔ ہم گرمی میں جلتے رہتے ہیں اور وہ آرام سے اے سی کے مزے لیتی ہیں۔ ہر دوسرے دن اپنی لاڈلی بیٹی ارم کو بلا لیتیں۔ دونوں ماں بیٹی مزے سے فوڈ پانڈا کر کے خوشبودار کھانے کھاتی ہیں۔ کبھی مجھے نہیں شامل کیا، اس لیے کہ میں کمزور اور غریب ہوں۔"

اس کی آواز بھرا گئی۔ چار مرلے کے گھر میں کمروں کے درمیان فاصلہ ہی کتنا تھا کہ ایک طرف کا سکھ، دوسری طرف دکھ نہ دیتا۔ نازو جانتی تھی کہ خالدہ بیگم اسے پسند نہیں کرتیں کیونکہ وہ علی کی محبت تھی۔ انھوں نے علی کی ضد مان کر شادی تو کر دی مگر اسے دل سے قبول نہیں کیا جبکہ اظفر کی بیوی دونوں بچوں سمیت، شوہر کے جاتے ہی میکے چلی گئی۔ بہت جلد شوہر کے پاس دبئی جانے والی تھی۔

علی سب جانتا تھا کہ ماں کا رویہ اس کے ساتھ اچھا نہیں۔ اس کی پسند کی شادی کی سزا کے طور پر ہی اس کے حصے کی رقم اظفر کو دی۔ علی ماں کی محبت میں چپ رہا کہ وہ انھیں راضی کرنا چاہتا تھا مگر اکثر سوچتا کہ اگر وہ رقم اس کے پاس ہوتی تو اپنے کئی مسئلوں کو آسانی سے حل کر لیتا۔ وہ بیٹا تھا اس لیے برداشت کر گیا مگر نازو کو یہ سچ بہت تکلیف دیتا تھا۔ اسے بار بار وہ رقم یاد آتی جو اسے معاشرے میں قابل عزت بنا سکتی تھی۔

☆☆☆

آج دس تاریخ تھی۔ اس لیے خالدہ بیگم کو بے صبری سے علی کی دفتر سے واپسی کا انتظار تھا کیونکہ اظفر اسی کے نام پیسے بھیجتا۔ علی کے آنے سے کچھ دیر پہلے ارم اپنے شوہر شہباز اور تین بچوں کے ساتھ میکے پہنچ گئی۔ نازو جانتی تھی کہ وہ ہر مہینے اسی تاریخ کو میکے کیوں پہنچ جاتی تھی۔ ماں سے ملنے کے بہانے مختلف طریقوں سے پیسے بٹور لیتی۔ خالدہ بیگم بھی داماد کے سامنے فخریہ انداز میں بیٹی اور نواسے نواسیوں پر پیسے لٹاتیں تا کہ اس پر دھاک بیٹھ جائے مگر شہباز کا منہ بنا ہی رہتا۔ وہ ان مردوں میں سے تھا جو سسرال کو ایک حد سے آگے رکھنے کے عادی نہیں ہوتے۔ بظاہر سنجیدہ مزاج مگر نکتہ چینی کرنے میں ماہر۔ ارم بھی تیز مزاج کی چالاک لڑکی تھی جسے اپنا مطلب نکالنا آتا تھا۔ علی نے گھر آتے ہی سب سے پہلے پیسے گن کر ماں کو تھمائے تو سب کے چہرے چمک اٹھے۔

"تیس ہزار تین سو اسی روپے بنتے ہیں جبکہ تم نے تیس ہزار اماں کو دیے۔ باقی کہاں ہیں؟"

ارم نے ڈپٹ کر پوچھا کیونکہ پیسوں کی رسید بھی ساتھ تھی۔ علی نے گہری سانس لی جبکہ نازو کا منہ سرخ ہو گیا۔ علی نے جیب سے دوائی کا پتا نکال کر ماں کی طرف بڑھایا اور سر جھکا کر ٹھنڈے کمرے سے باہر چلا گیا۔ خالدہ بیگم فخریہ انداز میں بیٹی کو دیکھنے لگیں جیسے اس نے ماں کے پیسوں کا ٹھیک حساب کر کے کمال کیا ہے۔

"نظر رکھنی پڑتی ہے۔ آپ سیدھی سادی گھریلو عورت اگر وہ پیسے رکھ بھی لے تو آپ کو کیا پتا چلے گا۔"

ارم نے چالاکی سے کہا تو اماں نے سر ہلاتے

pklibrary.com

ہوئے ہزار ہزار کے تین نوٹ بچوں کی طرف بڑھائے۔
"میرا حصہ۔" ارم نے لاڈ سے کہا تو انہوں نے فوراً تین ہزار اسے دیے تو ارم نے شوہر کی طرف اشارہ کیا تو وہ جز بز ہو گئیں۔
"یہ کچھ پیسے رکھ لو۔ شہباز کو سبزیوں والا نان (پیزا) کھلا دینا۔"
اماں نے فراخ دلی سے کہا تو چائے کی ٹرے اندر لاتی نازو نے ناگواری سے سر جھٹکا۔
"بیٹے بہو کے لیے سو روپے بھی نہیں نکلتے، بیٹی داماد پر ہنستے ہوئے سب لٹا رہی ہیں۔" وہ جلتی کڑھتی چائے پیش کرنے لگی۔
"صاف بات ہے، ساری بات بچوں سے ہوتی ہے۔ میں تو ان بچوں کے منہ سے اپنی بیٹی کے لاڈ بھی اٹھاتی ہوں۔"
خالدہ بیگم نے تیکھی نگاہ اس پر ڈالی جو شادی کے دو سال بعد بھی اس خوشی سے محروم تھی۔ نازو نم آنکھوں کے ساتھ اپنے کمرے میں آئی اور علی کو ساری بات بتائی۔
"بس میں نہیں جانتی اگلے مہینے میرا چیک اپ کسی اچھی لیڈی ڈاکٹر سے کروائیں۔ سرکاری ہسپتال تو کئی بار جا چکی ہوں۔ اولاد کے لیے کوشش تو کرنی ہوگی۔ ہم کب تک اپنے حالات کا رونا روتے رہیں گے۔" اس کی بات سن کر علی نے سر ہلایا۔
"تم پریشان مت ہو۔ میں کوشش کروں گا، کسی دوست سے ادھار لے لوں۔ ڈاکٹر کی فیس اور ٹیسٹ کے لیے اضافی رقم چاہیے۔"
"جو بھی کرنا ہے کریں۔ میں اب مزید وقت ضائع نہیں کروں گی۔" وہ ضدی لہجے میں کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔ علی جو پہلے ہی پریشان تھا، مزید سوچ میں پڑ گیا۔

☆☆☆

"بجلی کا اتنا زیادہ بل؟ میں کیسے دوں گا۔" اگلے مہینے بجلی کا بل ان پر بجلی بن کر ہی گرا تھا۔
"آپ کیوں دیں گے؟ اے۔ سی اماں استعمال کرتی ہیں۔ ہمارے کمرے میں چھوٹے کولر اور ایک پنکھے کے سوا کیا ہے؟ نہ ٹی۔ وی نہ اے۔ سی۔" نازو نے تنک کر کہا۔
"مگر اماں۔۔۔!" وہ ہچکچا رہا تھا۔
"کہیں آپ یہ تو نہیں سوچ رہے جو پیسے ڈاکٹر

خواتین ڈائجسٹ میں راحت جبیں کے قسط وار چھپنے والے خوب صورت ناولز

زرد موسم

تتلیاں پھول خوشبو

پاکستان میں کہیں بھی بذریعہ فون منگوائیں ڈاک خرچ فری

منگوانے کا پتہ: مکتبہ عمران ڈائجسٹ 37، اردو بازار، کراچی
فون نمبر: 021-32216361

کے پاس جانے کے لیے رکھے ہیں، ان سے بل جمع کروادیں؟"

نازو نے گھورا تو صرف کھنکار کر رہ گیا۔ سوچ تو ایسا ہی رہا تھا مگر اس بار نازو ضد پر اڑ گئی۔ علی نے ماں سے بات کی مگر حسب معمول خالدہ بیگم نے اسے جھاڑ دیا۔ کچھ دن کے بعد وہ دونوں ڈاکٹر پر چیک اپ کروانے گئے تو واپسی پر علی نے اماں کے پیسے بھی نکلوا لیے۔ علی بہت پریشان تھا کہ آج بل جمع کروانے کی آخری تاریخ بھی تھی۔

"زیادہ مت سوچیں۔ بل جمع کروادیں۔ اماں اپنے حصے کا ادا کریں۔ ہم اپنا کریں گے۔ صاف بات ہے۔"

نازو نے فیصلہ کن انداز میں کہا تو علی نے بل جمع کروادیا۔ گھر آ کر ماں کو سات ہزار کم دیے۔ وہ سمجھیں کہ اس مہینے اتنے پیسے ہی آئے ہیں۔ علی نے سوچا کہ کچھ دیر بعد فریش ہو کر ماں کو بتادے گا کہ بل جمع کروایا ہے مگر اس سے پہلے ہی ارم اپنی فیملی کے ساتھ پہنچ گئی۔ شہباز بھی بجلی کے بھاری بل کی وجہ سے پریشان تھا۔ اس لیے ارم سے کہا کہ اپنی ماں سے مدد مانگ لے۔ ان کے پاس بہت پیسے ہوں گے۔ ارم نے آتے ہی ماں سے پیسوں کا مطالبہ کیا تو انھوں نے بتادیا کہ اس مہینے پیسے کم ہیں۔ یہ سنتے ہی ان دونوں کا منہ بن گیا۔ شہباز فوراً واپس جانے کے لیے اٹھ گیا۔ گھر واپس آتے ہی وہ ارم سے لڑنے لگا کہ انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ دونوں کی بحث بڑھ گئی۔

"ابھی اظفر سے پوچھ لیتی ہوں۔"

اس نے غصے میں اظفر کو کال ملائی اور چالاکی سے پیسوں کے بارے میں پوچھنے لگی۔ سچ جانتے ہی اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ اگلے دن صبح سویرے دونوں خالدہ بیگم کے پاس پہنچ گئے اور ساری بات بتائی۔ یہ سنتے ہی ان کا پارہ چڑھ گیا۔ علی جو آفس کے لیے نکل رہا تھا۔ ماں کی آواز سن کر رک گیا۔

"حد ہے۔ ماں سے جھوٹ بولتے ہو۔ خود تو اتنی توفیق نہیں کہ ماں کا خیال رکھ سکو۔ اب میرے بچے کے پیسے چوری کرو گے؟ ضرور اپنی لاڈلی بیوی کی فرمائشیں پوری کی ہوں گی۔ کل وہ ساتھ گئی تھی ناں۔" خالدہ بیگم کی جلالی آواز سن کر نازو کچن سے باہر نکلی۔

"کوئی چوری نہیں کی۔ آپ جو سارا دن اے سی اور ٹی۔ وی لگا کر مزے کرتی ہیں اسی کا آدھا بل اس غریب بیٹے نے بھی دیا ہے اگر انصاف سے بل دیا جائے تو آپ کا حصہ آدھے سے بھی زیادہ بنتا ہے مگر یہ ان کی شرافت اور سعادت مندی ہے کہ خود تکلیف اٹھا کر بھی اس چیز کا بل ادا کر رہے ہیں جس کا سکھ دوسرے لوگ آ کر اٹھاتے ہیں۔"

نازو نے طنزیہ نگاہ ارم اور شہباز پر ڈالی جن کے چہرے سرخ ہو گئے۔

"ویسے آپ کو کیا فرق پڑتا ہے۔ اتنے پیسے تو آپ بیٹی اور داماد کو خوش کرنے کے لیے لٹا دیتی ہیں۔ چلو اس بار کسی کام آ گئے۔"

وہ منہ پھٹ انداز میں کہہ کر واپس چلی گئی۔ خالدہ بیگم نے سرخ چہرے کے ساتھ شرمندہ کھڑے علی کی طرف دیکھا۔

"اماں! معاف کردیں۔ بہت قرض چڑھ گیا ہے اگر بل جمع نہ کرواتا تو۔۔۔!" اس نے کچھ کہنا چاہا۔

"ارم! اظفر کو کال کر کے کہہ دو کہ اگلے مہینے سے شہباز کے نام پیسے بھیجا کرے۔ میرا اپنا بیٹا تو دھوکے باز نکلا ہے۔"

وہ غصے سے کہہ کر کمرے میں چلی گئیں۔ علی نم آنکھوں سے گھر سے نکلا۔ ارم اور شہباز بہت خوش تھے جبکہ نازو کو اس ہنگامے نے بہت تکلیف پہنچائی تھی۔

☆☆☆

دو مہینے سے پیسے شہباز کے اکاونٹ میں آ

رہے تھے۔ جس میں سے آتے ہی حسب معمول ارم اب من مرضی کی رقم رکھ لیتی تھی۔
"شہباز اتنی گرمی میں پیسے نکلوا کر لائے ہیں۔ اس لیے ٹریٹ تو بنتی ہے۔ میں نے چار ہزار رکھ لیے ہیں۔ انھیں باہر کھانا کھلا دوں گی۔"
ارم ہر بار یہ ضرور کہتی۔ خالدہ بیگم پہلو بدل کر رہ جاتیں کہ اسے منع کر کے وہ ناراض نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ گرمی شدید بڑھی تو لوڈ شیڈنگ بھی بڑھ گئی۔ اظفر نے سنا تو ماں کو یو۔ پی۔ ایس کے لیے پیسے بھیجنے کا وعدہ کر لیا اور اگلے مہینے اضافی رقم بھیج دی مگر ماں کو سرپرائز دینے کی لیے پہلے نہیں بتایا۔ صرف علی کو بتا دیا تا کہ وہ گھر میں یو پی ایس لگوا دے۔
"اس بار تو بڑی رقم آئی ہے۔" شہباز کی آنکھیں چمک اٹھی تھیں۔
"بھئی اماں کی قسمت ہے۔ بیٹے کے پیسے پر عیش کر رہی ہیں۔ حکم دیتی ہیں تو فوراً پیسے حاضر ہو جاتے ہیں۔" ارم نے جلے انداز میں کہا۔
"ہوں! اس بار تینوں بچوں کی فیسوں کے علاوہ، نئی کلاس کا سلیبس اور یونیفارم وغیرہ کا اضافی خرچا شامل ہے۔ میں فی الحال ان کے پیسے استعمال کر لوں گا۔ جب بونس ملے گا تو واپس کر دیں گے۔ تم فی الحال ذکر مت کرنا۔ اظفر سے بات کر لینا۔"
شہباز نے کہا تو ارم نے لاپروائی سے سر ہلا دیا۔ اگلے دن ماں کو آدھی رقم دے آئی۔ انھوں نے رکھ لیے۔ وہ نہیں جانتی تھیں کہ اظفر نے یو پی ایس کی رقم بھیج دی ہے۔ کچھ دن ایسے ہی گزر گئے جب اظفر کا فون آیا۔ وہ حیران تھا کہ ابھی تک اس نے ماں کی خوشی سے بھرپور آواز نہیں سنی۔ اس نے ماں سے یو پی ایس کے بارے میں پوچھا تو وہ چونک گئیں۔
"تم نے کب پیسے بھیجے تھے؟" وہ حیران رہ گئیں۔
"کیا؟ آپ کو شہباز بھائی اور ارم نے نہیں بتایا؟ یو پی ایس کے لیے اچھی خاصی رقم بھیجی ہے۔ اگلے مہینے میری فیملی یہاں آ رہی ہے۔ خرچے بہت بڑھ جائیں گے۔ اس لیے فوری یہ کام کیا تا کہ آپ پریشان نہ ہوں۔"
اس نے کہا۔ اسی وقت ارم اور شہباز بچوں کے ساتھ آ گئے۔
"اچھا تو ویڈیو کال پر اظفر سے بات ہو رہی ہے۔" ارم نے ہنستے ہوئے کہا تو اس نے فوراً بہن سے پیسوں کے بارے میں سوال کیا۔ دونوں میاں بیوی کے چہروں کا رنگ اڑ گیا۔
"میں اماں کو بتانے ہی والی تھی۔ دراصل بچوں کے نئی کلاسز میں داخلے ہوئے ہیں اور۔۔۔!"
اس نے تفصیل بتائی مگر اظفر اور خالدہ بیگم کے چہروں پر واضح ناگواری تھی۔
"بہت معذرت مگر تمھیں یہ رقم بتا کر استعمال کرنی چاہیے تھی۔ ویسے اماں بھی عجیب ہیں۔ سگے بیٹے کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتبار کریں گی تو ایسا ہی ہو گا۔ بہر حال کچھ مہینے کم پیسے بھیجوں گا۔ اماں اپنی سیونگ میں گزارہ کریں۔ ایک بار بچوں کے داخلے

خواتین ڈائجسٹ
کی طرف سے بہنوں کے لیے ایک اور ناول
زرد موسم
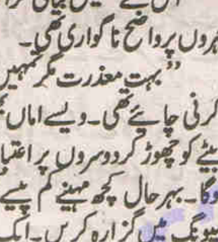

راحت جبیں
منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

ہو جائیں پھر اماں کو زیادہ خرچا بھیج دوں گا۔"
اس نے سنجیدگی سے کہا اور کال کاٹ دی۔ چائے کی ٹرے اٹھا کر اندر آتی نازو یہ سب دیکھ کر ہنس پڑی۔
"کیا یہاں مزاحیہ فلم چل رہی ہے جو تمہیں اتنی ہنسی آرہی ہے۔"
ارم نے ناگواری سے کہا تو اس نے نفی میں سر ہلایا اور ٹرے میز پر رکھی۔
"دراصل ارم باجی! آپ کی ایمان داری نے خوب مزا دیا ہے یعنی داماد، بیٹی کی کاریگری تو دیکھو۔ بیٹے اور بہو کی مجبوری پر تو دھوکہ دہی کا لیبل لگا دیا تھا۔ اب اسے کیا کہیں گے جائز دھوکا؟"
اس کی بات سن کر ارم اور شہباز نگاہیں چرانے لگے۔ خالدہ بیگم کو پہلی بار اپنی غلطی کا احساس شدت سے ہوا۔ علی نے نازو کو بہانے سے کمرے سے باہر بلایا اور ڈانٹنے لگا۔
"یہ وقت ہے ایسی باتیں کرنے کا؟ اماں پہلے ہی پریشان ہیں۔ شہباز بھائی یا ارم باجی برا مان گئیں تو؟ تو؟"
اس نے ناراضی سے کہا تو وہ گھورنے لگی۔
"ہمیں بھی برا لگتا ہے جب بات بات پر سامنے والے طنز یا شک کرتے ہوں۔"
رندھے لہجے میں کہتے ہوئے وہاں سے جانے لگی تو علی نے ہاتھ پکڑ کر روک لیا۔
"میں مانتا ہوں کہ سب کے رویے غلط ہیں اور تم بہت ہمت سے اس صورت حال کا سامنا کر رہی ہو مگر کیا ہم دونوں کے لیے یہ احساس کافی نہیں کہ ہر مشکل اور پریشانی میں ہم ساتھ ہیں۔ ایک دوسرے کے دکھ سکھ کے ساتھی۔" علی نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔
"صرف یہ تحفظ، یہ مان ہی تو ایک کمزور عورت کو چٹان کی طرح مضبوط بنا دیتا ہے۔"
دونوں اپنی محبت کی چھاؤں میں وقت اور حالات کی تلخ دھوپ کو بھلائے مسکرا رہے تھے۔

☆☆☆

اگلے دن نازو نے پہلے خالدہ بیگم کا ناشتہ بنایا اور ٹرے کمرے میں لے جانے لگی دروازے کے پاس پہنچ کر ٹھٹک گئی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اسے حیرت ہوئی کہ وہ اے۔سی کم ہی بند کرتی تھیں۔ اس لیے دروازہ ہمیشہ بند رہتا۔
"اظفر بیٹا! اگلے مہینے سے رقم علی کے اکاؤنٹ میں بھیجنا کیونکہ میں مجبوری اور دھوکے کا فرق جان گئی ہوں۔"
وہ آہستہ آواز میں کہہ کر دوسری طرف کی بات سننے لگیں۔
"ہاں مجھ سے غلطی ہوئی ہے، بلاوجہ علی اور نازو کے خلاف محاذ بنا کر رکھا۔ بہرحال کوشش کروں گی کہ سب ٹھیک کر سکوں۔ علی کے آفس جانے کا وقت ہو رہا ہے۔ میں اس کے ساتھ ناشتہ کر لوں۔ رات کو بات کروں گی۔"
انھوں نے جلدی سے کہہ کر فون بند کر دیا۔ نازو مسکراتی ہوئی واپس پلٹی۔ اپنے کمرے سے باہر نکلتا علی چونک گیا۔
"کیا اماں ناراض ہیں؟ ناشتہ کیوں واپس لے آئی ہو؟" وہ فکرمندی سے پوچھنے لگا تو اس نے نفی میں سر ہلایا۔
"اماں آج سے آپ کے ساتھ ہی ناشتہ کریں گی۔"
وہ مطمئن انداز میں کہہ کر میز کی طرف بڑھ گئی۔ علی حیرانی سے کبھی اسے اور کبھی کمرے سے نکلتی ماں کو دیکھ رہا تھا۔
"بیٹا! بت بن کر کھڑے رہو گے یا ماں کے ساتھ ناشتہ بھی کرو گے۔"
وہ مسکرا کر کہتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئیں۔ علی خوشی سے سرشار سر ہلاتا تیزی سے آگے بڑھا کہ اس لمحے کا انتظار تو اسے کب سے تھا۔

☆☆

ماہنامہ کرن

مارچ 2025ء کے شمارے کی ایک جھلک

- "ماہنامہ کرن" کی سالگرہ کے حوالے سے قارئین سے سروے،
- "خواتین کے عالمی دن" کے حوالے سے شاہین رشید کا سروے،
- مشہور نعت خواں "فائزہ کامران" کہتی ہیں "میری بھی سنیئے"،
- "تاش گھر" ایمل رضا کا سلسلے وار ناول،
- "گنوا کر دل و جاں ہم" اُمِ طیفور کا مکمل ناول،
- "لیٹر بکس" آسیہ رئیس خان کا مکمل ناول،
- "نخل وفا" فرح بخاری کا ناولٹ،
- "قمر النساء کی کہانی" نگہت سیما کا ناولٹ،
- "قیس جنگل میں اکیلا ہے" منشاء محسن علی کا ناولٹ،
- شازیہ ستار نایاب، عقیلہ ہاشمی، نازنین فردوس اور کرن نعمان کے افسانے اور مستقل سلسلے،
- **"کرن کتاب"**

دلچسپ معلوماتی مضامین اور مزے دار کھانوں کی ترکیبوں کے ساتھ،

مارچ 2025ء کا شمارہ شائع ہوگیا

عیشہ حسین

شعاع

مکمل ناول

پچھلی قسط کا خلاصہ

نورے المری انٹر پرائزز کے مالک ہاشم المری کی بیٹی کو اپنی کمپنی کے سی ای او حارث سے چڑ ہے وہ اسے اپنے باپ کی نظروں میں گرانا چاہتی ہے۔ جمال نورے کا کرپٹ کزن اس کا بھرپور ساتھ دیتا ہے۔ نورے اور حارث ایک دوسرے کی محبت میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔

ضرار اور فاطمہ کی لو میرج ہے ضرار کو بزنس میں مستقل نقصان ہو رہا ہے وہ ذہنی طور پر ٹوٹ چکا ہے۔ جمال اسے ہاشم المری سے پراجیکٹ کے سلسلے میں ملوانے کے بہانے کرتا ہے اور اسے شراب کی لت لگاتا ہے اس وجہ سے فاطمہ کا گھر ٹوٹنے کے قریب ہے۔ حارث نورے کو پروپوز کرتا ہے۔

دوسری اور آخری قسط

"مجھے دیر ہو گئی۔" وہ آہ بھر کے بولی تھی۔

"کاش میں نے تمہارا انتظار نہ کیا ہوتا اور کمپنی میں کسی سے اس کا نمبر لے لیتی۔" وہ پیچھے ہو کے بیٹھی تھی۔

"بالکل۔" نورے کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی "اب اگر کسی نے اس پہ لائن مارنے کی کوشش کی تو نورے المری سے برا کوئی نہیں ہوگا۔" وہ آنکھیں سکیڑ کے کانٹے سے اس کی جانب اشارہ کرتی بولی تھی۔

"خانم کہتی ہے جس مرد کی آنکھوں میں کوئی دوسری عورت ہو، اس سے ایسے بچتے ہیں جیسے کوڑھ کے مریضوں سے۔" وہ کندھے اچکا کے بولی تھی۔

"اور جینی اپنی گرو ماں کی بات کبھی نہیں ٹالتی۔"

"باقی عورتوں کے بارے میں میں البتہ کچھ نہیں کہہ سکتی!" وہ ٹیبل پہ کہنی جما کے چہرہ ہاتھ پہ ٹکائے بولی تھی اور پلکیں جھپکا کے اسے دیکھا تھا۔

"حارث کریم سمیت باقی عورتوں کو میں دیکھ لوں گی۔" وہ نیپکن سے ہونٹ تھپتھپاتی بولی تھی اور دونوں ہنسی تھیں۔

"چچ چچ۔ بے چارا حارث!" جینی کو اس پہ ترس آیا تھا اور نورے نے جوس کا گلاس اٹھایا تھا۔

"بے چارا؟ المری انٹر پرائزز کے سی ای او کی ہونہار بیٹی ہوں میں۔" اس نے ایک طنزیہ نظر جینی پہ ڈالی تھی۔

☆☆☆

سب لوگ کانفرنس روم میں بیٹھے توجہ سے سامنے بولتے جمال کو سن رہے تھے وہ کوئی نیا بزنس آئیڈیا پیش کر رہا تھا۔ بات مکمل کر کے اس نے باری باری سب کو دیکھا تھا۔ اور ہاشم المری نے ستائش سے سکرین پہ چلتی تصویروں کو دیکھا تھا۔

حارث ٹیبل کے دائیں طرف بیٹھا تھا اور نورے بائیں طرف ذرا سا پیچھے۔ حارث نے پلٹ کے اسے دیکھا تھا اور دونوں نے معنی خیز نظروں کا تبادلہ کیا تھا۔ لاکھوں کروڑوں ڈالرز کا وہ پراجیکٹ منظور ہو گیا تھا۔ وہ پراجیکٹ جو ضرار کی اتنے سالوں کی محنت تھا۔

pklibrary.com

"جمال کو کب سے ایسے پلانز بنانے آ گئے؟" نورے بولی تھی۔ وہ دونوں المری انٹر پرائزز کی سیاہ اور سفید راہداری میں آگے بڑھ رہے تھے۔

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" حارث نے سر ہلایا تھا۔ "اس بزنس پلان پہ وقت لگا ہے جو جمال نہیں دے سکتا۔"

"آف کورس یہ دنوں یا ہفتوں کا کام تو ہرگز نہیں ہے۔" نورے دائیں طرف سے بال کانوں کے پیچھے اڑستی بولی تھی۔ وہ دونوں لفٹ کے سامنے رکے تھے۔ حارث نے لفٹ کا بٹن دبایا تھا۔ چند لمحے انتظار کیا تھا اور پھر لفٹ کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ اندر آئے تھے۔

"نورے؟" حارث نے جیبوں میں ہاتھ ڈالے ذرا سی گردن موڑ کے اسے دیکھا تھا۔ لفٹ میں حارث کے مخصوص پرفیوم کی خوشبو پھیلی تھی۔ نورے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے تم سے ایک ضروری بات کرنی ہے۔"

"ہاں بولیں۔" نورے سینے پہ ہاتھ باندھے پورا اس کی جانب گھومی تھی۔

"یہاں نہیں۔" حارث نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "کہیں باہر نہیں مل سکتے آج؟"

"اوکے مجھے جگہ ٹیکسٹ کر دینا میں آ جاؤں گی۔ لیکن زیادہ دیر نہیں رک سکوں گی۔" وہ مسکرائی تھی۔ "ڈیڈ کے ساتھ ایک ڈنر پہ جانا ہے۔"

حارث نے سر ہلا دیا تھا۔ نورے نے سینے پہ ہاتھ باندھے چند لمحے انتظار کیا تھا۔

"شادی شدہ تو نہیں ہیں نا آپ؟" نورے اس کے دیئے لاکٹ کو ہاتھ سے چھوتے ہوئے بولی تھی اور اس کی شکل دیکھی تھی۔ حارث نے مسکراہٹ دبائی تھی اور سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"دو بچے بھی ہیں میرے!" وہ مصنوعی افسردگی سے بولا تھا۔

لفٹ کا دروازہ کھلا تھا اور وہ باہر نکلا تھا۔ نورے سانس روکے وہیں کھڑی تھی اور حارث پلٹا تھا۔

"مذاق کر رہا ہوں یار!"

نورے باہر آئی تھی اور فائل اس کے بازو پہ ماری تھی۔

"پھر؟ لڑکی کا معاملہ ہے؟" اس نے آگے بڑھتے ہوئے ایک اور سوال کیا تھا ذہن کے پردے پہ وہ پیچ فراک پہنے لڑکی کا خوب صورت چہرہ واضح ہوا تھا۔ حارث نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"غریب ہو؟" نورے نے اب کے مسکراہٹ دبائی تھی۔

"میڈم میں المری انٹرپرائزز کا ایم ڈی ہوں۔" وہ مسکرایا تھا۔ اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑا تھا۔

"پھر ہاشم المری سے بھی زیادہ امیر ہو؟" نورے کا آفس قریب آ گیا تھا۔

حارث نے پھر سے سر نفی میں ہلایا تھا۔ اس نے کریم انڈسٹریز اور المری انٹر پرائزز کا کبھی موازنہ نہ کیا ہی نہیں تھا۔

"فیملی پرابلم؟" نورے اپنے آفس کے سامنے رکی تھی۔

"کہہ سکتے ہیں۔" حارث بے یقین لگتا تھا۔

"اوکے شام کو ملتے ہیں۔" وہ اپنے آفس میں آ گئی تھی۔ فیملی پرابلم سے ڈیل کیا جا سکتا تھا۔

حارث واپس لفٹ کی طرف آیا تھا اس کا آفس نچلے فلور پہ تھا۔ ☆☆☆

حارث اپنے آفس میں بیٹھا کام کر رہا تھا جب ہاشم کی سیکریٹری نے اسے آفس میں آنے کا کہا تھا۔ وہ اوپر والے فلور پہ آیا تھا اور سامنے سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے جمال گنگناتا ہوا اس کے پاس سے گزرا تھا۔ حارث کا ماتھا ٹھنکا تھا۔ کچھ غلط تھا۔

جمال کو وہ اس بات کا پورا کریڈٹ دیتا تھا کہ اسے انسانوں کو چلانا آتا تھا۔ اپنے اسی ہنر کی وجہ سے وہ یہاں ٹکا ہوا تھا۔ وہ آفس کے اندر آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح اندر اس کی مخصوص خوشبو پھیلی تھی۔ سامنے سگار کا کش لیتے ہاشم المری نے اسے دیکھا تھا۔

"سر! آپ نے بلایا تھا؟"

وہ پچپن سال کا ایک پرکشش آدمی تھا جس کے بال قلموں سے سفید تھے۔

"تمہارا پورا نام کیا ہے حارث؟"

"حارث احمد کریم۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا تھا۔ اسے دیر ہو گئی تھی۔

"باپ کا نام؟"

"احمد علی کریم۔" اس نے ان کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کی تھی۔

"کریم انڈسٹریز کا مالک؟ رائٹ؟" ہاشم اپنے ہاتھ میں موجود سگار کو دیکھتے ہوئے بولے تھے۔

"یس سر!" حارث نے سر ہلایا تھا۔

"اور تمہاری ماں؟ اس کا نام کیا ہے؟" وہ اسے نہیں دیکھ رہے تھے۔ وہ راکنگ چیئر موڑے دیوار گیر کھڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

"میری ماں مر چکی ہے۔" حارث دو قدم آگے آیا تھا۔

"اور تمہاری سوتیلی ماں؟" ہاشم نے اس کی بات کاٹی تھی۔ "اس کا نام کیا ہے؟"

"فریدہ۔" حارث رکا تھا "فریدہ کریم۔"

"اور فریدہ کریم کا سر نیم پہلے کیا تھا؟" ہاشم نے سگار ہونٹوں سے الگ کیا تھا۔

"فریدہ ہاشم۔" حارث کے کندھے ذرا ڈھلکے تھے۔

"رائٹ۔" وہ اپنی جگہ پہ کھڑے ہوئے تھے "دنیا میں اگر مجھے کسی ایک خاندان سے نفرت ہے اور جس سے میں کسی قسم کا کوئی تعلق نہیں رکھنا چاہتا تو وہ تمہارا خاندان ہے حارث۔"

"آئی ایم سوری سر۔" حارث نے اعتماد سے ان کو دیکھا تھا۔ "مجھے لگا تھا کمپنی کو میرے سر نیم سے نہیں کام سے فرق پڑتا ہے۔"

"کمپنی کو نہیں مجھے فرق پڑتا ہے۔" ہاشم نے اسے سر سے پیر تک دیکھا تھا۔ "کس مشن پہ بھیجا ہے انہوں نے تمہیں، نورے؟"

حارث نے شکوہ کناں نظروں سے ان کو دیکھا تھا۔

"ہم ایک سال سے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ آپ اس فیلڈ میں اتنے سالوں سے ہیں۔ آپ کو انسانوں کی پرکھ ہے۔ آپ کو لگتا ہے میں ایسے کسی مشن پہ آیا ہوں؟"

"انسانوں کی پرکھ ہی تو نہیں ہے مجھے۔" ہاشم سخت لہجے میں بولے تھے۔ "ریزائن کر دو حارث۔ میں تمہیں ٹرمینیٹ کروں گا تو کہیں نوکری نہیں ملے گی۔" ہاشم نے اس کی شکل دیکھتے ہوئے ایک فائل اس کی جانب کھسکائی تھی۔

"میں بھی نا۔ تمہیں نوکری کی کیا ضرورت ہے بھلا۔" وہ جیسے خود پہ ہنسے تھے۔

حارث نے فائل اٹھائی تھی اور باہر نکل گیا تھا۔ فائل کھول کے دیکھی تھی اور سیکریٹری کے پاس رکا تھا۔

"یہ فائل سر کو کس نے بھجوائی ہے جمال؟"

سیکرٹری نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"یہ مس نورے نے بھجوائی تھی۔"

اور اس لمحے حارث کو لگا تھا کسی نے اس کے پیروں کے نیچے سے زمین کھینچ لی تھی۔ دھواں دھواں چہرے کے ساتھ وہ اپنے آفس میں آیا تھا اور سیکرٹری کو دیکھا تھا۔

"میں ریزائن کر رہا ہوں۔ لیٹر تیار کرو۔" وہ اندر آفس میں گم ہو گیا تھا۔

ایم ڈی کے ریزائن کرنے کی خبر منٹوں میں پھیلی تھی۔ نورے اپنے ڈیپارٹمنٹ میں ایک میٹنگ میں موجود تھی۔ جب اس کے کان میں لگے آلے میں اس کے سیکرٹری کی آواز گونجی تھی۔ وہ ایکسکیوز کر کے باہر آئی تھی۔ اسٹاف نے اسے معنی خیز نظروں سے دیکھا تھا۔ وہ تیز تیز چل کے اس کے آفس میں آئی تھی۔ سامنے حارث سپاٹ چہرے کے ساتھ دراز کھنگال رہا تھا۔

"آپ ریزائن کر رہے ہیں؟" نورے کی آواز میں حیرت تھی۔

pklibrary.com

حارث نے کھٹاک سے دراز بند کی اور آنکھوں میں چبھن لیے اسے دیکھا تھا۔ دم ڈریمر کی مانوس سی خوشبو نے ہمیشہ کی طرح اس کا استقبال کیا تھا۔

''لیس!''

''کیوں؟'' نورے نے اس کے تیور دیکھے تھے۔ اور وہ ٹیبل کے پیچھے سے نکل کے سامنے آیا تھا اور ایک فائل اسے تھمائی تھی۔

''یہ تو مجھے آپ سے پوچھنا چاہیے۔'' وہ سلگتی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔

''ہوا کیا ہے؟'' نورے نے اسے ایسے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

''مجھے لگا تھا آپ ...... خیر آپ مجھے صرف راستے سے ہٹانے کی کوشش کر رہی تھیں۔''

وہ سامان سے بھرا باکس اٹھائے آگے بڑھا تھا جب نورے نے اس کا بازو پکڑ کے روکا تھا۔ وہ رک گیا تھا اور گلہ آمیز نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ نورے پہ اس سے زیادہ غصہ وہ کوشش سے بھی نہیں کر سکتا تھا۔

''حارث! میں ایسا کیسے کر سکتی ہوں؟'' نا دہی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے اس نے بازو چھوڑا تھا۔ ''ہوا کیا ہے؟''

حارث نے اس کا چہرہ دیکھا تھا واقعی وہ ایسا کیسے کر سکتی تھی؟

''فائل دیکھو!'' وہ گہرا سانس لے کے بولا تھا ''سر کو کسی نے یہ فائل بھیجی ہے۔ سیکرٹری نے کہا تم نے بھجوائی ہے۔''

''میں نے نہیں بھجوائی یہ'' فائل کھولتے ہی اس کے ہاتھ رک گئے تھے ''یہ جمال کا کام ہے۔''

نورے نے فائل کھولی تھی اور صفحے پلٹے تھے۔ اس کا منہ حیرت سے کھلا تھا۔ اس میں حارث کی فیملی کی تصویریں اور باقی ڈیٹیلز تھیں۔ وہ اس کی ماں فریدہ المری کا سوتیلا بیٹا تھا۔

''حارث؟'' نورے نے ماتھا چھوا تھا۔ ''پہلے کیوں نہیں بتایا؟'' وہ سانس روک کے اسے دیکھے گئی تھی۔

''میں آج بتانے والا تھا۔'' حارث نے باکس قریب ٹیبل پہ رکھا تھا اور اسے دیکھا تھا۔

''میں نے جب یہاں اپلائی کیا تھا تب مجھے اس بارے میں بالکل نہیں پتا تھا۔''

نورے نے لب کاٹتے ہوئے بس اسے دیکھا تھا۔ وہ جانتی تھی آگے کون سا طوفان ان کا منتظر تھا۔

''ابھی آپ جائیں پلیز شام کو ملتے ہیں۔'' اس کا دماغ سن ہو گیا تھا۔

''اوکے!'' حارث نے اسے دیکھا تھا اور دروازے کے پاس پہنچ کی وہ رکا تھا'' آپ آئیں گی نا؟''

''آف کورس۔'' نورے نے مسکرانے کی کوشش کی تھی۔

''وعدہ کرو نورے المری!'' اس نے ابرو اچکا کے اسے دیکھا تھا۔ اور نورے کو اس پہ ترس اور پیار ایک ساتھ آیا تھا۔ وہ آنکھوں میں بے بسی اور خوف لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

''وعدہ کرتی ہوں حارث احمد کریم کے میں ضرور آؤں گی۔'' نورے کے گلے میں گولا سا پھنسا تھا ''میرا راستہ کوئی بھی ہو منزل آپ ہی ہیں۔''

وہ چند لمحے کھڑا اسے دیکھے گیا تھا اور پھر باہر نکل گیا تھا۔ پیچھے نورے اس کے ٹیبل سے ٹیک لگا کے کھڑی ہوئی تھی اور شکوہ کناں نظروں سے اوپر دیکھا تھا۔

''دنیا میں آٹھ ارب انسان ہیں اللہ میاں۔ پھر حارث فریدہ المری کا رشتہ دار ہی کیوں نکلا؟'' وہ افسردگی سے بڑبڑائی تھی۔

☆☆☆

فائل پکڑے وہ باپ کے آفس میں آئی تھی۔

''ڈیڈ آپ نے حارث کو نکال دیا؟'' وہ آج پھر سفید لباس میں دستک دے کے عجلت میں اندر آئی تھی اور ڈائریکٹ سوال پوچھا تھا۔

''وہ یہی ڈیزرو کرتا ہے۔'' ہاشم کام میں

pklibrary.com

مصروف ہر احساس سے عاری لہجے میں بولے تھے۔
"اس بات سے کیا فرق پڑتا ہے ڈیڈ کے وہ کس کا بیٹا ہے۔ کمپنی کو اس کے کام سے غرض ہے۔ آپ ایسے کیسے......"
ہاشم نے سپاٹ نظروں سے اسے دیکھا تھا اور اس کی بات کاٹی تھی۔
"یہ میری کمپنی ہے نورے۔" انہوں نے انگلی سے سینے پہ دستک دی تھی "یہاں کون رہے گا اور کون نہیں اس کا فیصلہ میں کروں گا۔ ناؤ لیو می الون" وہ سخت لہجے میں بولے تھے۔
نورے خاموشی سے پیچھے ہٹی اور پھر باہر نکل گئی تھی۔ وہ غصے میں تھے ان سے ابھی بات کرنا ٹھیک نہیں تھا۔ ہاشم المری کے ہاتھ رکے تھے حارث کی اتنی طرف داری، وہ بھی نورے کی جانب سے! وہ اس کا مطلب سمجھ گئے تھے۔
باہر نورے نے سیکرٹری کو دیکھا تھا۔
"یہ فائل کس نے بھجوائی ہے؟"
"آپ نے۔" سیکرٹری نے اسے دیکھا تھا۔
"میں نے؟" نورے نے اسے گھورا تھا "کب؟"
"جمال سر کے سیکرٹری نے مجھے دی تھی اور کہا تھا کہ ہاشم سر سے کہہ دوں نورے نے بھجوائی ہے۔"
نورے نے فائل لا کے اپنے آفس میں پھینکی تھی اور مٹھیاں بھینچ کر دانت پیسے تھے۔
"جمال! خدا کی قسم تمہیں تو میں چھوڑوں گی نہیں۔"

☆☆☆

وہ ایک کیفے میں بیٹھے تھے۔ کیفے میں کافی کی کڑوی مہک اور بیک ہوئی اشیاء کی خوشبو پھیلی تھی۔
"مجھے جب جاب ملی تھی تب یہ نہیں پتا تھا کہ وہ فریدہ آنٹی کے ایکس ہزبینڈ ہیں۔ بعد میں مجھے پتا چلا لیکن تب تک میں جاب چھوڑنے کی پوزیشن میں نہیں تھا۔ میری ایک بزنس پراجیکٹ پہ ڈیڈ سے لڑائی ہوئی تھی۔ نوبت یہاں تک آ گئی کہ انہوں نے کہا۔ میں ان کے بغیر سروائیو نہیں کر سکتا اور مجھے ان کو غلط ثابت کرنا تھا۔ میں جانتا تھا، جلد ہی ان کو اپنی غلطی کا اندازہ ہو گا اور وہ مجھے کال کریں گے۔ میں خاموشی سے ریزائن کر کے واپس چلا جاؤں گا۔ کسی کو پتا نہیں چلے گا بعد میں، میں ہاشم سر سے ایکسکیوز کر لوں گا۔ سب موو آن کر چکے تھے نا رائٹ؟" وہ ہاتھ اٹھا کے بولا تھا۔
"مجھے لگا تھا کہ میرے سرنیم سے واقعی کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ لیکن میں نے اپنی ایگو کے چکر میں سب کچھ خراب کر دیا۔" اس نے سانس لیا تھا۔
"ہاشم سر پتا نہیں کس غلط فہمی کا شکار ہو رہے ہیں۔" وہ رکا تھا۔ "میں کوئی پلان کر کے آپ کو پھنسانے کی نیت سے نہیں آیا تھا نورے۔ بھروسا ہے نا؟"
نورے نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"پہلے کیوں نہیں بتایا حارث؟" نورے ٹیبل پہ کہنی جمائے چہرہ بند مٹھی پہ ٹکائے بیٹھی تھی۔
"مجھے لگا آپ مجھے ڈمپ کر دیں گی۔ آئی ایم سوری۔" حارث گردن موڑے دائیں طرف دیکھتا بولا تھا۔ اور نورے نے گہرا سانس لیا تھا۔
"تمہاری مام نے ڈائیورس کیوں لی تھی ہاشم سر سے؟" حارث نے چہرہ موڑ کے اسے دیکھا تھا۔
"فیملی کے پریشر میں شادی کی تھی۔ وہ تمہارے ڈیڈ کو پسند کرتی تھیں۔" وہ چہرہ جھکائے اپنے ان چھوئے کافی کے کپ کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔
"یقین نہیں آتا کوئی ہاشم المری کو بھی چھوڑ سکتا ہے؟" حارث کو ہاشم المری کا وجیہہ چہرہ یاد آیا تھا۔ وہ اب اتنے ہینڈسم تھے تو جوانی میں کیسے ہوں گے!
"فریدہ المری چھوڑ سکتی ہے۔" وہ زخمی سا مسکرائی تھی "وہ کیسی ہیں؟" حارث نے اس کی شکل دیکھی تھی۔
"ان کی ڈیتھ ہو چکی ہے۔"
اور نورے نے سانس روک کے گردن اٹھا کے

اسے دیکھا تھا۔
"کب؟"
"حسن کے پیدا ہونے کے بعد۔ ہارٹ فیل ہوا تھا۔ کچھ عرصہ ہی ہوا ہے۔ تمہیں نہیں پتا؟"
حارث نے حیرانی سے اسے دیکھا تھا۔
نورے نے سر دائیں بائیں ہلایا تھا اور گردن موڑی تھی۔ آنکھوں میں ایک دم جیسے ڈھیر سارے آنسو اکٹھے ہوئے تھے۔
"میں نے کبھی ڈیڈ سے پوچھا ہی نہیں اور نہ ہی انہوں نے کبھی بتایا ہے۔" اس کا گلا رندھا تھا۔
"تو حسن ہم دونوں کا بھائی ہے۔" وہ سوگواری سے مسکرائی تھی اور انگلی کی پور سے آنسوؤں کو صاف کیا تھا۔ حارث نے اسے دیکھا تھا۔ وہ آج تھکی تھکی لگ رہی تھی۔
"آئی ایم سوری۔ میں سمجھ سکتا ہوں۔"
"تمہارے ڈیڈ فریدہ آنٹی اور ہم سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟" وہ کچھ یاد آنے پہ بولا تھا۔
نورے جو دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے بیٹھی تھی سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔
"یہ کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ وہ اپنی دس بارہ سال کی بیٹی اور شوہر کو چھوڑ کے گئی تھیں آپ کے ڈیڈ کے پاس۔" وہ تھکے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی تھی۔ اور پھر حارث نے جیب سے ایک ڈائمنڈ رنگ نکال کے اس کی طرف بڑھائی تھی۔
"شادی کریں گی؟" وہ آنکھوں میں امید اور خوف کے ملے جلے تاثرات لیے بولا تھا۔
"پلیز انکار مت کرنا۔" لہجے میں التجا تھی۔
"جب تم المری انٹر پرائزز میں آئی تھیں تب میرے سارے حساب کتاب غلط ہو گئے تھے۔ اب تو آسٹریا واپس جانے کا بھی دل نہیں کرتا۔" وہ بے بسی سے بولا تھا۔
"میں اب تمہارے بغیر واپس نہیں جاؤں گا نورے۔"
نورے پھیکا سا مسکرائی تھی اور انگوٹھی اس سے لے کے پہنی تھی۔ سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"آپ کے ہاں تحفے پیک کرنے کا رواج نہیں ہے؟" نورے نے اس کی شکل دیکھی تھی۔ حارث کی آنکھوں میں ایک ساتھ کئی جگنو چمکے تھے۔
"نہیں۔" حارث مسکرایا تھا اور اس نے سر نفی میں ہلایا تھا۔
"رولز کو فالو جو نہیں کرتے۔" وہ کافی کے کپ اٹھا کے گھونٹ بھرتی بولی تھی۔ بائیں ہاتھ میں تیسری انگلی پہ پہنی انگوٹھی کا سفید ہیرا جگمگا رہا تھا۔
"اسی لیے تو نورے المری سے ملا ہوں۔" حارث نے بھی اپنا کپ اٹھایا تھا۔ "ورنہ اس وقت آسٹریا کے کسی آفس میں ہوتا۔"
"تھینکس۔" نورے مسکرائی تھی۔
"رولز نا فالو کرنے کے لیے؟" حارث کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑا تھا۔
"ضدی ہونے کے لیے اور۔" اس نے بایاں ہاتھ سامنے کیا تھا "اس انگوٹھی کے لیے۔" وہ اداس آنکھوں سے مسکرائی تھی "اور شادی کے لیے۔"
"تمہارے ڈیڈ مان جائیں گے؟"
"میں ان کو مناؤں گی تو مان جائیں گے۔" وہ اعتماد سے مسکرائی تھی۔ اور انگوٹھی کا نازک ہیرا دیکھتے ہوئے اسے کچھ یاد آیا تھا۔
"مام کی تصویریں ہیں آپ کے پاس۔"
"فیملی فوٹوز ہوں گی۔" وہ موبائل نکالتے ہوئے بولا۔ "حسن سے منگوا دوں؟"
نورے نے آنکھوں میں نمی لیے سر اثبات میں ہلایا تھا "پلیز!"
اور حارث اس سے تھوڑے فاصلے پر آ کر کرسی کھینچ کے بیٹھا تھا اور موبائل اس کی جانب بڑھایا تھا۔
"آگے کرتی جاؤ۔" وہ اسے دیکھتے ہوئے بولا تھا۔
"وہ مجھ سے ملنے کبھی کیوں نہیں آئیں۔" وہ

pklibrary.com

فریدہ کی ایک فیملی فوٹو زوم کر کے دیکھتی بولی تھی۔ فریدہ کریم بہت خوب صورت تھیں۔

''ان باتوں کا اب کیا فائدہ؟'' حارث نے کافی کا گھونٹ بھرا تھا۔

''میں ڈیڈ سے نہیں پوچھتی کیونکہ وہ ہرٹ ہوں گے۔ لیکن حارث انہوں نے کبھی ذکر نہیں کیا۔ تم تو ان کے ساتھ رہے تھے۔''

''شاید ہاشم سر نے کہا تھا۔'' وہ ڈھکے چھپے لفظوں میں بولا تھا اور نورے نے سر ہلایا تھا۔ اس نے آج تک اپنے باپ کے منہ سے فریدہ کا ذکر نہیں سنا تھا وہ کتنی نفرت کرتے تھے وہ سمجھ سکتی تھی۔

☆☆☆

چھ سال بعد ہونے والی ملاقات بھی تقریباً ختم ہو رہی تھی۔ آسمان جامنی پڑ رہا تھا اور اس پہ موجود گلابی بادل اب سفید ہو رہے تھے۔ سڑک پہ دائیں جانب سے سیاہ رولز رائس اس طرف آئی تھی اور ضرار نے فاطمہ کو دیکھا تھا۔

''تھینکس تمہارے ایک فیصلے نے ہم دونوں کی زندگی بچالی۔''

فاطمہ بس پھیکا سا مسکرائی تھی اور قریب آتی گاڑی کو دیکھا تھا۔

''ضرار! مجھے تم سے بات کرنا ہے؟'' اس کے گلے میں گولا سا پھنسا تھا۔ ضرار پورا اس کی جانب گھوما تھا اور سوالیہ نظروں سے اس کے خوب صورت چہرے کو دیکھا تھا۔

''مجھے ڈرائیورس چاہیے۔ اب ہم آگے بڑھ چکے ہیں اور کوئی ریزن بھی نہیں بچا۔''

ضرار نے سر اثبات میں ہلایا تھا دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں بھینچا تھا۔

''میں اپنے لائیر سے کہہ کے پیپرز تیار کرواتا ہوں۔''

ان کے سر پہ موجود آسمان اب دھیرے دھیرے سیاہ ہو رہا تھا۔

''او کے۔'' فاطمہ نے موبائل پہ آئے میسج کو دیکھا تھا اس کی دوست بس آنے والی تھی۔

''میں اب چلتی ہوں۔'' وہ آگے بڑھی اور پھر رک کے اسے دیکھا تھا۔

''شادی کر لو ضرار!''

''کرنے والا ہوں فاطمہ۔'' وہ اسی کے لہجے میں بولا تھا۔

''کس سے؟'' فاطمہ نے بے اختیار پوچھا۔

''نورے المری سے۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بولا تھا اور فاطمہ سر ہلا کے پلٹ گئی تھی۔ وہ دونوں مخالف سمت میں آگے بڑھے تھے۔ اس کی بڑی بڑی خوب صورت آنکھوں میں اکٹھے ہوئے آنسو گالوں پہ بہے تھے۔ ضرار نے آج بھی نہیں روکا تھا۔ فاطمہ نے ہتھیلی کی پشت سے گالوں کو رگڑا تھا۔

''ساتھ رہنا ہماری قسمت میں ہی نہیں تھا فاطمہ'' اس نے اپنا غم اپنے ساتھ بانٹا تھا۔ چھوڑنا تکلیف دہ تھا وہ جانتی تھی لیکن اتنی تکلیف!

سیاہ رولز رائس ضرار کے سامنے رکی تھی اور وہ اندر بیٹھ گیا، سیٹ سے سر ٹکایا تھا۔ وہ آج بھی نہیں روک سکا تھا اس کا گلٹ اور یہ خوف کے وہ نہیں مانے گی ہمیشہ اسے روک دیتا تھا۔ دست بردار ہونا اذیت ناک تھا وہ جانتا تھا لیکن اتنی اذیت!

☆☆☆

لفٹ کا دروازہ کھلا تھا۔ وہ دونوں ساتھ ساتھ باہر نکلے اور لاؤنج میں آگے بڑھے تھے۔

''تھینکس حارث، ہر چیز کے لیے۔'' وہ داخلی دروازہ دھکیل کے باہر نکلتی بولی تھی۔ حارث نے سر کو خم دیا تھا۔

''شادی کر چکے ہو؟'' وہ کوٹ بازو پہ ڈالے ست روی سے آگے بڑھتی بولی تھی لہجہ سرسری سا تھا۔

''کرنے والا ہوں۔'' حارث نے گردن ذرا سی موڑ کے اس کا چہرہ دیکھا تھا ''تم کب شادی کر رہی ہو؟''

''کچھ مہینوں تک۔'' نورے بولی تھی اور حارث کے دل کو دھکا لگا تھا۔

pklibrary.com

''کس کے ساتھ؟'' حارث کو اپنی آواز کسی کنویں سے آتی محسوس ہوئی تھی۔

''ضرار ملک کے ساتھ۔''

حارث نے سر ہلا دیا تھا۔

وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں آئے تھے اور اپنی اپنی کار کو ان لاک کیا تھا۔ بیک سیٹ کا دروازہ کھول کے نورے نے کوٹ اور بیگ اندر رکھے تھے۔

''بائے!'' نورے نے ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا اور ایک الوداعی نظر اس پہ ڈال کر گاڑی کے اندر بیٹھ گئی تھی۔

''بائے۔'' حارث بھی گاڑی میں بیٹھ گیا تھا۔ گاڑی ریورس کر کے وہ پارکنگ لاٹ سے نکل گیا تھا۔ پیچھے نورے کا دل خالی ہو گیا تھا اس نے چہرہ دونوں ہاتھوں میں چھپا لیا، آنسو بند توڑ کے باہر نکلے تھے۔

''زندگی ایسی ہی ہے نورے!'' اس نے خود کو تسلی دی تھی۔ نورے نے اس پہ دل ہارا تھا کیا تھا وہ جانتی تھی لیکن اس نے ایک بار بھی شادی کا سن کر بھی روکنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

☆☆☆

ضرار اور فاطمہ پاکستان آ چکے تھے۔ آج مہندی کا فنکشن تھا۔ فاطمہ نے پیلے رنگ کی خوب صورت پورے آستینوں والی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ لمبے سیاہ بال کمر پہ گرے تھے، ہاتھوں پہ مہندی لگا رکھی تھی اور کلائیوں میں سرخ اور سفید گلابوں کے گجرے تھے۔ اسٹیج پہ ضرار کی چھوٹی بہن دلہن بنی بیٹھی تھی اور فاطمہ قریب کھڑی اس کا دوپٹہ ٹھیک کر رہی تھی۔

''فاطمہ! بھائی کو کیا ہوا ہے؟'' سمیعہ اپنے گجرے ٹھیک کرتے ہوئے بولی تھی۔

''کیوں؟'' فاطمہ کا دل دھڑکا تھا۔ ''کچھ کہا ہے اس نے تم سے؟''

''نہیں۔ بس بھائی چپ چپ ہیں۔ ایسے چپ تو وہ کبھی نہیں ہوئے تھے۔ پہلے سے کمزور بھی لگ رہے ہیں۔ جہاں وہ سب لوگ اکٹھے ہو کے بیٹھتے ہیں بھائی وہاں سے چلے جاتے ہیں۔ چھوٹی چھوٹی بات پہ نوکروں پہ غصہ کرتے ہیں۔'' وہ مغموم سی بولی تھی اور پھر فاطمہ کی شکل دیکھی تھی۔ ''آپ دونوں کی کوئی لڑائی ہوئی ہے کیا؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔'' فاطمہ نے مسکرانے کی کوشش کی تھی ''ضرار کا بزنس کا کوئی مسئلہ ہے۔ باقی سب تو ٹھیک ہے۔''

''بھاڑ میں جائے ایسا بزنس جو انسان کا ذہنی سکون تباہ کر دے۔'' سمیعہ نے گہرا سانس لیا تھا۔

''بھاڑ میں ہی تو نہیں جھونکتا وہ۔'' فاطمہ بس مسکرائی تھی اور اسٹیج سے نیچے اتر آئی تھی۔ ساڑھی کا پلو سنبھالتی وہ آگے آئی تھی اور پورے لان میں نظر گھما کے ضرار کو ڈھونڈنے کی کوشش کی تھی۔ اتنے میں اس کے بھائی نے اسے بازو سے پکڑ کے روکا تھا۔

''ضرار بھائی کو کیا ہوا ہے؟''

فاطمہ نے گہرا سانس لیا تھا اور مسکرا کر اس کی شکل دیکھی تھی۔

''بس بزنس کی ٹینشن ہے ان کو یار۔''

اس کے بھائی نے سر ہلایا تھا۔

''تمہارے ساتھ تو ٹھیک ہیں نا۔'' اس نے اسکین کرتی نظروں سے فاطمہ کو دیکھا تھا اور فاطمہ نے تھوک نگلا تھا۔

''بالکل بہت اچھے ہیں۔ اور تم میری فکر چھوڑو اور اپنی شادی انجوائے کرو جواد۔'' فاطمہ نے نرمی سے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرا تھا۔

''کوئی بھی مسئلہ ہو تو تم نے مجھے بتانا ہے۔ اوکے؟'' جواد نے اسے دیکھا تھا۔

''اب کیا مسئلہ کر سکتے ہیں یہ لوگ بیٹی ہے ان کی ہمارے گھر۔'' وہ شرارت سے مسکرا کے بولی تھی۔ جواد بھی مسکرایا تھا اور نرمی سے اس کا سر تھپک کے آگے بڑھ گیا تھا۔ برقی قمقموں اور گیندے کے پھولوں سے لان کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ وہ آگے آئی تھی تو ضرار کے بڑے بھائی نے اسے روکا فاطمہ نے گہرا سانس لیا اور ان کو دیکھا تھا۔

دور ضرار باہر سے اندر آیا تھا اور ٹیبل ٹھیک

pklibrary.com

کرتے ایک ویٹر کے پاس رکا تھا۔ وہ ٹیبل ٹھیک کر رہا تھا لیکن دھیان سامنے تھا۔ ضرار نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تھا۔ سامنے پیلی ساڑھی میں فاطمہ کھڑی اس کے بڑے بھائی سے کوئی بات کر رہی تھی۔ بار بار وہ گجرے والے ہاتھ سے بال ٹھیک کر رہی تھی۔ اور اس نے اعتراف کیا تھا سنہری روشنیوں میں وہ غضب کی خوب صورت لگ رہی تھی۔

"کیا دیکھ رہے ہو؟" وہ گھوم کے اس کے سامنے آیا تھا ایسے کہ فاطمہ اس کے عقب میں چھپ گئی تھی۔ بیوی کا خوب صورت ہونا بھی الگ سے ایک عذاب تھا۔ ویٹر نے بوکھلا کے اسے دیکھا تھا۔

"کک کچھ نہیں صاحب جی، وہ دیکھ رہا تھا۔ کون کون سا ٹیبل ٹھیک کرنا ہے ابھی۔" وہ ہکلایا تھا۔

"بیوی ہے میری وہ۔" ضرار نے تیز نظروں سے اسے گھورا تھا" دوبارہ اسے دیکھتے نظر آئے ناں تم مجھے تو خدا کی قسم تمہاری لاش واپس جائے گی۔ دفع ہو جاؤ اب یہاں سے" اس نے آنکھوں سے اسے جانے کا اشارہ کیا تھا۔ اور ویٹر وہاں سے بھاگ گیا تھا۔ ضرار نے پلٹ کے اب ایک نظر فاطمہ کو دیکھا تھا اور آگے بڑھ گیا تھا۔

"بچے یہ ضرار کو کیا ہوا ہے۔ منہ بنا کر گھوم رہا ہے؟ پوچھو تو، کہہ دیتا ہے میں ٹھیک ہوں۔" ضرار کا بڑا بھائی متفکر سا بولا تھا۔

"کچھ نہیں خالد بھائی۔ ان کو بس بزنس کی ٹینشن ہے؟" اس نے چہرے پہ مسکراہٹ چپکائے رٹا رٹایا جواب دہرایا تھا۔ اور تب ہی اس کی نظر دور کھڑے ضرار پہ پڑی تھی وہ یہیں دیکھ رہا تھا۔ یہ جملہ دہرا دہرا کر اس کا منہ تھک گیا تھا۔

"اچھی بھلی نوکری ہے اس کی کیا روگ لگا کے بیٹھا ہوا ہے۔" خالد کو افسوس ہوا تھا۔

"میں سمجھاؤں گی۔" فاطمہ نے جلدی سے بات ختم کرنے کی کوشش کی تھی۔

"اس سے کہو، کوئی مدد چاہیے تو بتائے نا۔"

"آپ کی فیلڈ سے بہت الگ ہے ضرار کی فیلڈ" وہ مسکرائی تھی۔

"پھر بھی کوئی جان پہچان نکل ہی آتی ہے۔ یہ کیا بات ہوئی۔ حالت دیکھو اس بے وقوف کی۔" وہ سر جھٹکتے آگے بڑھ گئے تھے۔ اب وہ ان کو کیا بتاتی اس کی حالت کے بارے میں!

فاطمہ ضرار کی طرف آئی تھی وہ باقی سب سے کافی فاصلے پہ بوفے ٹیبل کے قریب ایک کونے میں کھڑا تھا۔

"ضرار!" وہ اس کے سامنے آ کر رکی تھی۔

"ہوں" ضرار نے بس ایک بے نیاز نظر اس پہ ڈالی تھی اور بوفے ٹیبل کو دیکھا تھا۔

"سب نے پوچھ پوچھ کے میرا دماغ کھا لیا ہے۔ آپ کم سے کم ایکٹنگ ہی کر لیں خوش ہونے کی۔" وہ ذرا جھنجلا کے بولی تھی اور ضرار نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"مجھ سے نہیں ہوتی۔"

"میں بھی تو کر رہی ہوں نا" فاطمہ کو اس کی بے حسی اور لاپروائی پہ غصہ آیا تھا۔

ضرار نے سیاہ رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ کسی نے اسے پیلے رنگ کا دوپٹا گلے میں ڈالنے کے لیے دیا تھا جسے وہ وہیں گول مول کر کے پھینک آیا تھا۔

"اس شادی میں موجود ہوں۔ اب اس سے زیادہ ایکٹنگ مجھ سے نہیں ہوتی۔" وہ ہر چیز سے بے زار بولا تھا اور ناراض نظروں سے اسے دیکھے گیا تھا۔ فاطمہ نے گہرا سانس لیا تھا اسے دوسروں کو پڑھائے گئے اپنے اسباق خود بھی یاد رکھنے تھے۔ وہ اسے چھوڑ چکی تھی اور اس کی زندگی درہم برہم ہو گئی تھی وہ مزید اس سے کس چیز کی توقع کر رہی تھی۔

"جلدی سے یہ تماشا ختم ہو اور میں واپس جاؤں۔" وہ اکتایا ہوا تھا۔

"یہ تماشا اپنے وقت پہ ہی ختم ہو گا۔ ایسے ایونٹس روز روز نہیں آتے اور سب لوگ باتیں کریں گے۔" وہ آگے بڑھی اور اس کے بالوں سے پھولوں کی پتیوں

کو ہاتھ سے ہٹایا تھا۔ ضرار نے نظریں چرائی تھیں۔ دل نے کہا تھا سوری بول دو پر وہ اسی طرح بے حس کھڑا رہا تھا۔

(تم ایک ناکام انسان ہو ضرار) کانوں میں جمال المری کی آواز گونجی تھی۔

گلٹ کا بوجھ بہت بھاری تھا اور فاطمہ پیچھے ہٹی تھی اسے یاد آیا تھا وہ اب ایک نارمل ہیپی کپل نہیں تھے۔ اگر یہ شادی نہ ہوتی تو دونوں اب تک الگ ہو چکے ہوتے۔ دور سے کسی نے ان کو تصویروں کے لیے بلایا تھا۔ اور وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھے تھے۔

"کم سے کم مسکرا ہی لیں۔ اتنا تو کر ہی سکتے ہیں آپ" وہ چہرے پہ مسکراہٹ سجائے بولی تھی۔ ضرار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا اور اسی طرح سپاٹ چہرے کے ساتھ آگے آیا تھا۔

"کر لے جس کو جو بات کرنی ہے!"

وہ دونوں اسٹیج کے قریب کھڑے تھے جب کیمرہ مین نے انہیں تصویر کے لیے ساتھ کھڑے ہونے کا کہا تھا۔ دونوں کسی روبوٹ کی طرح مسکرا کے ساتھ کھڑے ہوئے تھے۔ لوگوں میں سے کسی نے رشک سے اور کسی نے حسد سے دیکھا تھا۔ کسی نے دعا دی تھی اور کسی کو اپنی کمی یاد آئی تھی۔ لوگوں کی نظر میں وہ ایک پرفیکٹ زندگی گزار رہے تھے۔ لیکن حقیقت میں ان کے رشتے کو دیمک لگ چکی تھی۔ اور وہ محل جو باہر سے مکمل اور خوب صورت نظر آتا تھا وہ کسی بھی لمحے راکھ میں بدل کے زمین بوس ہونے والا تھا۔

☆☆☆

نورے تیز تیز چلتی جمال کے آفس میں آئی تھی۔ دھاڑ سے دروازہ کھولا تھا۔ سامنے وہ ٹیبل پہ بیٹھا تھا اور سیکریٹری اسکرین کی طرف اشارہ کرتا کچھ بول رہا تھا۔ نورے کو دیکھ کے سیکریٹری خاموش ہوا تھا اور سوالیہ نظروں سے اپنے باس کو دیکھا تھا۔ نورے نے فائل اس کی میز پہ پٹخی تھی اور دونوں ہاتھ پہلو پہ رکھے اسے دیکھا تھا۔

"یہ کیا ہے جمال؟"

جمال نے گہرا سانس لیا تھا۔ پھر سکون سے ایک نظر فائل کو دیکھا تھا اور دوسری نظر اس پہ ڈالی تھی۔

"تم نے ہی تو کہا تھا حارث کے بارے میں کچھ ڈھونڈو۔"

"میں نے بعد میں منع بھی کیا تھا" وہ اس کی ٹیبل پہ ہاتھ رکھے ذرا سا جھکی تھی۔

"سوری تب تک میں ڈھونڈ چکا تھا تو سوچا وقت کیوں ضائع کروں" وہ کندھے اچکا کے بولا تھا۔ سرمئی آنکھیں اس کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ ایک لمحے کے لیے بھی نظر نہیں ہٹا رہا تھا "تمہیں تو تھینکس کہنا چاہیے۔"

"کس لیے؟" نورے کو اس کی ڈھٹائی پہ غصہ آیا تھا۔

"ایم ڈی کی پوسٹ خالی ہونے کے لیے۔" وہ ہنوز پر سکون تھا "اور ایسے مت دیکھو، مجھے برا فیل ہو رہا ہے۔ یہ تمہارے ساتھ میں نے نہیں قسمت نے کیا ہے۔ پہلی بار ہوا ہے نا، اس لیے زیادہ فیل کر رہی ہو۔ عادی ہو جاؤ گی۔"

نورے نے ایک نظر اسے دیکھا اور پلٹ گئی تھی۔

"تمہیں کچھ زیادہ ہی برا نہیں لگ رہا؟" وہ پیچھے سے بولا تھا۔

"میں اس سے محبت کرتی ہوں۔" نورے نے پلٹ کے اسے دیکھا تھا۔ اور جمال کا سانس سینے میں اٹکا تھا۔ یہ وہ سچ تھا جس کا سامنا وہ نہیں کرنا چاہتا تھا۔

"اور مجھے وہ یہاں واپس چاہیے۔" نورے کی اس بات پہ جمال نے سر اٹھایا تھا۔ زخموں پہ جیسے ایک دم سے کسی نے مرہم رکھ دیا تھا۔

"نہیں نورے" جمال ہنسا تھا اور سر نفی میں ہلایا تھا "یہاں یا تو ہاشم المری رہے گا یا حارث احمد کریم!"

وہ اپنی جگہ سے کھڑا ہوا تھا "اور تمہاری زندگی میں بھی دونوں میں سے کوئی ایک ہی رہے گا!

اس تکلیف کو فیل کرو۔ ایسا ہی لگتا ہے جب آپ

کسی کے لیے محنت کریں، کوشش کریں اور پھر بھی وہ ہاتھ سے نکل جائے۔" وہ اس کی آنکھوں میں دیکھتا مدھم آواز میں بولا تھا۔

"میں تمہیں دیکھ لوں گی جمال!" نورے نے ایک تیز نظر اس پہ ڈالی تھی۔

"دیکھتی ہی تو نہیں ہو تم۔" جمال دو بدو بولا تھا اور نورے باہر نکل گئی تھی۔ پیچھے جمال چند لمحے ایسے ہی بیٹھا رہا تھا پھر میز کو ٹھوکر ماری اور ایک جھٹکے سے چیزیں اٹھا کے زمین پہ پھینکی تھیں۔

☆☆☆

شام کو وہ ہاشم کے ساتھ ڈنر ٹیبل پہ بیٹھی تھی جمال کی باتیں سارا دن کانوں میں گونجتی رہی تھیں۔

"ڈیڈ! مجھے حارث کے بارے میں آپ سے بات کرنی ہے۔"

"میں حبیب الرحمٰن کے بیٹے سے تمہاری شادی کرنے کا سوچ رہا ہوں۔ اچھا پرپوزل ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ سلاد اپنی پلیٹ میں نکالتے بولے تھے چاول پلیٹ میں نکالتی نورے کا ہاتھ رکا۔

"مجھے اس سے شادی نہیں کرنی" وہ ساکت نظروں سے ان کو دیکھتے ہوئے تھی۔

"کوئی اور پسند ہے تو بتا دو۔" وہ کھانے میں مصروف ہوئے تھے۔

"حارث!" وہ گم صم لہجے میں بولی تھی۔

چاول سے بھرا چمچ منہ تک لے جاتے ہاشم کا ہاتھ رکا تھا۔

"کیا؟" انہیں لگا تھا ان کو سننے میں غلطی ہوئی تھی۔

"حارث!" وہ اب کے ذرا اونچی آواز میں بولی تھی "مجھے حارث سے شادی کرنی ہے ڈیڈ!" وہ سر جھکائے بولی تھی۔

ہاشم نے چمچ پھینکنے والے انداز میں پلیٹ میں رکھا تھا۔

"اگر وہ اپنی پوری فیملی کو چھوڑ بھی دے نورے۔ تب بھی کوئی چانس نہیں ہے اور خون کے رشتے تو ویسے بھی چھوڑے نہیں جاتے۔"

"ڈیڈ! مجھے......"

"تمہیں اس سے شادی کرنی ہے تو جاؤ کر لو لیکن مجھے پھر اپنی شکل مت دکھانا۔" وہ سخت لہجے میں بولے تھے۔ آج اتنے سالوں بعد جیسے فریدہ المری سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

"ڈیڈ" نورے کی آنکھوں سے آنسو تیزی سے بہے تھے۔

"نورے! میں یا وہ؟" ہاشم اپنی جگہ پہ کھڑے ہوئے تھے اور اسے دیکھا تھا۔ وہ نورے نہیں فریدہ تھی۔

"ایسے مت کریں" وہ بھیگے لہجے میں بولی تھی۔

دور ملازمین نے دم سادھے باپ بیٹی کی لڑائی دیکھی تھی۔ ہاشم نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"مجھے ہی ہمیشہ رشتوں میں انتخاب کرنا پڑتا ہے؟" وہ چہرہ ہاتھوں میں چھپائے روتے ہوئے بولی تھی۔

"نورے کو کبھی کچھ مکمل کیوں نہیں مل سکتا؟" وہ اب ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی اور ہاشم سانس روکے اسے دیکھ رہے تھے۔ سب کچھ پس منظر میں چلا گیا تھا۔ فریدہ، احمد، ان دونوں کی شادی، حارث اور لوگوں کی باتیں۔ سامنے بس روتی ہوئی نورے تھی۔

"میں کیا کر رہا ہوں؟"

وہ فریدہ نہیں تھی جس پہ وہ چلاتے، غصہ کرتے وہ نورے المری تھی ان کی بیٹی جسے انہوں نے خود پالا تھا جو ان کو پوری دنیا سے زیادہ عزیز تھی۔

"ہر بار مجھے ہی کیوں ایک ر رکھنے کے لیے دوسرے کو چھوڑنا پڑتا ہے؟" وہ اب ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔

"میں اپنی تکلیف کا بدلہ نورے سے کیوں لے رہا ہوں۔" وہ آگے آئے تھے۔

جس تکلیف سے ہاشم المری گزرا تھا اس سے نورے نہیں گزرے گی۔ وہ فریدہ کے آنسو نہیں تھے۔ وہ نورے کے آنسو تھے اور اسے وہ روتے ہوئے

pklibrary.com

نہیں دیکھ سکتے تھے۔

"نورے!" ہاشم نے اس کے سر پہ ہاتھ رکھا تھا۔ "رونا بند کرو۔ ٹھیک ہے تم حارث سے شادی کرلو۔ سرنیم کے علاوہ اور کوئی خامی نہیں ہے اس میں۔"

نورے نے چونک کے سر اٹھایا تھا اور روئی روئی آنکھوں سے انہیں دیکھا تھا۔ وہ جس سے نفرت کرنے کی پوری کوشش کے باوجود بھی وہ نفرت نہیں کرسکے تھے، وہ آج بھی جیت گئی تھی۔

فریدہ الری پھر سے جیت گئی تھی!

"تمہیں اس بار انتخاب نہیں کرنا پڑے گا۔ میں تم سے راضی ہوں۔ تم شادی کرلو۔ لیکن میں ایسے حارث اور اس کے خاندان کے ساتھ ایک ٹیبل پہ نہیں بیٹھ سکتا۔ تم جاسکتی ہو۔" ہاشم نے نرمی سے اس کا گال تھپکا تھا۔

"غلطی شاید تمہاری اور فریدہ کی نہیں ہے غلط شاید میں ہوں۔" وہ پژمردہ چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہے تھے۔

"حارث کو کل ڈنر پہ بلالو۔"

وہ آگے بڑھ گئے تھے اور نورے ہاتھ گود میں رکھے وہیں بیٹھی رہی تھی۔ ہاشم الری کو اتنا کمزور اور ٹوٹا ہوا اس نے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔

اگلی صبح ویک اینڈ تھا۔ وہ ناشتے کے لیے نیچے آئی تھی۔ سامنے جمال ہاشم کے ساتھ ناشتے کے ٹیبل پہ بیٹھا تھا۔ کن انکھیوں سے اس نے باپ کا چہرہ دیکھا تھا اور نورے کو لگا تھا وہ ایک رات میں بوڑھے ہو گئے تھے۔ سلام کر کے وہ کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔ اور بات کرتے جمال کو دیکھا تھا۔ وہ ایک گدھ کی طرح گھات لگائے بیٹھا تھا کہ کب وہ اکیلے ہو کے گرتے اور وہ ان کو رستے سے ہٹا دیتا۔ وہ دشمنوں میں گھرے تھے اور اکیلے تھے۔ نورے ان کو مزید اکیلا نہیں کرنا چاہتی تھی۔ اسے کسی ایک سے دست بردار تو ہونا ہی تھا۔ اور اس ایک لمحے نے اس سے فیصلہ کروا دیا تھا۔

☆☆☆

بارات آچکی تھی۔ وہ آف وائٹ کام دار پشواز پہنے سب سے مل رہی تھی اور نظریں اسے ڈھونڈ رہی تھیں۔ دلہن کے قریب ذرا رش سا لگا تھا اور وہ ایڑیاں اٹھائے ادھر ادھر دیکھ رہی تھی۔ تین گھنٹے ہو گئے تھے اور وہ ایک بار بھی نظر نہیں آیا تھا۔ گم صم سی فاطمہ پلٹی تھیں اور چونکی تھی۔ وہ بالکل اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ سنہری رنگ کا کچھ اس کی جانب بڑھایا تھا۔

"تم گاڑی میں بھول آئی تھیں۔"

"تھینکس!" فاطمہ نے کچھ پکڑا اور ایک بے نیاز نظر سر سے پیر تک اس پہ ڈال کے واپس گھوم گئی تھی۔ جیسے کب سے وہ اسے نہیں ڈھونڈ رہی تھی۔ ہاں البتہ اب دل کو سکون تھا۔

"منہ کے زاویے تو ٹھیک کریں۔" وہ پلیٹ کے تادیبی نظروں سے اسے گھورتے ہوئے بولی تھی۔ ضرار نے بس ایک نظر اسے دیکھا تھا اور کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ کل کی طرح ان دونوں نے مسکرا مسکرا کے تصویریں کھنچوائی تھیں۔

شادی سکون سے گزری تھی۔ اور ولیمے والے دن وہ رات کو اپنے کمرے میں آئی تھی۔ اس نے سادہ ہلکے گلابی رنگ کی شلوار قمیص پہن رکھی تھی۔ سنہری روشنیوں سے گھر کی سجاوٹ کی گئی تھی۔ ضرار کمرے کی بالکونی میں کھڑا برقی قمقموں کی لڑیوں کو دیکھ رہا تھا۔ فاطمہ نے غور سے دیکھا وہ سگریٹ پی رہا تھا۔ دل چاہا، اسے جا کے روکے لیکن وہ جانتی تھی نصیحت اور روکنے کا وقت اب گزر چکا تھا۔ اس نے نائٹ بلب جلایا۔ صوفے پہ کشن رکھا اور دل پہ پتھر رکھ کے لحاف اوڑھے صوفے پہ لیٹ گئی تھی۔

"اس نے کھانا نہیں کھایا فاطمہ!" اس کے دل نے یاد دلایا تھا۔

"وہ اتنا بڑا ہے کہ اپنا خیال خود رکھ سکتا ہے!" فاطمہ نے اپنے دل کو مضبوط کیا تھا۔

"اس کی طبیعت خراب ہے!" دل اداس ہوا تھا۔

"اسے میرے بغیر رہنا سیکھنا ہوگا!" آنکھوں پہ

pklibrary.com

بازو رکھے اس نے خود کو مضبوط کیا تھا لیکن آنسو بے بسی سے بہے تھے۔

''اور وہ سیکھ بھی چکا ہے!'' جس سے محبت ہو اسے ایسے اپنے سامنے تباہ ہوتے دیکھنا آسان نہیں تھا۔

''ایک سوری تک نہیں بولا اس آدمی نے!'' آنسو مزید تیزی سے بہے تھے۔

اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ درحقیقت کیا چیز تکلیف دے رہی تھی۔ ضرار کا کھانا نہ کھانا؟ ضرار کی طبیعت کا خراب ہونا؟ اس کا سگریٹ پینا؟ اپنی بے بسی؟ ضرار کا سوری نہ بولنا یا اس ٹرپ کا ختم ہونا اور واپس دبئی جانا؟ اسے بہت زیادہ رونا اور غصہ آرہا تھا!

☆☆☆

شام کو نورے ایک شادی پہ گئی تھی اور اس صبح وہ دونوں سڑک کنارے رکے ہوئے تھے۔ نورے نے سرمئی پینٹ پہ سیاہ شرٹ پہن رکھی تھی۔ بازو کہنیوں تک موڑ رکھے تھے اور بال آدھے بندھے تھے۔ وہ گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑی تھی۔ تھوڑے فاصلے پہ حارث کھڑا تھا۔

''ان کے اردگرد لوگ انہیں نقصان پہنچانے کے لیے تیار بیٹھے ہیں۔ میں ڈیڈ کو اکیلا کر کے جاؤں گی تو ان کو موقع مل جائے گا۔ حارث! مام ان کو چھوڑ کے گئی تھیں تو انہوں نے خود کو سنبھال لیا تھا۔ میں جاؤں گی تو ان کی جان جائے گی۔'' وہ اس سے نظریں ملائے بغیر بولی تھی۔

''تم نے کہا تھا۔ وہ مان جائیں گے؟'' حارث شاک میں تھا۔

''وہ مان گئے ہیں۔ لیکن وہ تمہاری فیملی کے ساتھ ایک ٹیبل پہ نہیں بیٹھیں گے۔'' نورے نے سر جھکایا تھا ''اور وہ ہرٹ ہیں۔''

''کوئی اور راستہ نہیں ہے نورے؟'' حارث پست آواز میں بولا تھا۔

''نہیں'' نورے نے اسے دیکھا تھا۔

''تم مجھے چھوڑ رہی ہو۔'' وہ ٹوٹے لہجے میں بولا تھا۔

''تمہیں شفاء مل جائے گی......'' نورے اس کی بات کو نظر انداز کر کے بولی تھی۔

''مجھے نورے چاہیے تھی۔'' وہ بڑبڑا کے مڑ گیا تھا اور گاڑی سے ایک فائل لا کے اس کے قریب گاڑی کی چھت پہ رکھی تھی اور اس پہ ایک الوداعی نظر ڈال کے پلٹ گیا تھا۔

نورے کے گلے میں آنسوؤں کا گولا سا پھنسا تھا۔ وہ اسے جاتے ہوئے دیکھے گئی تھی اور اس نے ایک بار بھی پلٹ کے نہیں دیکھا تھا۔

شام کو وہ ڈنر ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔

''حارث کو نہیں بلایا تم نے؟'' ہاشم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔

''نہیں'' وہ کھانے میں مصروف سر نفی میں ہلاتے ہوئے بولی تھی۔ حارث کے نام پہ اس کے دل کو کچھ ہوا تھا۔

''کیوں؟'' ہاشم نے کھانے سے ہاتھ روک کے اسے دیکھا تھا۔ نورے نے سر اٹھایا تھا اور ان کی آنکھوں میں دیکھا تھا۔

''خون کے رشتے نہیں چھوڑے جاتے ڈیڈ!'' وہ ٹوٹے ہوئے لہجے میں بولی تھی۔

''آپ آفس آرہے ہیں کل؟'' نورے نے ٹاپک چینج کیا تھا۔

''نہیں، دو دن کے لیے ایک بزنس ٹور پر جا رہا ہوں'' وہ بغور اس کا چہرہ دیکھتے بولے تھے۔ دونوں کھانا چھوڑ چکے تھے۔ اور نورے نے سر ہلا دیا تھا۔

''نورے! تمہیں میرے لیے حارث کو چھوڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ایڈجسٹ کر لوں گا۔''

''میں جانتی ہوں۔'' نورے نے نیپکن سے ہاتھ صاف کیے تھے ''بے شک آپ کر لیں گے۔ لیکن میں ایڈجسٹ نہیں کر پاؤں گی'' وہ کرسی پیچھے دھکیل کے اٹھ گئی تھی۔

''میں حارث سے شادی تب کروں گی جب آپ میری شادی میں شامل ہوں گے ڈیڈ۔'' کافی دیر

سے رو کے آنسو بہے تھے" اور آپ اس کی فیملی کو قبول کریں گے۔ میں ساری زندگی ایسے رشتوں کو بیلنس کرتے ہوئے اور گلٹ میں نہیں گزار سکتی۔"
ہاشم نے اسے دیکھا تھا، کچھ تھا جو اس میں بدل گیا تھا۔ اس کی آنکھیں بجھ گئی تھیں۔
"یہ تو نہیں ہوگا نورے!" وہ خالی خالی نظروں سے اسے دیکھتے بولے تھے۔
"گڈ نائٹ!" نورے نے گہرا سانس لیا تھا اور نم آنکھوں سے مسکرا کے انہیں دیکھ کے پلٹ گئی تھی۔
وہ ایڈجسٹ کرنے کا کہہ رہے تھے لیکن حارث کی فیملی کو ایکسیپٹ کرلیں گے، یہ انہوں نے ایک بار بھی نہیں کہا تھا۔ اوپر اپنے کمرے میں آ کر اس نے دروازہ بند کیا تھا اور دروازے کے ساتھ کمر لگائے زمین پہ بیٹھتی چلی گئی تھی اور منہ دونوں ہاتھوں میں چھپایا تھا۔ یہ آخری بار تھا جب وہ حارث کے لیے روئی تھی۔

☆☆☆

جہاز نے دبئی ایئرپورٹ پہ لینڈ کیا تھا اور یہ ٹرپ بھی ختم ہوا تھا۔ ضرار کو بخار تھا۔ آسمانی اور گہرے نیلے رنگ کی سفید کڑھائی والی لمبی قمیص اور کیپری پہنے دوپٹا شانوں پہ پھیلائے وہ اپنا سوٹ کیس دھکیلتی باہر نکل رہی تھی۔ شدید تمنا کے باوجود بھی اس نے پلٹ کے نہیں دیکھا تھا۔ اور یہ پلٹ کے نا دیکھنا دل کو کچل گیا تھا۔ وہ بینچ پہ بیٹھ گیا تھا۔ بخار سے اس کی حالت خراب ہورہی تھی۔ فاطمہ باہر آئی تھی اور پھر رکی تھی۔ گہرا سانس لے کے وہ آگے بڑھی تھی۔۔ اور ضرار کے پاس آ کے رکی تھی۔
"چلو گھر چلیں؟"
"میں چلا جاؤں گا۔" وہ اسے دیکھے بغیر اپنی آج کل کی مخصوص کٹھور ٹون بولا تھا۔
"تمہارے پاس دو آپشن ہیں ضرار! ایک یہ کہ پاکستان واپس چلے جاؤ اور دوسرا یہ کہ میرے ساتھ گھر چلو۔" وہ سپاٹ لہجے میں بولی تھی۔
"مجھے تمہارے ساتھ کہیں نہیں جانا۔ تم جاؤ، میں چلا جاؤں گا۔" وہ سر جھکائے لیے دیے لہجے میں بولا تھا۔
"تم مجھے کمانڈ نہیں کرو گے ضرار" وہ سخت لہجے میں بولی اور اس سے ذرا فاصلے پہ بیٹھ گئی تھی۔ کافی دیر دونوں ایسے ہی بیٹھے رہے پھر ضرار نے اسے ایسے بیٹھے دیکھا تھا اور سوٹ کیس پکڑے کھڑا ہوا تھا۔
"کیب منگوائی ہے؟" وہ بے زار لہجے میں بولا تھا۔
"ہاں بس پہنچنے والی ہوگی۔" وہ کھڑے ہوتے ہوئے بولی تھی۔
اور تقریباً پون گھنٹے بعد دونوں گھر میں داخل ہو رہے تھے۔
"تم یہاں رہو گی؟" ضرار اکھڑے لہجے میں بولا تھا۔
"جب تک تم ٹھیک نہیں ہوجاتے تب تک تو مجھے برداشت کرنا پڑے گا۔" وہ اس کے پیچھے اندر آئی تھی اور گھر کی ایسی ابتر حالت دیکھ کے اس نے اک گہرا سانس لیا تھا۔ ضرار کمرے میں چلا گیا تھا اور وہ کپڑے چینج کر کے کچن میں آئی تھی اپنے لیے کھانا آرڈر کیا البتہ اس کے لیے وہ کچھ بنانے لگی تھی۔ وہ کتنا بے حس اور بدتمیز ہوگیا تھا۔ فاطمہ نے تاسف سے سوچا تھا۔

☆☆☆

سفید شرٹ اور بھورے رنگ کا پینٹ کوٹ پہنے وہ المری انٹرپرائزز میں داخل ہوئی تھی۔ لاؤنج میں لوگ آ جا رہے تھے۔ بازو پہ بیگ ڈالے اور لیپ ٹاپ پکڑے وہ کیفے کے سامنے رکی تھی۔ لڑکی نے ہمیشہ کی طرح دو کپ سامنے رکھے تھے۔ وہ پہلے دو کپ لے کے جاتی تھی، ایک اپنے لیے اور ایک اپنے زبردستی سر پہ مسلط کیے گئے باس کے لیے۔
نورے نے اپنا کپ اٹھایا تھا اور اسے دیکھا تھا۔
"میں اب سے صرف ایک کپ لیا کروں گی۔"
"کیوں؟" لڑکی کے منہ سے بے ساختہ نکلا تھا۔
لیکن نورے پلٹ چکی تھی۔

"کیونکہ حارث جا چکا ہے۔" وہ بڑبڑائی اور لفٹ میں داخل ہوئی تھی۔ لفٹ سے نکل کے وہ راہداری میں آگے بڑھی تھی۔ سامنے حارث کا آفس تھا۔ خالی اور ویران۔ وہ وہیں رک گئی۔ حارث کریم کے جانے کے بعد زندگی بھی ایسے ہی ہوگئی تھی۔ اس نے نظر اٹھا کے اوپر والے فلور پہ ہاشم المری کے آفس کو دیکھا تھا۔ وہ بھی آج ایسے ہی بند تھا۔ یہاں اسے انتخاب کرنا تھا وہ کس ویرانی کے ساتھ زندگی گزار سکتی تھی۔ اور وہ انتخاب کر چکی تھی۔ وہ وہیں کھڑی آفس کے بند دروازے کو دیکھے گئی تھی۔ جب جمال اس کے عقب میں آ کے رکا تھا۔

"کیسی ہو نورے؟"

"ٹھیک ہوں" وہ پلٹی تھی اور روکھے انداز میں بولی تھی۔

"یہ حارث تو بڑا عجیب بندا نکلا۔ اتنی آسانی سے کوئی ایم ڈی کی پوسٹ چھوڑتا ہے۔ بے وقوف کہیں کا۔ چچ چچ"

"تمہیں حارث کی نہیں اپنی فکر کرنی چاہیے جمال۔ ڈیڈ رات کو ڈنر پہ تمہارے بارے میں بات کر رہے تھے اور وہ تم سے کچھ زیادہ خوش نہیں لگتے" وہ طنزیہ نظروں سے اسے دیکھتی بولی تھی۔ جمال بے تاثر نظروں سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ نورے تھوڑی دور گئی تھی اور پھر پلٹ کے اسے دیکھا تھا۔

"یہ سب کیوں کیا جمال؟"

جمال چند قدم آگے آیا تھا۔

"اگر تم خود سے نہیں جان سکتیں تو بتانے کا کیا فائدہ" وہ سرمئی آنکھوں سے اس کا چہرہ دیکھتا بولا تھا۔

"کیا نہیں جان سکتی؟" ماتھے پہ بل ڈالے نورے بھی دو قدم آگے آئی تھی۔ آج یہ والا قصہ بھی اسے ختم کرنا تھا۔

"تم نے ایک بار کہا تھا جمال مجھ سے شادی کرلو۔" وہ عجیب سے لہجے میں بولا تھا۔

"میں تب تیرہ سال کی تھی۔ مام چلی گئی تھیں۔ میں اکیلی تھی اور تب تم ہمارے گھر آئے تھے۔ ہماری دوستی ہوگئی اور بورڈنگ میں جانے سے پہلے میں نے یہ بول دیا۔ میں تب بچی تھی۔ تم ایک بچے کی بات کو اتنا سیریس کیسے لے سکتے ہو اور......" وہ روہانسی ہوئی تھی" اور تم شادی شدہ ہو۔"

"واٹ ایور۔ میں تمہارے لیے المری انٹرپرائزز سے بھی دست بردار ہو سکتا ہوں مجھے یہ سب نہیں چاہیے نورے! مجھے تم چاہیے ہو۔"

"میرے لیے المری انٹر پرائزز سے دست بردار ہو سکتے ہو؟" نورے نے حیرت سے اسے دیکھا تھا" پہلی بات، یہ کمپنی میرے ڈیڈ کی ہے جمال۔ دوسرا میں حارث کو پسند کرتی ہوں۔ اور تیسری بات یہ کہ میں نے تم جیسا انسان نہیں دیکھا۔ میں تمہارے لیے بس ایک ٹرافی اور ایگو کا مسئلہ ہوں۔ یہ محبت نہیں جنون ہے اور پاگل پن ہے۔" اس کی پیشانی پہ بل تھے جمال نے ڈھٹائی سے کندھے اچکائے تھے۔

"تم جو مرضی سمجھ لو۔ میری نظر میں یہ بس محبت ہے۔"

"حارث تو اب جا چکا ہے جمال۔ اب تمہاری باری ہے۔ بوریا بستر سمیٹ لو اور اپنے ریسورسز سے رابطہ کر لو۔ جلد ہی تمہیں ایک نئی جاب کی ضرورت پڑنے والی ہے۔"

وہ جتاتی نظروں سے اسے دیکھتی آگے بڑھ گئی تھی۔ وہ ایم ڈی بن گئی تھی۔ اس کا نیا آفس اوپر ہاشم المری کے ساتھ تھا۔

"تمہیں اس کھیل سے باہر رہنا چاہیے۔" وہ لفٹ میں داخل ہوتی نورے سے مخاطب ہوا تھا" تمہیں نقصان پہنچے گا تو اللہ کی قسم مجھے بالکل اچھا نہیں لگے گا۔"

"تم خود مجھے گھسیٹ کے اس کھیل میں لائے ہو۔" وہ لفٹ کا بٹن دباتے ہوئے گئی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے اور لفٹ کا دروازہ بند ہوگیا تھا۔ جمال پلٹ گیا تھا۔ کچھ بھی کھونے سے اب کیا فرق پڑتا تھا۔ نورے کو حاصل کرنے کے چکر میں اسے المری انٹرپرائزز کو بھی کھونا پڑ رہا تھا۔

pklibrary.com

☆☆☆

ضرار اپنے کمرے میں بیڈ پہ چت لیٹا چھت کو گھور رہا تھا۔ سارا گھر بکھرا پڑا تھا اور اس کی اپنی حالت بھی ایسی ہی تھی۔ اس نے آنکھیں بند کیں۔ ایک غلط انتخاب نے اس کا گھر خراب کر دیا تھا۔

اتنے میں دروازہ چرچراہٹ کی آواز سے کھلا تھا اور وہ اندر آئی تھی۔ اس نے سیاہ نائٹ سوٹ پہن رکھا تھا جس سنہرے رنگ کی تتلیاں بنی تھیں۔ وہ اس کے قریب آئی تھی۔ چند لمحے خاموشی چھائی تھی۔

''زندہ ہوں۔'' وہ انگلی اس کے ناک کے قریب کے ہوئے تھی جب ضرار نے آنکھیں کھول کے اسے دیکھا تھا۔

''میں بس ٹمپریچر چیک کرنے آئی تھی۔'' وہ جتاتے ہوئے بولی اور تھرمامیٹر اس کے ماتھے کے قریب کیا تھا۔ پھر اسے ہٹا کے دیکھا تھا۔ اس کا بخار کم نہیں ہو رہا تھا۔

''ہمیں صبح ڈاکٹر کے پاس جانا ہوگا۔'' اس نے تھرمامیٹر ایک طرف رکھا تھا۔

''سر درد ہے؟'' وہ اسے ایسے چھت کو گھورتے دیکھ کر بولی تھی۔ ضرار نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔ فاطمہ نے ایک دو گولیاں نکال کے اس کی جانب بڑھائی تھیں۔ وہ اٹھ کے بیٹھا تھا اور گولیاں اس سے لے کے چپ چاپ کھالی تھیں۔

''تم اتنے بدتمیز تھے نہیں ضرار! جتنے ہو گئے ہو۔''

''چلو، تم نے یہ سائیڈ بھی دیکھ لی۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بولا تھا، فاطمہ اٹھ کے باہر کی جانب بڑھی تھی۔

''سنو!'' ضرار نے اسے پیچھے سے پکارا تھا۔ ''میرا لیپ ٹاپ پکڑا جاؤ'' وہ کونے میں رکھے لیپ ٹاپ کی جانب اشارہ کرتے بولا تھا۔ فاطمہ نے ایک نظر اسے دیکھا پھر ایک نظر لیپ ٹاپ کو۔

''بخار اور سر درد ہے تمہیں۔ چپ چاپ آرام کرو۔'' وہ کہہ کے باہر نکل گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد واپس آ کے اس نے سوپ کا پیالہ اس کے قریب رکھا تھا۔

''یہ پی لینا۔ تم نے کافی دیر سے کچھ نہیں کھایا۔ میں باہر ہوں، طبیعت زیادہ خراب ہوئی تو بتانا۔ فاطمہ نے سینے پہ بازو باندھے اسے دیکھا تھا۔ وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے اسے گھور رہا تھا۔

''ایسے دیکھ کے بار بار شرمندہ مت کیا کرو۔ ایک دو دن میں چلی جاؤں گی۔'' وہ ایک نظر اس پہ ڈال کر پلٹ گئی تھی اور وہ خاموش رہا تھا۔

اس کا بزنس ویسے ہی ناکام تھا۔ سوپ کا چمچہ بھر کے دھیرے سے منہ میں رکھتا وہ سوچ رہا تھا۔ اب اس کے پاس دو راستے تھے۔ یا تو خود کو ڈوبنے دے دیا ایک آخری کوشش کرلے۔ کچھ تو ہو۔ اس کے پاس اپنا۔ جو رہ گیا تھا اسے سمیٹنے کی ایک آخری کوشش کرنی تھی۔ وہ جمال کو ایسے اپنا حق نہیں مارنے دے گا۔

☆☆☆

حارث اپنے اپارٹمنٹ میں آیا تھا اور ٹھٹک کے رکا تھا۔ سامنے احمد علی کریم کھڑے تھے۔ وہ آگے بڑھا اور ان کے گلے لگا تھا۔ احمد کریم جو اسے سخت سست سنانے آئے تھے کیونکہ وہ ہاشم الری کی کمپنی میں کام کرتا تھا۔ خاموش ہو گئے تھے۔

''آئی ایم سوری ڈیڈ!'' وہ ان کے گلے لگا بولا تھا۔

''گھر چلو حارث پلیز۔'' انہوں نے خود کو کہتے ہوئے سنا تھا۔ سارے گلے شکوے اور طعنے دھرے کے دھرے رہ گئے تھے۔ حارث ٹھیک نہیں تھا!

''آ جاؤں گا ڈیڈ'' وہ ان سے الگ ہوا تھا اور سر ہلایا تھا۔ ''مجھے بس تھوڑا وقت دیں۔''

''کیسے ہو؟'' وہ اس کی اداس آنکھیں دیکھتے بولے تھے۔

''ٹھیک ہوں۔'' حارث مسکرایا تھا ''آپ یہاں؟''

''تمہیں دیکھنے آیا تھا'' یہ سچ تھا، اسے سخت سست سنانا ایک بہانا تھا۔ وہ اسے دیکھنے آئے تھے۔

"تم صحیح تھے حارث۔ وہ پراجیکٹ چھوڑ کے ہم لاس (نقصان) میں گئے ہیں۔" وہ اس کا کندھا تھپک کے بولے اور مسکرائے۔

"میں نے کہا تھا لیکن آپ نے اپنے ایم ڈی کی کہاں سنی تھی۔" حارث مصنوعی خفگی سے بولا تھا۔

"آئی ایم سوری۔ مجھے ایسے گھر چھوڑ کے نہیں آنا چاہیے تھا۔" وہ گہرا سانس لے کے بولا تھا۔

"اندر چلیں۔" حارث نے دروازہ کھولا تھا۔

"نہیں! ایک بزنس میٹنگ کے لیے آیا ہوں۔ شام تک واپس جانا ہے۔ میں گھر پہ تمہارا ویٹ کروں گا۔" وہ اس کا کندھا تھپک کے آگے بڑھے تھے۔

"اللہ حافظ" حارث بولا تھا۔

"گاڑی اور اپارٹمنٹ اچھا ہے تمہارا" وہ جاتے ہوئے ستائش سے بولے تھے۔

"تھینکس۔" حارث کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی اور گال میں ڈمپل پڑا تھا۔ اس ایک ستائشی جملے نے اسے اس کی ساری محنت کا جیسے صلہ دے دیا تھا۔

"اللہ حافظ" وہ چلے گئے تھے اور حارث اندر آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد اس کے موبائل پہ حسن کی کال آئی تھی۔

"کہاں ہو؟" وہ چھوٹتے ہی بولا تھا۔

"اپنے اپارٹمنٹ میں۔" حارث دھیمی آواز میں بولا تھا۔

"کیا ہوا ہے؟" وہ جو نیچے پارکنگ لاٹ میں کھڑا تھا اور اسے سرپرائز دینے کا سوچ رہا تھا۔ رکا تھا۔

"نورے نے شادی سے انکار کر دیا ہے۔" وہ بکھرے لہجے میں بولا تھا اور حسن اپنی جگہ پہ رکا تھا۔

"کیا؟ لیکن کیوں؟" وہ حیران ہوا تھا اور حارث نے اسے سارا قصہ مختصر کر کے سنایا تھا۔

"تم دل چھوٹا مت کرو۔" حسن جو اوپر اس سے ملنے جانے والا تھا۔ کچھ سوچ کے پلٹا تھا۔

"تمہیں کوئی لڑکیوں کی کمی ہے۔" اس نے ڈرائیور کو گاڑی اسٹارٹ کرنے کا اشارہ کیا تھا۔

"بھابھی کو پتا چلے گا کہ انہوں نے کیا کیا ہے جب ہم ان سے زیادہ خوب صورت اور امیر لڑکی شادی کر کے لے کے آئیں گے۔" وہ چھوٹے بھائی سے ماں بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔ "تم دکھی مت ہو۔ لڑکیاں کرتی ہیں ایسے انکار۔"

"ہوں۔ تم بتاؤ کہاں ہو؟" حارث نے بات کا رخ موڑا تھا۔

"ڈیڈ کے ساتھ آیا ہوں۔ شاپنگ کا بہانا کیا تھا۔ ان سے نظر بچا کے تم سے ملنے آؤں گا۔" وہ گاڑی میں آ کے بیٹھا تھا۔ ڈرائیور نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"ڈیڈ آئے تھے یہاں؟"

"زیادہ کچھ تو نہیں کہا انہوں نے؟" حسن کو ایک اور فکر نے گھیرا تھا۔

"نہیں۔ گھر آنے کا کہہ رہے تھے۔" حارث نے کندھے اچکائے تھے۔

"شکر ہے۔" اس نے شکر کا کلمہ پڑھا تھا "چلو اب تم بھی واپس آ جاؤ۔"

"آ جاؤں گا۔" حارث اداسی سے مسکرایا تھا "میری ماں لگ رہے ہو۔"

"تم جب چاہو میرے باپ بن سکتے ہو، میں تمہاری ماں نہیں بن سکتا؟" اس نے کندھے اچکائے تھے "چلو، میں ملنے آؤں گا۔"

"او کے۔ بائے۔"

"بائے......" حسن نے کال بند کی اور ڈرائیور کو دیکھا۔

"المری انٹرپرائزز چلو۔"

ڈرائیور نے گاڑی آگے بڑھائی۔

وہ شیشے سے باہر دیکھ رہا تھا۔ چہرہ سپاٹ تھا اور آنکھوں میں غصہ۔ ایسے اتنی آسانی سے وہ کیسے اس کے بھائی کا دل توڑ سکتی تھی۔

"نورے المری اس وقت کہاں ہوں گی۔" وہ اعتماد سے جیبوں میں ہاتھ ڈالے کھڑا تھا۔

"کسی میٹنگ میں ہوں گی لیکن آپ کون

pklibrary.com

ہیں؟" لڑکی نے اس کا انداز دیکھا تھا۔

"فلور؟" حسن نے اس کا سوال نظر انداز کیا تھا۔

"سیونتھ فلور۔ آپ اندر کیسے آئے۔ آپ کو اندر کیسے آنے دیا۔" وہ اس کے عقب میں گارڈ کو دیکھ رہی تھی۔

"روم؟" حسن نے اس کا سوال نظر انداز کیا تھا۔

"وہ ایسے کسی سے نہیں ملتی ہیں۔ اگر آپ نے ان سے ملنا ہے تو......"

"روم نمبر لیڈی۔" وہ آگے آیا تھا اور اس کے کاؤنٹر پر بازو جمائے ناگواری سے اسے دیکھا تھا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے نا...... لڑکی نے رسان سے سمجھانے کی کوشش کی تھی۔

"میں اس کا بھائی ہوں......" وہ سپاٹ لہجے میں بولا۔

"کانفرنس روم۔" لڑکی نے اسے اچنبھے سے دیکھتے ہوئے بتایا۔

"تھینکس!" وہ جیبوں میں ہاتھ ڈالے لفٹ کی جانب بڑھا تھا۔ لڑکی نے نورے کی سیکریٹری کو کال کی تھی۔ اوپر وہ کانفرنس روم میں آیا تھا اور دستک دے کر دروازہ کھولا تھا۔

نورے ہاتھ ہلاتی اسکرین کے سامنے کھڑی بول رہی تھی۔ جب کسی نے دستک دے کے دروازہ کھولا تھا۔ کانفرنس روم میں میٹنگ کے درمیان ایسے کوئی خلل نہیں ڈالتا تھا سب نے گردن موڑ کے نووارد کو دیکھا تھا۔ ایک ٹین ایج لڑکا سفید کھلی سی ہوڈی اور جینز پہنے اندر آیا تھا۔

"نورے المری؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اعتماد سے ایک نظر سب کو دیکھا تھا۔

"جی؟" نورے نے حیرت سے اسے دیکھا۔ اسی اثناء میں اس کے موبائل پہ کال آئی تھی اور نورے نے کان میں لگے آلے کو چھوا تھا۔ اس کی سیکریٹری کی آواز گونجی تھی۔

"میم! کوئی لڑکا اپنے آپ کو آپ کا بھائی بتا رہا ہے اور اوپر کانفرنس روم کی طرف گیا ہے۔ کافی بدتمیز اور......"

"اوکے۔" نورے نے کان کے آلے کو پھر سے چھوا تھا اور کال بند ہوگئی تھی۔

"میں حسن کریم ہوں۔ مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔ ابھی!" وہ آنکھوں میں غصہ لیے اسے دیکھتا بولا تھا۔ نورے سے گہرا سانس لیا تھا اور سر ہلایا تھا۔

"ایکسکیوزمی!" اس نے میز کے گرد بیٹھے لوگوں سے معذرت کی تھی۔ جمال جینی اور باقی سب حیرت سے اس لڑکے کو دیکھ رہے تھے۔ حسن باہر نکل گیا تھا۔ اور نورے دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ وہ کانفرنس روم سے باہر آئی تھی۔

"میرے آفس میں چل کے بات کرتے ہیں۔" وہ حسن کو دیکھتی اپنے آفس کی طرف بڑھی تھی۔ آفس کے اندر آ کے اس نے دروازہ بند کیا۔

"جی حسن؟"

"آپ نے حارث کے ساتھ ایسا کیوں کیا؟" وہ ماتھے پہ بل ڈالے اسے دیکھ رہا تھا۔ "انسان کو اپنے پیرنٹس کا پتا ہوتا ہے۔ اگر آپ کو اپنے ڈیڈ کا پتا تھا تو آپ نے حارث کی حوصلہ افزائی کیوں کی؟ آپ نے اس کا پرپوزل کیوں قبول کیا؟ اور اگر کیا تھا تو اپنے ڈیڈ کے سامنے اتنی آسانی سے سرنڈر کیوں کیا؟"

نورے سینے پہ ہاتھ باندھے اسے دیکھے گئی تھی۔ اس کی آنکھیں دیکھی دیکھی لگ رہی تھیں اور نورے کو یاد آیا تھا، وہ ان آنکھوں کو روز صبح آئینے میں دیکھتی تھی۔ یہ آنکھیں نورے جیسی تھیں۔

"آئی ایم سوری!" وہ فقط اتنا بولی تھی۔

"آئی ایم سوری؟" حسن نے ہاتھ کھڑے کیے تھے اور طنزیہ ہنس کے اسے دیکھا تھا۔ اس کا غصہ بالکل نورے جیسا تھا۔ "آپ کو لگتا ہے کہ ایک سوری سب ٹھیک کردے گا؟"

"اور کیا چاہتے ہو، اس کے سامنے ہاتھ

pklibrary.com

جوڑوں؟" نورے نے چہرہ سپاٹ رکھے اسے دیکھا تھا۔

"نہیں۔" حسن نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "حارث سے شادی کے لیے ہاں کریں اور اپنے ڈیڈ کو منائیں۔" وہ یہاں صرف حارث کا بھائی بن کے آیا تھا۔

"وہ تمہاری فیملی کے ساتھ ایک ٹیبل پہ نہیں بیٹھیں گے۔" نورے کمرے کے وسط میں رکھی میز پہ ٹک گئی تھی۔ وہ دونوں ایسے بات کر رہے تھے جیسے ایک ہی گھر میں رہتے تھے اور یہ بحث معمول کا حصہ تھا۔ عجیب بات تھی لیکن نورے کو وہ اجنبی نہیں لگا تھا۔

"بھابھی" وہ آگے آیا تھا "میرے بھائی جیسا شوہر آپ کو چراغ لے کے ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملے گا۔"

"بھابھی" لفظ پہ نورے نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا، اتنے سنگین حالات میں بھی اس کے چہرے پہ اداس سی مسکراہٹ رینگ گئی تھی۔

"تم مجھے بہن بھی بلا سکتے ہو۔ نیچے یہی بول کے آئے ہو تم۔" نورے نے اس کی بات نظر انداز کی تھی۔

"آپ میرے لیے صرف "ذرک" کے مناسب لفظ ڈھونڈرے تھے۔" حارث کی ہونے والی بیوی ہیں بس۔"

"اوکے!" نورے نے کندھے اچکائے تھے۔ "بیٹھو! کچھ کھاؤ گے؟" نورے نے انٹرکام اٹھا کے کان سے لگایا تھا۔

"میں بیٹھنے نہیں آیا۔ یا تو ابھی اپنے ڈیڈ کو منائیں یا پھر ہمیشہ کے لیے اس کی زندگی سے نکل جائیں" وہ سرد نظروں سے اسے دیکھتا بولا تھا۔ اس کے نقش نورے اور حارث دونوں سے ملتے تھے۔ حارث احمد علی کریم کا پہلا بیٹا تھا ان کی پہلی بیوی سے۔ پھر انہوں نے دوسری شادی کی تھی نورے کی ماں فریدہ سے اور حسن پیدا ہوا تھا۔

"میں پہلے ہی اس کی زندگی سے نکل چکی ہوں۔" نورے کا گلا رندھا تھا اور حسن نے سر ہلایا تھا۔

"آپ نے اپنا بہت نقصان کیا ہے۔"

وہ پلٹ گیا تھا اور نورے خاموشی سے ہاتھ لیس پہنی ڈائمنڈ رنگ کو دیکھے گئی تھی۔

اس کے جانے کے بعد جینی اندر آئی تھی۔

"یہ کون تھا؟"

"حارث کا بھائی۔" وہ مصروف سی ٹیبل پہ لیپ ٹاپ رکھتی بولی تھی "اور میرا بھی۔"

"لگ بھی رہا تھا" وہ سر ہلاتی بولی تھی "تو میری بہن نے ایم ڈی کو نکلوا ہی دیا!"

وہ آرام دہ کرسی پہ آ کے بیٹھی تھی نورے نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

"کیا کلہاڑی ماری ہے تم نے اپنے پیروں پہ۔" وہ ستائش سے اسے دیکھتی بولی تھی۔

"تم نمک چھڑکنے آئی ہو؟" وہ لیپ ٹاپ پہ ٹائپنگ کرتے بولی۔

"احساس دلانے آئی ہوں؟" جینی نے افسوس سے اسے دیکھا تھا۔

"گڈ!" وہ بنا تاثر کے بنا بولی تھی۔

"تو پھر نمبر ہی دے دو ایں کا۔ کسی اور کا بھلا ہو جائے"۔ جینی جل کے بولی تھی۔ نورے نے اپنا موبائل اٹھایا اور اسکرین اسے دکھائی تھی۔ حارث کا نمبر تھا۔

جینی نے پہلے اسے دیکھا اور پھر اسکرین کو۔

"تم اپنے ساتھ ایسے کیوں کر رہی ہو؟ تم تکلیف میں ہو نورے"۔ جینی کو اب اس پہ ترس آیا تھا۔

"میں ہاشم الری کی بیٹی جو ہوں" وہ موبائل نیچے رکھتے ہوئے تھکی بولی۔ "ہم اب سے اس بارے میں بات نہیں کریں گے۔"

"شام کو ڈنر پہ ملاقات ہوگی۔ ڈیڈ کے ساتھ آؤں گی۔" ن اٹھ گئی تھی۔

دروازہ بند ہوتے ہی جینی نے کام چھوڑا اور

pklibrary.com

پیچھے ہو کے بیٹھی اور گہرے سانس لیے تھے۔

(رونا نہیں نورے!) اس نے خود کو کمپوز کیا اور بہت سے آنسو واپس دھکیلے تھے۔ دراز سے حارث کی دی ہوئی فائل پھر سے نکال کے دیکھی تھی۔ اس میں جمال کی کرپشن کا ریکارڈ تھا۔ اس نے صفحے پلٹے تھے اور ایک بار پھر سارے ثبوتوں کو دیکھا تھا۔

☆☆☆

وہ دونوں سیاہ مرسیڈیز میں بیٹھے تھے اور حارث ڈرائیو کر رہا تھا۔

"ویسے ایک بات ہے۔ تمہاری چوائس اچھی ہے۔"

"تم اس سے ملنے گئے تھے؟" حارث کے لہجے میں حیرت تھی۔

"میں بس بھابھی کو سلام کرنے گیا تھا۔" وہ پلٹ کے اسے دیکھتا بولا تھا۔

"میری چوائس تھی۔" حارث نے "تھی" پہ زور دیا تھا۔

"انگوٹھی واپس کی بھابھی نے؟" اسے کچھ یاد آیا تھا۔ حارث نے سر نفی میں ہلایا تھا۔

"پھر ابھی چانس ہے" حسن سے سر ہلایا تھا۔

"کس نے کہا تھا شادی سے پہلے اتنی مہنگی انگوٹھی دو؟"

"وہ نورے المری ہے، وہ پوری جیولری شاپ خرید سکتی ہے" حارث جل کے بولا تھا۔ "پتا نہیں اسے یاد بھی ہوگا کہ نہیں انگوٹھی کے بارے میں۔"

"لگ تو نہیں رہا تھا کہ موو آن کر چکی ہیں۔"

حسن کو نورے کی شکل یاد تھی وہ ماننا نہیں چاہتا تھا پر اسے برا لگ رہا تھا۔

اور حارث نے گاڑی سڑک کے قریب کھڑی فاطمہ کے پاس روکی تھی۔

"یہ کون ہے؟" حسن نے غور سے دیکھا تھا۔

"ایک دوست۔" حارث شیشہ نیچے کرتے ہوئے بولا تھا۔

"آپ کو کوئی ہیلپ چاہیے مس؟"

"نو تھینکس! میں بس اپنی فرینڈ کا ویٹ کر رہی تھی" وہ مسکرائی تھی۔ اس نے آسمانی رنگ کی ٹخنوں تک آتی کاٹن کی فراک پہن رکھی تھی۔

"آر یو شیور؟" حارث نے اسے دوبارہ دیکھا تھا۔

"یس!"

"گاڑی ٹھیک ہے؟" حارث نے قریب رکی اس کی کار دیکھی تھی۔ فاطمہ نے سر ہلایا تھا۔

"او کے۔ بائے!" اس نے شیشہ اوپر کیا تھا اور گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

"تم تو بس اوزار لے کے نکلنے ہی والے تھے"۔ حسن نے مسکراہٹ دباتے طنز کیا تھا۔

حارث نے گردن موڑ کے اسے گھورا تھا۔

"ویسے بھابھی کو اچھا نہیں لگتا تمہارا ایسے خوب صورت عورتوں کی مدد کرنا۔" وہ معنی خیز نظروں سے سامنے دیکھتا بولا تھا۔

"تمہاری بہن کم بھابھی کو اتنی پرواہ ہوتی تو شادی کے لیے مان جاتی" وہ موڑ کاٹتے ہوئے بولا تھا۔

"ویسے یہ بھی پیاری ہیں۔ بھابھی سے بدلہ لینے کا اچھا آپشن ہے۔ بلکہ بھابھی کی ٹکر کی ہیں" وہ سر ہلاتے بولا تھا" میں تو کہتا ہوں۔ دو تین اسٹوریز ڈالو اور اپنی شادی کی خبر پھیلا دو۔ سر کے بل چل کے آئیں گی نورے المری۔"

"نہیں آئے گی" حارث عجیب سے لہجے میں بولا تھا اور حسن کو اس کے لیے پھر سے برا لگا تھا۔

"بھابھی کی قسمت ہی خراب ہے۔" وہ ٹیک لگا کے خاموش ہو گیا تھا۔

"تم یہ ماسک پہن کے کیوں بیٹھے ہو۔ ایسا لگ رہا ہے اغوا کر کے لے جا رہا ہوں۔" حارث نے گردن موڑ کے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور ٹاپک چینج کیا تھا۔

"پکڑے جانے پہ یہی الزام لگاؤں گا۔" حسن نے کندھے اچکائے تھے۔

"ڈیڈ سے اتنا ڈرتے ہو؟" حارث مسکراہٹ دباتے بولا تھا۔

pklibrary.com

"میں عاق ہونے سے ڈرتا ہوں۔"
"ہماری صلح ہوگئی ہے" حارث نے اسے یاد دلایا تھا۔
"میں رسک نہیں لے سکتا۔" وہ دوبدو بولا تھا۔
"تمہیں لگتا ہے ڈیڈ کو نہیں پتا ہوگا کہ تم مجھ سے ملے ہو" حارث نے گاڑی ایک ریسٹورنٹ کے سامنے روکی تھی۔
"میں ثبوت نہیں چھوڑنا چاہتا" وہ دروازہ کھول کے باہر نکلا تھا اور تھوڑی دیر بعد وہ دونوں اندر بیٹھے باتیں کرتے کھانا کھارہے تھے۔
"قسمت تم دونوں کو ملانے کی پوری کوشش کررہی ہے۔" حسن اس کے عقب میں دیکھتے بولا تھا اور چاپ اسٹکس سے اسپیکیٹیز کو منہ میں رکھا تھا۔
حارث نے ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔
"پیچھے دیکھو کون آرہا ہے؟" وہ آنکھوں سے اشارہ کرتا بولا تھا۔
"کون؟" حارث ساکت ہوا تھا "نورے؟" وہ مڑے بغیر بولا تھا۔
حسن نے سرنفی میں ہلایا تھا "تمہاری فرینڈ۔"
"اوہ۔فاطمہ۔" حارث مایوس ہوا تھا۔"وہ بس ایک فرینڈ ہے یار......" تادیبی نظروں سے اسے گھورا تھا۔
"آپشن برا نہیں ہے۔" حسن نے کندھے اچکائے تھے۔ اندر سے اسے حارث کا اس کے لیے گاڑی روکنا اور فاطمہ کا یہاں آنا بھی برا لگ رہا تھا۔ جو بھی تھا۔ سوتیلی ہی سہی نورے اس کی بہن تھی۔ اب اپنی بہن کی جگہ وہ کسی کو اتنی آسانی سے تھوڑی نہ لینے دے گا۔
یہ باتیں تو وہ حارث کو ٹٹولنے کے لیے کررہا تھا۔ اسے نورے کی فکر کیوں ہورہی تھی۔ وہ تو اتنے سالوں میں پہلی بار اس سے ملا تھا۔ اس نے سر جھٹک کے توجہ کھانے پہ مرکوز کی تھی۔
(اس نے میرے ہیرے جیسے بھائی کا دل توڑا ہے اس کے ساتھ یہی ہونا چاہیے!)

☆☆☆

وہ دونوں ہاسپٹل آئے تھے۔ ضرار بیڈ پہ لیٹا تھا اور فاطمہ ذرا فاصلے پہ کھڑی ڈاکٹر کی بات سن رہی تھی۔ ڈاکٹر چیک ضرار کو کررہا تھا اور دھیان سارا فاطمہ کی جانب تھا۔ یا اسے ایسے لگا تھا۔ جمال والے واقعے سے پہلے تک وہ ایسا نہیں تھا لیکن اب وہ بہت محتاط تھا۔ فاطمہ کال سننے باہر گئی تھی اور ڈاکٹر اس کے پاس آیا تھا۔
"وہ مس کہاں گئی ہیں؟" وہ سرسری سے لہجے میں بولا تھا۔
"کیوں؟" ضرار نے کھاجانے والی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ خوب صورت بیوی ہونا بھی ایک عذاب تھا ویسے......
"وہ آپ کی میڈیسن کے بارے میں بتانا ہے سر!" ڈاکٹر نے اس کے تیور دیکھے تھے۔
"بیمار کون ہے؟" ضرار نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔
"آف کورس آپ۔" ڈاکٹر سمجھ نہیں پایا تھا کہ وہ کہنا کیا چاہ رہا تھا۔
"تو میڈیسن بھی مجھے ہی بتاؤ نا، اسے کیوں بلا رہے ہو؟" وہ اٹھ کے بیٹھا تھا۔
ڈاکٹر نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور ایک کاغذ اس کی جانب بڑھایا تھا۔
ضرار نے کاغذ جھپٹا تھا اور کھڑا ہوگیا تھا۔
"بیوی ہے میری" وہ جتاتی نظروں سے اسے دیکھتا بولا تھا۔
"میں جانتا ہوں۔" ڈاکٹر دانستہ اس سے ذرا دور ہٹا تھا۔ عجیب منہ پھٹ بندہ تھا۔ اس کے تیور دیکھ کر لگ رہا تھا، وہ بس ہاتھ اٹھانے والا تھا۔
"تو لائن کیوں مار رہے ہو؟" وہ چبا چبا کے بولا تھا اور ڈاکٹر نے شاک سے اس پاگل کو دیکھا تھا۔
"لائن؟" وہ جو کرسی ٹھیک کرکے بیٹھنے لگا تھا اسے دیکھا تھا۔ "ایکسکیوزمی، دماغ ٹھیک ہے تمہارا؟"

اور اس سے پہلے ضرار جواب دیتا فاطمہ اندر آئی تھی اور دونوں کو باری باری دیکھا تھا۔ دونوں سرد نظروں سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔

"سب ٹھیک ہے؟" فاطمہ نے کمرے کی فضا میں موجود تناؤ کو محسوس کیا تھا۔

"یس!" ڈاکٹر نے چبھتی نظروں سے ضرار کو دیکھا تھا "وائرل انفیکشن ہے بس۔ ایک دو دن میں ٹھیک ہو جائے گا۔"

ضرار باہر نکلا تو فاطمہ بھی اس کے پیچھے باہر نکلنے لگی تھی جب ڈاکٹر نے اسے پکارا تھا۔

"مس؟"

ڈور ناب پکڑے فاطمہ نے مڑ کے اسے دیکھا تھا۔

"آپ کو ڈومیسٹک وائلنس ہیلپ لائن کا نمبر پتا ہے نا؟" وہ جتاتے لہجے میں بولا تھا۔

فاطمہ نے سر ہلایا تھا اور ناسمجھی سے اسے دیکھا تھا۔

"گڈ۔ عنقریب آپ کو ضرورت پڑنے والی ہے۔" وہ سکون سے بیٹھتا بولا تھا اسے اس خوب صورت لڑکی کے نصیب پہ افسوس ہوا تھا اور فاطمہ نے باہر نکل کے دروازہ بند کیا تھا اور ضرار کو گھورا تھا۔

"کیا کہا ہے تم نے ڈاکٹر سے؟"

"کچھ نہیں" وہ لاپروائی سے بولا۔

"تم اتنے بدتمیز، بے حس اور لاپرواہ تھے نہیں جتنے ہو گئے ہو" وہ اس کے ساتھ آگے بڑھتی بولی تھی لہجہ طنزیہ نہیں تھا بلکہ وہ ہرٹ لگتی تھی۔ ضرار نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔

دوائیاں خرید کے فاطمہ نے اسے گھر ڈراپ کیا تھا۔

"میں آفس جا رہی ہوں۔" وہ مصروف سی بولی تھی۔

"واپسی پہ اپنے اپارٹمنٹ ہی جاؤ گی نا؟" نکلنے سے پہلے ضرار نے اسے دیکھا تھا اور فاطمہ نے بس کینہ توز نظروں سے اسے گھورا تھا آنکھوں میں نمی اکٹھی ہوئی تھی۔

"باہر نکلو!" وہ آنکھوں سے اسے باہر نکلنے کا اشارہ کرتی بولی تھی۔

"بس پوچھا ہی تو ہے" وہ باہر نکل گیا تھا۔

رات کو اس کے اردگرد کاغذ بکھرے تھے اور وہ انہماک سے لیپ ٹاپ پہ کام کر رہا تھا۔ لیپ ٹاپ کی روشنی اسکرین سے نکل کر اس کے چہرے پہ پڑ رہی تھی۔ وہ بند مٹھی ہونٹوں پہ ٹکائے کوئی خبر سن رہا تھا۔

اور پھر اس کے ذہن میں ایک جھماکا سا ہوا تھا۔

"نورے المری" وہ بے آواز بڑبڑایا تھا اور اسے جمال کے موبائل میں موجود وہ تصویر یاد آئی تھی۔ اسے نورے المری سے ملنا تھا۔ وہ شاید نئی ایم ڈی تھی۔ لیکن اتنی بڑی ایئر لائن کمپنی کی ایم ڈی سے ملنا آسان نہیں تھا۔ ضرار کو مایوسی ہوئی تھی۔ اس نے ای میلز بھیجی تھیں اور اب جواب کا انتظار کرنا تھا۔ اس کے علاوہ وہ اس سے مل سکتا تھا کسی سیمینار یا ایونٹ پہ۔ کوئی کولیگ یا دوست تو تھا نہیں جو اسے ملوا دیتا۔

ضرار کو اب صبر سے انتظار کرنا تھا۔

اتنے میں ایک جھٹکے سے دروازہ کھول کے فاطمہ اندر آئی تھی دیوار پہ ہاتھ مار کے اس نے بتی جلائی تھی۔ ضرار نے سر اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔ ایک نظر اس کے اردگرد بکھرے کاغذات پہ ڈال کر وہ اس کے سامنے آ کر بیٹھی اور تھرمامیٹر اس کے ماتھے پہ رکھا تھا۔ پھر اس پہ ٹمپریچر دیکھا تھا۔

"اب بخار ٹھیک ہے۔" وہ بٹن دباتے ہوئے بولی تھی۔

"کچھ کھایا ہے؟" نظر اٹھا کے اسے دیکھا لیپ ٹاپ پہ ٹائپنگ کرتے ضرار نے سر ہلایا تھا۔

"سر درد ہے؟" وہ اٹھتے ہوئے بولی تھی ضرار نے نفی میں سر ہلایا تھا اور وہ باہر نکل گئی تھی۔

اگلے دن ضرار آفس سے واپس لوٹا تو اس کا چھوٹا سا اپارٹمنٹ خاموش پڑا تھا۔ ضرار نے اس کمرے کا دروازہ کھولا تھا جہاں وہ رکی تھی۔ اس کا سوٹ کیس وہاں نہیں تھا مطلب وہ جا چکی تھی۔ وہ باہر

pklibrary.com

آیا اور آنکھوں پہ بازو رکھے لاؤنج میں صوفے پہ لیٹ گیا تھا۔ اس کا سارا وجود ایک بار پھر ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوا تھا۔

(تم جیسے انسان سے اس کی شادی ہونا ہی اس کی بدقسمتی ہے) جمال کی آواز کانوں میں گونجی تھی۔

☆☆☆

تین مہینے ہو گئے تھے۔ المری انٹرپرائزز سے کوئی جواب نہیں آیا تھا اور نہ ہی وہ اور کسی پبلک ایونٹ پہ اس سے مل سکا تھا۔ وہ ایسی کسی جگہ جاتی ہی نہیں تھی اور جہاں جاتی تھی وہاں ضرار نہیں جا سکتا تھا۔

موسم آج گرم تھا۔ وہ المری انٹرپرائزز کے سامنے کھڑا تھا۔ جیب سے سگریٹ نکالا پھر اسے فاطمہ کا چہرہ یاد آیا تھا۔ اور اس نے سگریٹ واپس جیب میں رکھا تھا۔ رات کے آٹھ بجنے والے تھے بلڈنگ تقریباً خالی ہو چکی تھی۔ کہیں کہیں اکا دکا بتیاں جل رہی تھیں۔ اپنی دھن میں مگن سوچوں میں گم وہ واپس سڑک کی جانب آیا تھا۔ بتی سرخ تھی لیکن اسے پرواہ نہیں تھی۔

سڑک خالی تھی وہ آگے بڑھا تھا اور ایک گاڑی اس سے آ کے ٹکرائی تھی ضرار لڑکھڑا کے سڑک پہ گرا تھا۔ اس کے بازو، ہاتھ اور سر پہ چوٹ لگی تھی۔ گاڑی کا دروازہ کھول کے ایک لڑکی تیزی سے باہر آئی تھی۔

"آپ ٹھیک ہیں؟" وہ اس کے قریب آ کر بولی تھی۔ تکلیف سے کراہتے ضرار نے سر ہلایا تھا۔

"میری قسمت ہی خراب ہے" وہ اکتایا ہوا تھا اور اٹھنے کی کوشش کی تھی۔ لڑکی نے آگے بڑھ کے اسے بازو سے ذرا سا تھام کے اٹھنے میں مدد کی تھی۔ اور ضرار نے اسے دیکھا، وہ نورے المری تھی۔

"تمہارے تو خون نکل رہا ہے" نورے نے اس کا بازو چھوڑا تھا اور تشویش سے اس کے سر سے بہتے خون کو دیکھا تھا۔

"میں ٹھیک ہوں" وہ فٹ پاتھ پہ بنے بینچ پہ بیٹھا اور سر سے بہتے خون کو ہاتھ سے روکنے کی کوشش کی۔ سر گھوم رہا تھا اور درد کی ٹیسیں الگ سے اٹھ رہی تھیں۔

"اٹھو ہاسپٹل چلو" نورے نے اسے اٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔

"تمہارے کزن نے میرا آئیڈیا چرایا ہے" وہ بہتے خون کے ساتھ کراہتا بولا تھا۔ نورے نے اسے حیرت سے دیکھا تھا۔

"تم ہماری کمپنی پہ الزام لگا رہے ہو؟"

"کمپنی پہ نہیں جمال پہ۔" ضرار نے اپنا ہاتھ دیکھا، وہ خون آلود تھا۔

"تم پہلے ہاسپٹل چلو۔" نورے نے تحکم کہا تھا۔

آدھے گھنٹے بعد وہ دونوں ایک مہنگے ہاسپٹل کے آف وائٹ کمرے میں کھڑے تھے۔ وہ بیڈ پہ بیٹھا تھا اور نورے المری قریب کھڑی تھی۔

"اندھے ہو؟ جان سے جا سکتے تھے تم۔ ریڈ لائٹ کا مطلب جانتے ہو؟" وہ اسے گھور رہی تھی۔

"ہاں اندھا ہوں" وہ ڈھیٹائی سے بولا، اس کے بعد نورے اسے کچھ نہیں کہہ سکی تھی۔

"بل کتنا ہوا ہے؟" اس نے جیب سے والٹ نکالا تھا۔

"میں پے کر چکی ہوں" نورے نے سینے پہ ہاتھ باندھے اسے دیکھا تھا۔

"میں اپنا بل خود پے کروں گا" ضرار نے سپاٹ نظروں سے اسے گھورا تھا۔

"جمال کے بارے میں کیا بات کر رہے تھے تم؟" نورے نے مشکوک نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"اس نے میرا آئیڈیا چرایا ہے۔ اسکائی کرافٹ انٹیریئر میرا پراجیکٹ ہے میں نے اس پہ اتنے مہینے محنت کی تھی" وہ رکھائی سے بولا اور اپنے ہاتھ پہ لگی ڈرپ کو دیکھا۔

"پروف؟" نورے نے اسے گھورا تھا۔ ضرار نے ایک نظر اسے دیکھا تھا۔ پھر اپنی شرٹ کی جیبیں ٹٹولی تھیں اور ایک یو ایس بی نکال کے اس کی طرف بڑھائی تھی۔ نورے نے اپنے سیکریٹری کو کال کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ لیپ ٹاپ پہ جتا تھا۔

"اس میں اس پراجیکٹ کے باقی تین پارٹ میں اور ساری ڈیٹیلز۔" سیکریٹری فائل کھول رہا تھا جب ضرار بولا تھا۔

"اپنے کزن کی طرح حجامت لینا اب۔" وہ کچھ یاد آنے پہ گردن موڑ کے اسے دیکھتا بولا تھا۔

"آنکھیں کھلی رکھا کرو نا!" نورے اس سے ذرا فاصلے پہ کھڑی انہماک سے اسکرین کو دیکھ رہی تھی۔ وہ آدمی سچ کہہ رہا تھا!

"اور ہم چور نہیں ہیں۔ جمال سے البتہ کسی بھی چیز کی توقع کی جاسکتی ہے۔" وہ کندھے اچکا کے بولی تھی اور اسے یو ایس بی واپس کی۔

"جیسے ہی ٹھیک ہو مجھ سے رابطہ کرنا۔ میں تمہاری میٹنگ ارینج کروادوں گی۔"

ضرار نے سر ہلادیا تھا۔ نورے نے سیکریٹری کو دیکھا تھا۔ "ان کو میرا نمبر دے دو اور پھر گھر چھوڑ آنا۔"

اس کے سر پہ اور ہاتھ پہ پٹی بندھی تھی اور اس کی یہ حالت دیکھ کے نورے کو حارث یاد آیا تھا۔ وہ اتنا یاد کیوں آتا تھا!

گہرا سانس لے کے وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی۔ اور باہر نکلنے سے پہلے پلٹی تھی۔

"ان کو بل مت پے کرنے دینا۔" اس نے سیکریٹری کو تنبیہ کی تھی اس نے سر ہلادیا تھا۔ ضرار خاموش رہا تھا۔ وہ میٹنگ ارینج کروارہی تھی۔ وہ اس سے بحث نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اس نے ڈرپ کھینچ کے اتاری تھی۔ "مجھے گھر جانا ہے۔"

اور دروازے سے باہر نکلتی نورے نے گھوم کے ماتھے پہ بل ڈال کے اسے دیکھا تھا۔

"تمیز سے واپس بیٹھو۔" اس نے انگلی سے ضرار کو بیٹھنے کا اشارہ کیا تھا۔ "تم گھر کب جاؤ گے۔ اس کا فیصلہ ڈاکٹر کریں گے۔"

"میں ٹھیک ہوں۔" وہ شرٹ کی آستین بازو پہ ٹھیک کرتا آگے بڑھا تھا اور وہ سینے پہ ہاتھ باندھے دروازے میں جم کے کھڑی ہوئی تھی۔ بیج کلر کی شرٹ پہ خون کے بڑے بڑے دھبے لگے تھے اور جینز ضرار نے آنکھیں سکیڑ کے اسے دیکھا تھا۔ (یہ کیا عذاب میرے سر پہ مسلط ہوا ہے)

"میری گاڑی سے تمہاری ٹکر ہوئی ہے۔ پہلے غلطی تمہاری ہے لیکن اگر تم مر۔۔۔ گئے تو میڈیا پہ خبر چلنی ہے کہ ہاشم المری کی بیٹی نے ایک غریب شہری کو کچل دیا۔" وہ رپورٹرز کی نقل اتارتے ہوئے بولی تھی۔ "اس لیے جب تک تمہارے سارے ٹیسٹ نہیں ہوجاتے اور ڈاکٹر تمہیں گھر جانے کے لیے فٹ قرار نہیں دیتے تب تک تم یہاں سے کہیں نہیں جاسکتے۔"

وہ تحکم سے بولی اور سیکرٹری کو دیکھا تھا جو حیرت سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔

"اس کو جانے مت دینا۔ اور اگر زیادہ ضد کرے تو مجھے کال کرنا۔" نظریں واپس ضرار کی طرف موڑی تھیں "پیچھے جاکے بیٹھیں مسٹر!"

ضرار پیچھے ہٹ گیا تھا اس سے بحث کرنے کی اس میں ذرا بھی ہمت نہیں تھی۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" نورے نے ایک اور سوال کیا تھا۔

"ضرار" وہ واپس بیڈ پہ جاکے بیٹھ گیا تھا اور نورے ایک نظر اس پہ ڈال کے باہر نکل آئی تھی۔

☆☆☆

دبئی شہر پہ ایک نئی صبح طلوع ہوئی تھی اور وہ ہاشم المری کے آفس میں کھڑی تھی۔ سامنے جمال بیٹھا تھا۔

"تمہارے پاس دو راستے ہیں جمال۔ پہلا یہ کہ تم باعزت ریزائن کردو اس طرح ڈیڈ کی اور کمپنی کی عزت بچ جائے گی۔ ورنہ لوگ کیا کہیں گے چچ چچ ہاشم المری کا بھتیجا ہی کرپشن مافیا نکلا۔ اور چونکہ تم نے کمپنی کو اتنے سال دیے ہیں اور یہ کرپشن۔" اس نے جھک کے فائل کھولی تھی اور صفحے الٹ پلٹ کے دیکھے تھے۔ "یہ کرپشن تم نے کوئی دو تین سال پہلے شروع کی ہے تو ہم تمہیں معاف کردیں گے۔ اور تم کہیں اور جاب کرسکو گے۔ بہانا بنالینا کہ میں دور ہوگیا تھا یا

مجھے اپنا کیریئر بنانا تھا۔ واٹ ایور!" وہ ہاتھ جھلاتی بولی تھی۔

"دوسرا راستہ یہ ہے کہ تم پہ انکوائری کمیشن بٹھایا جائے گا۔ بات باہر نکلے گی۔ تمہارے ساتھ ساتھ ڈیڈ اور کمپنی کی بھی بدنامی ہوگی۔ ہم اس سے نکل آئیں گے جمال تم اپنا سوچ لو ایلیٹ کلاس میں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے۔" وہ اب ہاشم کی کرسی پہ بیٹھ چکی تھی۔

"تمہیں ان چیزوں سے باہر رہنا چاہیے تھا نورے۔" وہ ڈھٹائی سے بولا تھا جیسے اس سب کا اس پہ کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

"تمہاری نصیحت پہ عمل کرنے کے بارے میں سوچوں گی۔ ابھی بتاؤ پہلا راستہ یا دوسرا؟" اس نے سوالیہ نظروں سے اپنے کزن کو دیکھا تھا۔

"میں تم سے ہارا ہوں نورے اور تمہارے لیے ہارا ہوں۔" وہ سلگتے لہجے میں بولا تھا۔

"اور تم نے مجھے ہی ہرا دیا۔" نورے کو اپنا نقصان پھر سے یاد آیا تھا۔ "یہ کیسی محبت تھی جمال؟"

"تم یہ نہ ہاشم چچا کے لیے کر رہی ہو اور نہ کمپنی کے لیے، تم مجھ سے حارث کو نکلوانے کا بدلہ لے رہی ہو" وہ کھڑا ہوا تھا" تو سوچو نورے، اگر میں اسے نقصان پہنچاؤں تو؟ تمہارا ایک سوتیلا بھائی بھی ہے نا؟" وہ چبا چبا کے بولا تھا اور نورے نے تھوک نگلا تھا۔

"تمہیں بھی تو اندازہ ہو اس تکلیف کا جس سے میں گزر رہا ہوں۔" وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتا بولا تھا۔

"تم مجھے پہلے ہی اس تکلیف سے گزار چکے ہو جمال۔" سیاہ شرٹ اور سیاہ پینٹ پہنے وہ اس کے مقابل کھڑی ہوئی تھی۔ گردن سے لپٹے پینڈنٹ میں موجود نیلم جگمگا رہا تھا۔

"تمہیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ میں نورے المری ہوں۔ المری انٹرپرائزز کی مالک اور ہاشم المری کی بیٹی۔ تم نے حارث کو نقصان پہنچایا تو زمین پہ ایسے چلتے پھرتے نظر نہیں آؤ گے۔" اس نے حسن کا نام دانستہ طور پہ نہیں لیا تھا، وہ جمال کو اپنی ایک اور کمزوری نہیں تھما سکتی تھی۔

جمال نے کوٹ کا بٹن بند کیا تھا اور ایک زہر خند نظر اس پہ ڈالی تھی۔

"ہم دوبارہ ملیں گے نورے المری۔"

نورے دوبارہ سربراہی کرسی پہ بیٹھی تھی اور فائل بند کی تھی۔ "مجھے آج شام تک تمہارا ریزیگنیشن لیٹر میرے ٹیبل پہ چاہیے ورنہ میں سمجھوں گی۔ تم نے دوسرا راستہ چنا ہے۔" وہ عام سے لہجے میں بولی تھی۔

"اچھا ایک اور بات۔" جمال جو دروازہ کھول رہا تھا اس کی آواز پہ رکا تھا پلٹا نہیں تھا۔

"تمہارے بزنس پلان والا پراجیکٹ، وہی جو تم نے چوری کیا تھا وہ ہم اسکائی کرافٹ انٹیریئر کمپنی کو دے رہے ہیں جو کہ بہت جلد بننے والی ہے۔ یعنی ضرار کی کمپنی کو دے رہے ہیں۔ اس پراجیکٹ کے اصل مالک کو۔ گڈ بائے۔"

کہہ کے وہ کام میں مصروف ہو گئی تھی اور جمال جبڑے بھینچے باہر نکل گیا تھا۔

☆☆☆

فاطمہ آفس جانے کے لیے نک سک سے تیار کھڑی تھی۔ موبائل کان سے لگائے عجلت میں کسی سے بات کر رہی تھی جب دروازے پہ دستک ہوئی تھی۔

وہ دروازے کی جانب بڑھی تھی سامنے سفید شرٹ اور سیاہ پینٹ پہنے، سیاہ کوٹ بازو پہ ڈالے ضرار کھڑا تھا۔ ماتھے پہ بینڈیج لگی تھی اور گال کے قریب چوٹ کا نشان تھا۔ وہ کسی میٹنگ کے لیے تیار لگتا تھا۔

"میں بس یہ کہنے آیا تھا کہ اگر کسی نے تنگ کیا خاص طور پر جمال تو مجھے ضرور انفارم کرنا۔ کسی بھی قسم کا کوئی خطرہ محسوس کرو تو مجھے بتانا۔"

"اوکے" اس نے سر ہلایا تھا۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی اور پوچھنا چاہتی تھی کہ ضرار تمہیں کیا ہوا ہے

pklibrary.com

لیکن دل پہ پتھر رکھے وہ خاموش رہی تھی۔ زندگی نارمل ہوجاتی تھی اور پھر وہ کہیں سے نظر کے سامنے آجاتا تھا۔

اور ضرار آگے بڑھ گیا تھا۔ یہ سچ تھا وہ اس سے یہی کہنے آیا تھا لیکن وہ صرف اس لیے نہیں آیا تھا۔ آج اس کی ایک اہم میٹنگ تھی اور میٹنگ سے پہلے وہ بس ایک نظر اسے دیکھنا چاہتا تھا۔ کھلے دروازے میں کھڑی فاطمہ کی آنکھوں میں نمی اکٹھی ہوئی تھی۔ وہ سامنے آتا تھا تو گنتی پھر سے زیرو سے شروع ہوجاتی تھی۔ وہ جو آگے بڑھ چکی ہوتی تھی، اسے سارا سفر پھر سے طے کرنا پڑتا تھا۔ آنسو اندر دھکیل کے وہ باہر نکلی اور دروازہ لاک کیا تھا۔

نورے کانفرنس روم میں بیٹھی سامنے بیٹھے لوگوں سے کوئی بات کررہی تھی۔ جب دروازہ کھلا تھا اور اسے پیچھے سے اچانک دی ڈریمر کی مخصوص خوشبو آئی تھی۔ وہ ایک لمحے کے لیے سانس نہیں لے سکی تھی۔ حارث جب کہیں داخل ہوتا تھا تو اس کے پیروں کی چاپ سے بھی پہلے یہی خوشبو اس کی موجودگی کی خبر دیتی تھی۔ وہ بات کرتے کرتے ایک دم چپ ہوئی تھی۔ دھیرے سے گردن موڑ کے دیکھا، وہ ضرار تھا۔ دل مایوس ہوا تھا۔

(تم کتنی بے وقوف ہو، وہ بھلا یہاں کیسے آسکتا ہے؟) اس نے خود کو گھر کا تھا۔

ضرار اپنا بزنس پلان پریزینٹ کرکے اب مستطیل میز کے گرد بیٹھے لوگوں کی باتوں کو دھیان سے سن رہا تھا۔ دائیں ٹانگ مسلسل ہلاتا وہ ساری توجہ ان کی گفتگو کی جانب مبذول کیے ہوئے تھا۔ گاہے بگاہے وہ خاموشی سے بیٹھی نورے کو بھی دیکھ لیتا تھا۔

وہ سب اس کارپوریٹ سیکٹر کے بڑے بڑے انویسٹرز تھے اور ضرار نے اپنا بزنس پلان ان کے سامنے رکھا تھا۔ جواب میں اب وہ سب اپنی رائے دے رہے تھے۔ بات کے اختتام پہ وہ مسکرائے تھے اور ضرار کا سانس حلق میں اٹکا تھا۔ وہ سب کھڑے ہوئے وہ بھی ان کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔ ان میں سے ایک نے مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔۔

انہوں نے مثبت جواب دیا تھا وہ انویسٹمنٹ کے لیے تیار تھے۔ ضرار نے سکھ کا سانس لیا تھا۔ کچھ دیر بعد وہ لوگ چلے گئے تھے اور ضرار نے مستطیل میز کے دوسرے کنارے پہ کھڑی نورے کو دیکھا تھا اور مسکرایا تھا۔

''تھینکس مس نورے! آپ کی مدد نہ ہوتی تو یہ سب کبھی نہ ہوتا۔'' ان کے جانے کے بعد اس نے کہا۔

''اوہ پلیز۔ یہ سب آپ کی محنت کا رزلٹ ہے۔'' وہ پرتکلف سی مسکرائی تھی۔

''کچھ ہے جو میں آپ کے لیے کرسکتا ہوں؟'' وہ اپنی چیزیں سمیٹتے ہوئے بولا تھا۔ نورے جو لیپ ٹاپ اٹھا رہی تھی، گردن اثبات میں ہلا کے اسے دیکھا تھا۔

''یہ پرفیوم نہ لگایا کریں۔ کم سے کم جب کسی ایسی میٹنگ میں آتے ہیں جہاں میں ہوتی ہوں۔'' وہ پھیکا سا مسکرائی تھی۔ ''آئی ہیٹ اٹ۔''

''شیور!'' ضرار نے ناسمجھی سے سر ہلایا تھا۔ وہ مسکرا کے باہر نکل گئی تھی اور اس کے پیچھے کھڑے سیکریٹری نے کندھے اچکائے تھے (حارث سر تو یہی لگاتے تھے!)

''اتنی بری ہے کیا؟'' ضرار نے لمبا سانس کھینچا تھا اور اپنی پرفیوم کی خوشبو کو سونگھا تھا۔

☆☆☆

حسن کریم واپس آسٹریا آچکا تھا اور اس وقت اپنے کمرے میں بیٹھا گیم کھیل رہا تھا۔ جب اس کے باپ نے دستک دے کے دروازہ کھولا تھا۔

''ہائے ڈیڈ!''

وہ آگے آئے تھے اور اس کے قریب آکے رکے تھے۔

''حارث کو کیا ہوا ہے؟'' انہوں نے ڈائریکٹ سوال کیا تھا۔ حسن کہنا چاہتا تھا کون حارث؟، لیکن یہ کچھ زیادہ ہی ہوجاتا۔

"کیا مطلب؟" اس نے سوالیہ نظروں سے باپ کو دیکھا تھا۔ انجان بننے کی پوری کوشش کی تھی "کچھ ہوا ہے کیا اسے؟"

"میں دبئی اس سے ملنے گیا تو وہ مجھے ٹھیک نہیں لگا۔ المری انٹر پرائزز سے بھی ریزائن کر چکا ہے۔" احمد کریم اسے غور سے دیکھ رہے تھے۔

"وہ دبئی میں رہتا ہے؟" حسن ریموٹ پہ انہماک سے بٹن دباتے ہوئے بولا تھا۔ "اور آپ اس سے ملنے گئے تھے؟ کول!"

"ایسے مت ظاہر کرو جیسے تم دبئی اس سے مل کے نہیں آئے۔" انہوں نے آگے بڑھ کے ٹی وی آف کیا تھا۔

"ڈیڈ!" حسن نے برا سا منہ بنایا تھا۔ "مجھے سارا لیول شروع سے کھیلنا پڑے گا۔"

"اسے کیا ہوا ہے حسن؟" اس کے باپ نے رسان سے اپنا سوال دہرایا تھا۔

"مجھے نہیں پتا۔ آپ کیا بات کر رہے ہیں؟" حسن نے نا سمجھی سے ان کو دیکھا تھا "میں کچھ نہیں جانتا۔ عرصہ ہو گیا ہے اس سے بات کیے ہوئے۔"

"تم دونوں سانس بھی لو تو ایک دوسرے کو بتاتے ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ حارث کے ساتھ کچھ برا ہوا ہو اور حسن کو نہ پتا ہو۔" وہ اسے گھورتے ہوئے بولے تھے۔

"مجھے واقعی کچھ نہیں پتا ڈیڈ، جب سے وہ باغی گھر چھوڑ کے......" حسن نے اٹھ کے ٹی وی آن کیا تھا۔

"میں تمہارا کریڈٹ کارڈ بلاک کروا رہا ہوں حسن! تم آرام سے سوچ کے فیصلہ کر لو کہ بتانا ہے یا نہیں۔" وہ باہر کی جانب بڑھے تھے اور حسن کا منہ کھل گیا تھا۔

"آپ میرا رزق روک رہے ہیں؟" وہ شاک میں تھا۔

"رزق نہیں عیاشی۔" احمد کریم رکے بغیر بولے تھے۔

"آپ کو لگتا ہے کہ مجھے بلیک میل کر کے میرے بھائی کے بارے میں انفارمیشن نکلوالیں گے تو آپ غلط ہیں ڈیڈ!" وہ ریموٹ ہاتھ میں پکڑے آواز میں بولا تھا۔

"یعنی کہ انفارمیشن ہے تمہارے پاس۔ گڈ" احمد کریم کندھے اچکا کے آگے بڑھ گئے تھے۔ اور وہ صوفے پہ گرنے کے انداز میں بیٹھا تھا۔

ڈیڈ کو لگتا ہے میں آکسیجن پہ نہیں کریڈٹ کارڈ پہ زندہ رہتا ہوں۔ گیم کھیلتے ہوئے اس نے جل کے سوچا تھا۔ اسے سارا لیول دوبارہ سے کھیلنا پڑ رہا تھا۔

(ان کا بس چلے تو میری آکسیجن بھی بند کر دیں)

وہ ہار گیا تھا اور ریموٹ قریب رکھ کے سینے پہ ہاتھ باندھے سامنے ٹی وی کی اسکرین کو دیکھ رہا تھا۔

میں اتنا لالچی ہوں کہ چند پیسوں کے لیے بھائی کا راز بھی نہ رکھ سکوں۔ ہونہہ وہ موبائل آن کر کے صوفے پہ لیٹا تھا۔ دل بے زار ہو گیا تھا۔

دیکھتا ہوں کیسے منہ کھلواتے ہیں میرا!" اس نے جل کے سوچا تھا اور پہلے انسٹا پہ نورے المری کو ڈھونڈا تھا اور پھر ریکویسٹ بھیجی تھی۔

موبائل رکھ کے وہ خاموشی سے لیٹ گیا اور ٹھیک تیس منٹ بعد لاؤنج میں بیٹھے، احمد علی کریم کے سامنے کھڑا ساری روداد سنا رہا تھا۔ المری انٹر پرائزز میں جاب سے لے کے نورے کے شادی سے انکار کرنے تک اس نے باپ کو ساری کہانی سنائی تھی۔ انہوں نے سر ہلایا تھا اور اپنے سیکریٹری کو کال کی تھی۔

"حسن کا کارڈ بلاک مت کروانا" وہ پرسکون سے بولے تھے اور حسن ایک ناراض نظر ان پر ڈال کے پلٹ گیا تھا۔

(ہو سکتا ہے ڈیڈ ان کی شادی کروا ہی دیں۔ پھر یہ دونوں میرا شکریہ ادا کریں گے اور میرا بھی فائدہ ہو گیا) اس نے جیب سے اپنا کریڈٹ کارڈ نکالا تھا اور منہ بسور کے اسے دیکھا تھا۔

☆☆☆

ہاشم المری ابھی ابھی آفس سے واپس لوٹے تھے۔ ڈرائیور نے گاڑی پارک کی اور وہ نفاست سے

بجے الرّی پیلس میں داخل ہوئے تھے۔ اتنے میں جیب میں رکھا ان کا موبائل تھرتھرایا تھا انہوں نے موبائل نکالا کوئی انجان نمبر تھا۔

"ہیلو؟" ہاشم نے موبائل کان سے لگایا تھا۔

"ہاشم؟" دوسری جانب سلام دعا کے بغیر پوچھا گیا تھا۔

"جی۔ آپ کون؟"

"احمد علی کریم بول رہا ہوں۔"

"کیوں فون کیا ہے؟" ہاشم کی صبیح پیشانی پہ بل پڑے تھے۔

"یہ بتانے کے لیے کہ فریدہ مر چکی ہے لیکن نورے اور حارث ابھی زندہ ہیں۔" دوسری جانب سپاٹ لہجے میں کہا گیا تھا۔

"میں نے اسے شادی سے نہیں روکا" ہاشم ان ہی کے لہجے میں بولے تھے۔

"تم نے تو فریدہ کو نورے سے ملنے سے بھی نہیں روکا تھا۔ رائٹ؟" احمد کریم جتاتے لہجے میں بولے تھے۔ "ہاشم الرّی اس سب کا کیا فائدہ اگر تمہاری بیٹی ہی نہ رہی تو؟ لوگوں کی باتیں، تمہاری کمپنی، تمہارا محل، تمہاری انا اور تمہاری ضد۔ اس سب کا کیا کرو گے؟"

ہاشم کے دل کو جیسے کسی نے مٹھی میں لیا تھا۔

"کوئی کسی کے بغیر نہیں مرتا احمد علی کریم۔ تم مرے ہو فریدہ کے بغیر؟ میں مرا ہوں اس کے بغیر؟ نورے زندہ ہے نا فریدہ کے بغیر؟ حارث زندہ ہے نا اپنی ماں کے بغیر؟"

"کیونکہ مرے ہوؤں پہ صبر آجاتا ہے۔ زندہ لوگوں پہ فاتحہ پڑھنی مشکل ہے۔" موبائل میں احمد کریم کی سرد آواز گونجی تھی۔

"میں نے پڑھی تھی زندہ انسانوں پہ فاتحہ۔" ہاشم کا لہجہ سخت ہوا تھا "اور یہ نورے کا اپنا فیصلہ ہے۔ میں نے اسے کسی چیز سے نہیں روکا۔" ہاشم اب مضبوط لہجے مگر آہستہ آواز میں بولے تھے۔

"تم نے روکا نہیں لیکن کیا تم نے کہا کہ تم اس کی ہر خوشی میں شامل ہو گے؟"

"جو میں نہیں کر سکتا، اس کا وعدہ کیوں کروں؟" ہاشم نے سوال کیا تھا۔

"سوچو ہاشم، اگر وہ کسی شام واپس نہ لوٹی تو؟" احمد کریم مدھم آواز میں بولے تھے "جو مر جاتا ہے، وہ پھر مر ہی جاتا ہے۔ ہم اپنی ساری دولت لٹا کے بھی ایک لمحہ نہیں خرید سکتے۔"

"وہ بالکل...... ٹھیک ہے۔" ہاشم ٹھہر ٹھہر کے بولے تھے۔

"ہاشم الرّی نہیں اس کا باپ بن کے دیکھو۔" دوسری طرف بغیر کسی الوداعیہ کلمے کے کال کاٹ دی گئی تھی۔

ہاشم نے کوٹ اتارا ٹائی نوچ کے پھینکی۔ ان کا دل گھبرایا تھا۔ ایک نظر اپنے محل کو دیکھا تھا۔ الرّی پیلس سے لے کے الرّی انٹرپرائزز تک ہر چیز پر رونق تھی کیونکہ نورے وہاں تھی۔

(سوچو ہاشم اگر وہ کسی شام واپس نہ لوٹی تو؟) ان کے کانوں میں احمد علی کریم کی مدھم آواز گونجی تھی۔ سانس لینا مشکل ہوا تھا اور انہوں نے موبائل اٹھا کے نورے کو کال ملائی تھی۔

"کہاں ہو؟" اس کے کال اٹھاتے ہی وہ تیزی سے بولے تھے۔

"ڈیڈ وہ جینی کے ساتھ آئی ہوں"۔ اس کی آواز گونجی تھی اور ان کے بے قرار دل کو جیسے سکون ملا تھا۔

"سب خیریت؟ میں نے آپ کو بتایا تھا نا؟" وہ ان کو یاد دلاتی بولی تھی۔

"ہاں۔ بس ڈنر پہ تمہارا انتظار کروں گا۔ جلدی آنا" وہ لہجے کو نارمل بناتے بولے تھے البتہ آنکھوں میں نمی کی باریک سی تہہ تھی۔

"اوکے۔ میں اور جینی آرہے ہیں۔ ہم ڈنر گھر ہی کریں گے۔" وہ بولی تھی اور اس کے عقب سے جینی کی آواز آرہی تھی۔

"اللہ حافظ۔ ڈرائیو دھیان سے کرنا بیٹا!" وہ صوفے پہ بیٹھے تھے۔

"اوکے ڈیڈ۔ اللہ حافظ"۔ اس نے کال کاٹ دی

تھی۔ یہ احساس ہی کہ نورے نے ان کو ہر چیز سے اوپر رکھا تھا، ان کا مان بڑھا گیا تھا لیکن حارث کی فیملی کو پھر بھی قبول نہیں کر سکتے تھے۔

لیکن آس کے دل کا کیا؟ اندر کسی نے سوال کیا تھا۔

جب تم نہیں رہو گے ہاشم تو وہ کیا کرے گی؟ ایک اور سوال اٹھا تھا۔

(فریدہ مر چکی ہے لیکن نورے اور حارث ابھی زندہ ہیں) کانوں میں احمد کریم کی آواز ایک بار پھر گونجی تھی۔

☆☆☆

اس کیوٹ سی لڑکی کو دیکھا تھا۔ وہ پرسکون نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔ حارث نے جیب سے لسٹ نکال کے اسے تھمائی تھی۔ فاطمہ نے لسٹ پہ نظر دوڑائی تھی اور اپنی ٹرالی اس کی طرف بڑھائی تھی۔

''یہ لے جائیں اور کاؤنٹر کے پاس میرا ویٹ کریں۔''

حارث اس کی بھری ہوئی ٹرالی لے کے کاؤنٹر کے پاس آیا تھا اور وہ اس کی خالی ٹرالی دھکیلتی آگے بڑھ گئی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں پارکنگ لاٹ میں اپنی اپنی گاڑی کی ڈگی کھولے سامان رکھ رہے تھے۔

''کیا مسئلہ ہے؟'' وہ عام سے لہجے میں بولی تھی۔

''نورے نے شادی سے انکار کر دیا ہے'' وہ گروسریز سے بھرا بیگ ڈگی میں رکھتے بولا تھا۔ لہجہ ایسے تھا جیسے پرانے دوست سے بات کر رہا تھا۔

''اور نورے نے انکار کیوں کیا؟''

''کیونکہ اس کی اور میری فیملی ایک ٹیبل پہ نہیں بیٹھ سکتی۔'' حارث نے دوسرا خاکی بیگ اٹھا کے ڈگی میں رکھا تھا۔

''ہوں'' فاطمہ نے پرسوچ نظروں سے اسے دیکھا تھا'' تو تم لوگ اپنی فیملیز کو ایک ٹیبل پہ مت بٹھانا۔ الگ الگ ٹیبل رکھ لینا۔''

اس سارے عرصے میں حارث پہلی بار مسکرایا تھا'' یہ اتنا آسان نہیں ہے۔''

''آپ کا نام کیا ہے؟'' فاطمہ نے اپنی گاڑی کی ڈگی بند کی تھی۔

''حارث کریم'' حارث نے بھی اپنی گاڑی کی ڈگی بند کی تھی۔

ضرار ہاشم المری کے ساتھ میٹنگ میں تھا۔ بات چیت ختم ہوئی تھی اور ہاشم نے اسے دیکھا تھا۔

''ضرار! حارث احمد کریم کو ایم ڈی کی پوسٹ پہ رکھ لو'' وہ کچھ سوچتے ہوئے بولے تھے'' میری سفارش سمجھ لو۔''

''آپ کا پرانا ایم ڈی؟ رائٹ؟'' ضرار نے ان کو دیکھا تھا۔

''ہاں۔ بہت قابل انسان ہے۔ تمہاری کمپنی کو بہت فائدہ ہوگا'' وہ راکنگ چیئر سے ٹیک لگائے بولے تھے۔ انہیں جمال کی کرپشن اور حارث کی ایمان داری یاد آئی تھی۔ یقین نہیں آ رہا تھا وہ احمد کریم کے بیٹے کی سفارش کر رہے تھے۔ شاید اسے یہاں روکنے کے لیے!

''ہو جائے گا سر۔'' ضرار اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا تھا اور ان سے ہاتھ ملا کے چلا گیا تھا۔

باہر آ کر اس نے اپنے سیکریٹری سے کہا تھا کہ حارث سے رابطہ کرے۔

''لیکن سر! ہم پہلے ہی ایم ڈی سلیکٹ کر چکے ہیں'' سیکریٹری اس کے ساتھ ساتھ چلتا بولا تھا۔

''تو اسے کسی اور پوسٹ پہ موو کر دو۔ کیونکہ ہاشم المری کبھی ایسے ویسے لوگوں کی سفارش نہیں کرتا۔''

دونوں اب المری انٹر پرائزز کی لفٹ میں داخل ہوئے تھے۔ سیکریٹری نے سر ہلایا تھا۔

''میں آج ہی حارث کریم سے رابطہ کرتا ہوں۔''

''گڈ'' ضرار نے کچھ سوچا تھا'' پتا لگاؤ اس نے ریزائن کیوں کیا ہے؟''

''اس میں پتا لگانے والی کیا بات ہے۔ نورے کا

سیکریٹری میرا دوست ہے۔" وہ دونوں لفٹ سے نکل کے اب اس کمپنی کے پرتعیش لاؤنج سے گزر رہے تھے۔ اے سی کی خنکی پھیلی تھی۔ جب سے ضرار کا بزنس سیٹ ہو رہا تھا موڈ اپنے آپ ٹھیک ہوتا جا رہا تھا۔

"نورے المری اسے پسند کرتی تھی نا۔ تو ہاشم سر نے اسے نکال دیا۔" سیکریٹری مزے سے اسے بتا رہا تھا۔

"اچھا" ضرار کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔ "یہ گھر کے مسئلے!" اس نے سر جھٹکا تھا اور دونوں آگے بڑھے تھے۔ سیکریٹری اسے مزید تفصیلات سنا رہا تھا اور وہ گلاسز پہنے اس کے ساتھ آگے بڑھتا اسے سن رہا تھا۔

☆☆☆

نورے اور جینی کانفرنس روم میں بیٹھی تھیں۔ نورے نے سفید ڈریس شرٹ پہ ہلکے سرمئی رنگ کا کوٹ اور پینٹ پہن رکھی تھی۔

"اس نے ضرار کی کمپنی جوائن کر لی ہے۔" ہلکے گلابی رنگ کا جمپ سوٹ پہنے جینی سرسری سے لہجے میں بولی تھی۔

"اچھا ہے اس کے لیے۔" وہ موبائل دیکھتی بنا تاثر بولی تھی۔ پھر ٹھٹکی تھی اس کے انسٹاگرام اکاؤنٹ پہ حسن کی ریکویسٹ آئی تھی۔ نورے نے چند لمحے سوچا اور پھر اس کی ریکویسٹ ایکسیپٹ کر لی تھی۔ موبائل رکھا تھا اور جینی کو دیکھا تھا۔

"تم نے اسے میسج کیا؟" اشارہ حارث کی طرف تھا۔

"ناں ناں۔ خانم کہتی ہے جس مرد کی آنکھوں میں کوئی اور عورت ہو اس سے ایسے بچتے ہیں جیسے کوڑھ کے مریضوں سے۔" وہ انگلیوں سے ٹیبل کو بجاتی بولی تھی۔

"تمہاری خانم ایک عقل مند عورت ہے۔" نورے مسکرائی تھی اور اپنی انگلی میں پہنے نازک ہیرے کو نرمی سے چھوا تھا۔

"بالکل۔ اور جس طرح حارث احمد کریم تمہیں دیکھتا تھا جب تم یہاں کھڑی ہو کے بولتی تھیں۔" جینی نے انگلی سے سامنے اشارہ کیا تھا جہاں کھڑے ہو کے وہ میٹنگز میں بولتا تھا۔

"وہ نظریں یہ کہتی تھیں کہ تم اسے پکارو گی تو وہ ساری دنیا چھوڑ کے بھی آ جائے گا۔ کوئی بھی عقل مند عورت اپنے ساتھ یہ نہیں کرے گی۔" وہ کندھے اچکا کے بولی تھی اور نورے کے چہرے پہ سایہ سا لہرایا تھا اتنے میں ضرار اندر آیا تھا۔

"یہ بھی ٹھیک ہے ویسے!" وہ سیدھی ہوتی بولی تھی۔ اس کے چہرے کے بدلتے تاثرات جینی نے نوٹ کیے تھے۔ اور جینی کو اپنی بات کی سنگینی کا احساس ہوا تھا اس نے ٹاپک چینج کرنے کی کوشش کی تھی۔ ضرار سلام کرتا آگے بیٹھا تھا۔ دونوں نے سلام کا جواب دیا تھا۔ اتنے میں باقی لوگ بھی اندر آئے تھے۔

"آج کی میٹنگ میں آئے گا؟" جینی نے سرگوشی کی تھی۔

"کبھی نہیں۔" نورے نے سر نفی میں ہلایا تھا۔ "وہ مجھ سے ناراض ہے۔ وہ ایسی جگہ ہرگز نہیں آئے گا جہاں میرا ہونا لازمی ہے۔"

اور تب ہی نورے کا موبائل وائبریٹ ہوا تھا۔ اس نے دیکھا حسن کا میسج آیا تھا۔

"واٹس ایپ نمبر دیں اپنا" اس کے چہرے پہ مسکراہٹ پھیلی تھی۔ ٹیکسٹ میسج میں موجود ناراضی کو بھی وہ محسوس کر سکتی تھی۔ اس نے اپنا نمبر بھیجا تھا۔ اور اردگرد بیٹھے لوگوں کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

☆☆☆

حارث نے ضرار کی کمپنی کو جوائن کیا تھا لیکن ایم ڈی کی حیثیت سے نہیں، بلکہ بزنس پارٹنر کے طور پہ۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا تھا نورے کو نظرانداز کرنے کی لیکن چونکہ فیلڈ ایک تھی تو وہ ہر دوسری جگہ پہ اکٹھے ہو جاتے تھے۔ جیسے آج ہوئے تھے۔ وہ گیسٹ لسٹ چیک کرتا تھا اور ڈنرز اور پارٹیز میں بہت کم شامل ہوتا تھا لیکن کچھ موقعے ایسے ہوتے تھے کہ ان کو ملنا پڑتا

pklibrary.com

تھا۔

دوسرے وہ المری فیملی کو یہ میسج نہیں دینا چاہتا تھا کہ وہ ان سے کتراتا تھا۔ آج بھی وہ ایسی ہی ایک پارٹی میں موجود تھا۔ سیاہ اٹالین سوٹ پہنے۔

وہ دور لوگوں کے گروپ کے ساتھ کھڑے ہاشم المری کو دیکھ رہا تھا۔ پارٹی روشنیوں سے مزین ایک وسیع ہال میں تھی۔ ہال میں ساری سجاوٹ سفید اور سنہرے رنگ سے کی گئی تھی۔ چھت سے خوب صورت فانوس لٹک رہے تھے اور لوگ باتوں میں مصروف تھے۔ موسیقی کی مدھم آواز اور پھولوں کی ایک مخصوص خوشبو سارے ہال میں پھیلی تھی۔ یونہی نظروں نے بے اختیار کسی چہرے کو ڈھونڈا تھا اور حارث کا دل دھڑکا تھا۔ اس نے رخ موڑ لیا تھا۔ سامنے وہ جینی کے ساتھ کھڑی تھی۔ اس نے سنہرے رنگ کا خوب صورت گاؤن پہن رکھا تھا اور بال ڈھیلے سے جوڑے میں بندھے تھے۔ کچھ لٹیں چہرے کے اطراف میں گر رہی تھیں۔

ہاشم المری کے ارد گرد سے لوگ ہٹے تھے اور وہ ان تک آیا تھا۔ اسے ایک ادھوری معافی مانگنی تھی۔ جاتے ہوئے وہ نورے کے قریب سے گزر کے گیا تھا۔

دی ڈریمر کی مخصوص خوشبو ہر طرف پھیلی تھی اور شیشے کے نازک گلاس پہ نورے کی گرفت سخت ہوئی تھی وہ جو سامنے کھڑی لڑکی سے بات کر رہی تھی ایک دم چپ ہوئی تھی لیکن پلٹ نہیں سکی تھی۔ ان کے قریب جا کے حارث نے سلام کیا تھا۔ ہاشم نے پلٹ کے اسے دیکھا اور سلام کا جواب دیا تھا۔

''آئی ایم سوری، جو بات آپ کو کسی اور سے پتا چلی وہ مجھے خود بتانی چاہیے تھی۔ لیکن مجھے واقعی لگا تھا۔ میرے سرنیم سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ میرا مقصد آپ کو دھوکا دینا یا ہرٹ کرنا نہیں تھا۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولا تھا۔ ہاشم نے ایک نظر اسے دیکھا تھا اور دوسری نظر دور کھڑی نورے پہ ڈالی تھی وہ بظاہر اپنے سامنے کھڑی لڑکی سے بات کر رہی تھی لیکن بے چین نظروں سے اس طرف دیکھ رہی تھی۔

''اٹس اوکے'' ہاشم نے اسے دیکھا تھا اور وہ واپس پلٹ گیا تھا۔

نورے نے دیکھا وہ بالکل سامنے سے آ رہا تھا۔ وہ سانس روک کے کھڑی تھی اور حارث اس طرح قریب سے گزرا تھا جیسے اسے جانتا تک نہ ہو۔ نورے زخمی سا مسکرائی تھی اور گہرا سانس لے کے ضرار کو ڈھونڈا تھا۔ تھوڑے فاصلے پہ وہ اسے نظر آ گیا تھا۔ سلام دعا کے بعد نورے سیدھا مدعا پہ آئی تھی۔

''آپ کی ایک مدد چاہیے؟'' وہ کمزوری کا فیز گزر گیا تھا اور وہ واپس نورے المری تھی۔

''جی بولیں؟'' ضرار نے ہاتھ میں پکڑے گلاس سے گھونٹ بھرا تھا۔ ان کی اگلی ہر ملاقات پہلی ملاقات سے بہت الگ تھی۔

''ہماری کمپنی نے حارث کو سیکیورٹی دینی ہے میری ٹیم آ جائے گی لیکن آپ کو حارث کریم سے کہنا ہے کہ یہ آپ کی طرف سے ہے۔'' وہ گھونٹ بھر کے بولی تھی۔

''آپ اس سے خود بات کر لیں۔''

''وہ ناراض ہے۔ میں کہوں گی تو کبھی نہیں مانے گا۔''

''ہاں یہ تو ہے۔'' ضرار نے تائیداً سر ہلایا تھا۔ ''وہ محنتی اور قابل تو ہے لیکن بہت ضدی ہے۔ پتا نہیں ہاشم سر کے ساتھ کیسے کام کیا تھا۔'' وہ مسکرایا تھا۔

''اب مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ لوگوں کے لیے مجھے جھیلنا کتنا مشکل رہا ہوگا۔'' نورے بھی مسکرائی تھی۔

''ویسے سیکیورٹی کیوں؟'' وہ دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھے تھے۔

''جمال نے دھمکی دی ہے۔ ویسے مجھے لگتا تو نہیں لیکن وہ نقصان پہنچا بھی سکتا ہے۔ میں'' رک کے تصحیح کی تھی۔ ''ہم کوئی رسک نہیں لینا چاہتے۔ یہ مصیبت اس پہ ہماری کمپنی کی وجہ سے آئی ہے۔''

''جمال!'' ضرار کو اپنی اور اس کی آخری ملاقات یاد آئی تھی ''اوکے۔ ہو جائے گا۔'' ضرار

pklibrary.com

رضامند تھا۔
"تھینکس!" نورے مسکرا کے آگے بڑھی تھی اور جینی ضرار تک آئی تھی۔

"خانم کہتی ہے جس عورت کی آنکھوں میں کوئی اور مرد ہو، اس سے ایسے بچتے ہیں جیسے کوڑھ کے مریضوں سے۔"

ضرار نے گھوم کے اسے دیکھا تھا۔ سیاہ ستاروں سے بھرا ڈریس پہنے وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

"اور جس طرح وہ حارث احمد کریم کو دیکھتی ہے کوئی بے وقوف ہی ہوگا جو نورے سے شادی کرے گا۔" رک کے مسکرائی تھی "یا محبت!"

"میری اپنی ایک عدد خوب صورت بیوی ہے۔ بس ذرا ناراض ہے۔ کسی کے ساتھ کوئی کمپٹیشن ہی نہیں ہے۔ اس کا۔" وہ جتاتے ہوئے بولا تھا۔ جب سے بزنس سیٹل ہو رہا تھا اس کا موڈ ٹھیک رہنے لگا تھا۔ بلکہ یہ کہنا چاہیے تھا وہ تمیز دار ہوتا جا رہا تھا وہ واپس پرانا ضرار ملک بنتا جا رہا تھا۔

"اوہ۔ میں جیز مین جعفری سب مجھے جینی کہتے ہیں۔ میرا مقصد بس آپ کے دل کو ٹوٹنے سے بچانا تھا۔" وہ معصوم شکل بنا کے بولی تھی۔

"ٹیم حارث کی طرف سے ہیں آپ!" وہ سر ہلاتے بولا تھا۔

"یہ نورے بے وقوف ہے۔" وہ ناک سکوڑ کے بولی اور آگے بڑھ گئی تھی۔ "حارث کریم سے کوئی دست بردار ہو سکتا ہے بھلا؟" وہ آگے جاتی بڑبڑائی تھی۔

ضرار نے ایک نظر سامنے کھڑی نورے کو دیکھا تھا اور پھر پلٹ کے حارث کریم کو۔ اور کندھے اچکا کے آگے بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

دور کھڑے حارث نے ایک سرسری نظر ان پہ ڈالی تھی۔ پتا نہیں کیوں اسے برا لگا تھا۔ وہ اور بھی لوگوں سے بات کرتی تھی لیکن ضرار کے ساتھ نورے کا بات کرنا اس کا دل جلا گیا تھا۔ وہ ہال سے باہر نکلا اور بڑے سے دروازے کے سامنے بنی سیڑھیوں پہ بیٹھا تھا۔ ٹائی ڈھیلی کی تھی اور کوٹ اتار کے پاس رکھا تھا۔ وہ یہاں نہیں رہ سکتا تھا۔ نورے کو ایسے نظر انداز کرنا آسان نہیں تھا۔ اس نے موبائل نکالا اور آسٹریلیا کے لیے ٹکٹ بک کروائی تھی۔ وہ اٹھا۔ کوٹ اور ٹائی اٹھا کے باہر کی جانب بڑھ گیا تھا۔ وہ گھر واپس جا رہا تھا۔

☆☆☆

نورے سامنے کھڑی کچھ بول رہی تھی اور ہاشم نے اس کا چہرہ دیکھا تھا۔ وہ کام میں بہت اچھی تھی لیکن اس کے چہرے پہ اس کے دل کی اداسی اتر چکی تھی۔ انہیں اپنا آپ مجرم لگا تھا۔ وہ اپنے آفس میں بیٹھی تھی جب سیکیورٹی ٹیم کا ایک ممبر آیا تھا اور اسے بتایا تھا کہ حارث کو سیکیورٹی دینا اب ناممکن تھا کیونکہ وہ گھر چلا گیا تھا۔ نورے چند لمحے خاموشی سے بیٹھی رہی تھی اور پھر اٹھی تھی اسے بھی گھر جانا تھا۔

شام کو وہ اپنے روم میں بیٹھی تھی اور حسن سے کال پہ بات کر رہی تھی۔

"کچھ رہ گیا تھا سنانے کے لیے؟" اس نے موبائل ہاتھ میں پکڑ رکھا تھا اور کھڑکی کے قریب صوفے پہ بیٹھی تھی۔

"ہاں۔ اپنے ڈیڈ کو منانے کی کوشش کرو ورنہ ہماری ڈائمنڈ رنگ واپس کر دو، وہ بہت مہنگی تھی۔" وہ منہ بسور کے بولا تھا۔

"یہ تو نہیں ہو سکتا۔" وہ ہاتھ میں پہنی رنگ دیکھتی بولی تھی۔ "یہ میری ہے، کوئی اور لڑکی اسے اب نہیں پہن سکتی۔"

"نورے" حسن زچ ہوا تھا "تم پاگل ہو؟" وہ چھوٹے بھائی سے باپ بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔

"نہیں۔ شاید بدقسمت ہوں۔" وہ اسی کے لہجے میں بولی تھی۔ "ہم آج کے بعد اس بارے میں کوئی بات نہیں کریں گے حسن، پلیز۔"

اور حسن چپ ہوا تھا۔

"ان کرسمس کی چھٹیوں پہ فری ہو؟" نورے

pklibrary.com

نے بات بدلی تھی۔
"ہاں۔کیوں؟"
"میں ایک ویک کے لیے ملنے آؤں گی۔"
"یہاں آسٹریا؟" وہ خوش ہوا تھا۔
"ہاں اگر تم کہیں اور نہیں آسکو گے تو میں وہاں آجاؤں گی۔"
"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ڈیڈ اور حارث ابھی مجھے اکیلے کسی دوسرے ملک نہیں جانے دیں گے۔بس اٹھارہ کا ہو جاؤں" وہ پرجوش سا بولا تھا۔
"اوکے۔میں آؤں گی۔"
اور وہ اس سے ملنے گئی تھی۔دونوں نے ایک ہفتے کے لیے خوب انجوائے کیا تھا۔وہ دونوں بہت زیادہ ہنسے تھے اور نورے اس کے کندھے پہ سر رکھ کے روئی تھی ہر نقصان کے لیے۔فریدہ کے لیے، اپنے لیے، اور حارث کے لیے۔اور وہ نرمی سے اس کے سر پہ ہاتھ پھیر کے اسے چپ کرواتا تھا۔
حسن اسے ملنے والا سب سے قیمتی تحفہ تھا وہ صرف اس کا چھوٹا بھائی نہیں تھا ضرورت پڑنے پہ وہ اس کی ماں بھی بن جاتا تھا اور غصہ آنے پہ باپ بننے میں دیر نہیں لگاتا تھا۔

☆☆☆

حارث آسٹریا آچکا تھا اور ابھی اپنے روم میں کھڑا تیار ہو رہا تھا۔وہ آئینے کے سامنے کھڑا کف بند کر رہا تھا۔جب اس کے پیچھے سے حسن کی آواز آئی تھی وہ سینے پہ ہاتھ باندھے دروازے میں کھڑا تھا۔
"یہ فاطمہ کون ہے؟" سترہ سال کا لڑکا لہجہ سرسری بنائے بولا تھا۔حارث نے کف بند کر کے پرفیوم اٹھایا تھا۔اور آئینے میں اسے دیکھا تھا۔
"ایک دوست ہے اور تھیراپسٹ ہے۔" ان کی کمپنی کاؤنسلنگ کے لیے کسی تھیراپسٹ کو رکھتی تھی۔اس بار حارث نے فاطمہ کی سفارش کی تھی۔کریم انڈسٹریز ایک لگژری گاڑیاں بنانے والی کمپنی تھی۔ان کے انجینئرز، ڈیزائنرز اور ایگزیکٹو کا کام اتنا اعصاب شکن تھا کہ انہیں اعصابی تناؤ اور سختی سے ڈیل کرنے کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت پڑتی تھی۔
"کیا میں ملا ہوا ہوں؟" اس نے پھر سے سوال کیا تھا۔حارث نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔
"وہ جو دبئی میں ملی تھی۔جس کو میں نے ڈراپ کرنے کا کہا تھا۔"
"اوہ!" حسن نے ہونٹ گول کیے تھے اور سر اثبات میں ہلایا تھا" وہ جس کے لیے تم بس اوزار لے کے نکلنے ہی والے تھے۔"
"فکر مت کرو۔تمہاری بہن پہ سوتن نہیں بٹھاؤں گا۔" حارث نے آگے آکے اس کا کندھا تھپکا تھا۔
"وہ میری بہن نہیں ہے۔" حسن نے ناک سکوڑی تھی تھا۔دونوں ساتھ ساتھ آگے بڑھے تھے۔
"اسی لیے تم ایک ہفتہ اس کے ساتھ ووکیشن پہ گئے تھے۔" دونوں ناشتے کے ٹیبل کی جانب بڑھے تھے۔
"تمہارے لیے گیا تھا میرے بھائی۔بھابھی پہ نظر بھی تو رکھنی ہے۔" وہ ڈھٹائی سے اس کے سامنے کرسی کھینچ کے بیٹھا اور مسکرایا تھا۔
"کاش تمہاری بہن کو بھی میری اتنی فکر ہوتی جتنی تمہیں ہے۔" وہ ٹیک لگا کے اسے دیکھتا بولا تھا۔
"فکر ہے اسے۔تم نے نورے کو......" وہ رکا تھا حارث نے گردن اٹھا کے اسے دیکھا تھا۔"روتے ہوئے نہیں دیکھا۔"
"یہ اس کے اپنے فیصلے ہیں۔" وہ اثر لیے بنا بولا تھا۔"وفاداریاں بدل رہی ہیں تمہاری۔"
"کیا کروں بہن ہے میری اور اکیلی ہے اس کے پاس تھیراپسٹ فرینڈز نہیں ہیں نا!" حسن کندھے اچکا کے جتاتے ہوئے بولا تھا اتنے میں احمد کریم نیچے آئے تھے۔
"فاطمہ سے دور رہو!" وہ اسے چھری دکھا کے تنبیہ کرتا بولا تھا۔حارث نے ٹیبل سے جوس کا گلاس اٹھایا تھا اور کندھے اچکائے تھے۔

☆☆☆

فاطمہ اپنے آفس میں بیٹھی تھی جب مائنڈ زویل کلینک کی فاؤنڈر اس تک آئی تھی اور اسے بتایا تھا کہ وہ آسٹریا شفٹ ہو رہی ہے۔

"تم کریم انڈسٹریز کے ساتھ کام کرو گی ہمارے کلینک کی طرف سے۔" عورت رکی تھی۔ "خاص تمہاری سفارش ہوئی ہے۔"

"اور سفارش کس نے کی ہے؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"حارث کریم۔ وہاں کا ایم ڈی ہے۔"

"نہیں۔ میں آسٹریا نہیں جاؤں گی۔" وہ ترنت بولی تھی۔

"کیوں؟" عورت نے اس کی شکل دیکھی تھی۔

اور فاطمہ نے چند لمحے سوچا تھا (کیونکہ ضرار یہاں تھا!) وہ کہہ نہیں سکی تھی اور اس نے ہامی بھر لی تھی زندگی فرار کا اچھا موقع دے رہی تھی۔

وہ جانے سے پہلے ضرار کو ایک آخری بار دیکھنا چاہتی تھی اور اس جم کے سامنے بنے کیفے میں بیٹھی تھی جہاں سے وہ روز اس ٹائم پہ نکلتا تھا۔ وہ ہر تیسرے دن یہاں آتی تھی۔ وہ کافی کا کپ پکڑے بیٹھی تھی اور تھوڑی دیر بعد وہ سیاہ ٹریک سوٹ پہنے پانی کی بوتل پکڑے باہر نکلا تھا اور اپنی گاڑی میں آ کے بیٹھا تھا چند سیکنڈ کا سفر تھا۔ اس کی صحت پہلے سے بہتر ہو چکی تھی۔

"بائے۔" وہ بے آواز بولی تھی اور گاڑی زن سے آگے بڑھ گئی تھی۔ ضرار ملک نے ایک بار بھی سوری نہیں کہا تھا۔

(شاید مجھے اب پیچھے مڑ کے نہیں دیکھنا چاہیے) کافی کا گھونٹ لیتے اس نے سوچا تھا۔

☆☆☆

ضرار سفید گلابوں کا بکے پکڑے اس کے اپارٹمنٹ کے باہر کھڑا تھا۔ اس نے سفید ڈریس شرٹ اور سیاہ پینٹ پہن رکھی تھی۔ کف موڑ رکھے تھے اور ٹائی غائب تھی وہ شاید آفس سے سیدھا یہاں آیا تھا۔ اور اب دروازے کے سامنے کھڑا بیل بجا رہا تھا۔ دروازہ نہیں کھلا تھا۔ اس کے پڑوسیوں نے بتایا تھا وہ آسٹریا جا چکی ہے۔

ضرار نے بکے وہیں رکھ دیا تھا اور موبائل نکال کے اس کا نمبر کھولا لیکن وہ کال کے آپشن پہ ٹچ نہیں کر سکا تھا۔ ضرار ملک اسے کال تک نہیں ملا سکا تھا آسٹریا اس کے پیچھے جانا تو دور کی بات تھی۔

اسے فاطمہ کے سر کی چوٹ اور چہرے کا نیل یاد آیا تھا۔ اپنے سیکرٹری سے اس نے فاطمہ کے بارے میں ایک ایک ڈیٹیل لانے کا کہا تھا اور آ کے گاڑی میں بیٹھا تھا۔ اسے دیر ہو جاتی تھی ہمیشہ۔

(تم جیسے انسان سے اس کی شادی ہونا ہی اس کی بدقسمتی ہے) جمال کی آواز پیچھا نہیں چھوڑتی تھی۔

(شاید مجھے اب آگے بڑھ جانا چاہیے!) کار کی سیٹ سے ٹیک لگائے ضرار نے کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے سوچا تھا۔

☆☆☆

یہاں ایک عہد تمام ہوا تھا۔

سال چٹکیوں میں گزرے تھے۔ اور نورے آج ناشتے کی ٹیبل پہ بیٹھی تھی۔ اس کے بال پہلے سے لمبے ہو چکے تھے۔ ہاشم سامنے بیٹھے اسے دیکھ رہے تھے۔

"نورے؟" باہر آج صبح صبح بارش ہو رہی تھی اور اندھیرا پھیلا تھا۔ شام جیسا ماحول بنا ہوا تھا۔

"جی ڈیڈ۔" ناشتے میں مصروف نورے نے سر اٹھا کے انہیں دیکھا تھا۔

"شادی کر لو۔" وہ کانٹے سے کٹے ہوئے فروٹ کے ٹکڑے منہ میں رکھتے بولے تھے۔

"کس سے کروں؟" نورے نے الٹا سوال کیا تھا۔

"ضرار کے بارے میں کیا خیال ہے؟"

"وہ شادی شدہ ہے ڈیڈ۔" وہ سموتھی کا گھونٹ بھرتی بولی تھی۔

"میں نے سنا ہے وہ اپنی بیوی سے الگ ہو رہا

ہے۔" انہوں نے اس کے چہرے پہ کچھ کھوجا تھا۔

"اوکے، آپ کو جیسے ٹھیک لگے۔" وہ عام سے لہجے میں بولی اور ہاشم نے دیکھا تھا اس کی آنکھیں ویسے ہی تھیں بجھی ہوئی۔ اب انہیں احساس ہوا تھا۔ بھاڑ میں جائے احمد کریم۔ بھاڑ میں جائے فریدہ۔ ہاشم کو بس اپنی نورے واپس چاہیے تھی۔

"میں نے تمہارے چھ سال ضائع کر دیئے نورے۔" وہ پست لہجے میں بولے تھے۔

"یہ میرا فیصلہ تھا ڈیڈ۔" وہ اٹھی تھی۔ "جو آپ نے میرے لیے کیا ہے اس کے سامنے یہ سب کچھ بھی نہیں ہے۔ آفس میں آپ کا ویٹ کروں گی۔" بیگ اٹھا کے وہ کھڑی ہوئی تھی۔

"نورے! میں حارث کی فیملی کو ایکسیپٹ کرلوں گا۔ بھاڑ میں جائیں سب لوگ۔ میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا۔" وہ کھانے سے ہاتھ روکے اسے دیکھ رہے تھے اور نورے کو لگا تھا، آج وہ سانس نہیں لے سکے گی۔

"اب دیر ہوگئی ہے ڈیڈ۔" وہ آگے بڑھ گئی تھی۔ چھ سال لگے تھے اسے ڈیڈ کو راضی کرنے میں اور اب کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہاشم نے اسے جاتے دیکھا تھا اب وہ اس ٹاپک پہ بات ہی نہیں کرتی تھی۔

☆☆☆

حارث ایک کام سے دبئی آیا تھا اسے شام تک واپس جانا تھا۔ ضرار کا منیجر چلا گیا تھا۔ اسے نورے کے منیجر کے دستخط چاہیے تھے۔ وہ ایک کانفیڈینشل گروپ پراجیکٹ پہ کام کر رہے تھے۔ منیجر نے رات تک کا کہا تھا وہ شہر سے باہر تھا حارث نے وقت دیکھا تھا۔ اس کی فلائٹ میں تھوڑا ٹائم باقی تھا۔ وہ اس جگہ پہ ایک رات بھی نہیں رکنا چاہتا تھا۔

"نورے المری اس وقت آفس میں ہوگی؟" اس نے سیکرٹری سے پوچھا تھا۔

"نہیں سر۔ ان کا آفس ٹائم دو گھنٹے پہلے ہی ختم ہو چکا ہے۔ ان کے منیجر ہوں گے۔" وہ اسکرین کو دیکھتی بولی تھی۔

"اوکے۔" حارث آگے بڑھا تھا۔ "ایک سائن کروانا ہے بس اور پھر ایئرپورٹ جاؤں گا۔"

اسے بخار ہو رہا تھا۔ بالوں میں ہاتھ چلاتا وہ باہر نکلا تھا۔ آج وہ اتنے سال بعد المری انٹرپرائزز میں واپس آیا تھا۔ وہ اوپر کانفرنس روم میں آیا تھا اور نورے المری سامنے بیٹھی تھی۔

☆☆☆

فاطمہ دبئی واپس شفٹ ہو گئی تھی۔ کریم انڈسٹریز کے ساتھ کانٹریکٹ ختم ہو گیا تھا۔ وہ اپنی ایک دوست کے ساتھ شادی میں جانے والی تھی اور تیار ہو کے ایک بلڈنگ کے سامنے کھڑی اس کا انتظار کر رہی تھی۔ ضرار آفس سے باہر آیا تھا آج جلدی گھر جانے کا دل کر رہا تھا۔ وہ باہر آیا تھا اور ٹھٹھک کے رکا تھا۔ فاطمہ سامنے کھڑی تھی۔

☆☆☆

چھ سال بعد آج قسمت نے دوبارہ موقع دیا تھا۔ جانکنی سے سیاہ پڑتے آسمان پہ اکا دکا ستارے بادلوں کی اوٹ سے نکل کے جگمگا رہے تھے۔ وہ گاڑی کے اندر بیٹھا تھا لیکن اس نے دروازہ بند نہیں کیا تھا۔ (اس نے چھ سال انتظار کیا ہے ضرار!)

"فاطمہ؟" وہ گاڑی سے باہر نکلا تھا۔ وہ پہلے اپنی جگہ پہ ساکت ہوئی اور پھر پلٹی تھی۔ ضرار تقریباً بھاگ کے اس تک آیا تھا۔ وہ سامنے تھی ایک آخری کوشش کرنے میں کیا حرج تھا۔

"چھ سال تک انتظار کرتی رہی ہو ایک آخری موقع نہیں دے سکتیں؟" وہ گھٹنوں کے بل اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

"میں ہمارے رشتے سے آگے نہیں بڑھ سکا۔ میں اپنی ایک ایک غلطی قبول کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں۔ اس رشتے کو ایک موقع دے دو پلیز۔ مجھے ایک چانس دے دو۔ ہم نئی شروعات نہیں کر سکتے؟" وہ آنکھوں میں بے بسی لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"گھر چلو فاطمہ۔ پلیز!" ضرار نے جیب سے ایک انگوٹھی نکال کے اس کی طرف بڑھائی تھی۔ اس

pklibrary.com

کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی تھی۔ وہ آج انکار نہیں سن سکتا تھا۔ چھ سال لگے تھے اسے یہ بات کہنے میں۔ چھ سال لگے تھے جمال کی آواز کو دماغ سے نکالنے میں!

''اس بار بھٹک مت جانا پلیز۔'' فاطمہ کی آنکھوں سے آنسو موتیوں کی صورت میں گرے تھے اور اس نے ضرار کے ہاتھ سے انگوٹھی لی تھی۔ چھ سال انتظار کیا تھا اس نے ایک سوری کا۔

''نہیں بھٹکوں گا خدا کی قسم۔'' ضرار نے سکون کا سانس لیا تھا اور اپنی جگہ پہ کھڑا ہوا تھا۔

''گھر چلیں؟'' ضرار نے بازو اس کی جانب بڑھایا تھا اور فاطمہ نے مسکرا کے اس کا بازو تھاما تھا۔

''تمہیں کہیں جانا تھا نا؟'' وہ دونوں سڑک پہ ایک طرف دور جاتے نظر آ رہے تھے۔

''مجھے اب کہیں نہیں جانا۔ مجھے بس اب گھر جانا ہے۔'' وہ اس کے ساتھ ساتھ قدم اٹھاتی بولی تھی۔

☆☆☆

نورے چہرہ ہاتھوں میں چھپائے بیٹھی تھی جب کھڑکی کے شیشے پہ کسی نے دستک دی تھی۔ اس نے سر اٹھایا اور چونکی تھی۔ کھڑکی کے باہر حارث کھڑا تھا۔ نورے نے ہتھیلی کی پشت سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور شیشہ نیچے کر کے روئی روئی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا۔

''نورے!''

''ہاں بولو۔'' وہ ناراض ناراض لہجے میں بولی تھی (ہاں ٹھیک تھا وہ ناراض تھا اور میں شادی کر رہی ہوں لیکن ایک بار تو روکتا!)

''یہ جانتے ہوئے بھی کہ تمہارے ڈیڈ ٹاپ ٹین بزنس مینز کی لسٹ میں ہم سے ایک نمبر نیچے چلے جائیں گے۔ وہ ہماری شادی کے لیے مان جائیں گے؟'' وہ مسکراہٹ دبائے مصنوعی سنجیدگی سے بولا تھا۔

''شادی؟'' نورے کی آواز میں حیرت تھی۔ ناراضی کا عنصر اب غائب تھا۔ رونے کی وجہ سے لائٹر ذرا سا پھیل گیا تھا اور آنکھوں میں ہلکی سی سرخی تھی۔

''ڈونٹ ٹیل می...... تم نے ضرار کو ہاں کہہ دی ہے؟'' وہ افسردگی سے آنکھیں پھیلائے بولا تھا۔

''خدا کی قسم آج جا کے کہنے والی تھی۔'' وہ جل کے بولی تھی۔

''تمہارے بغیر زندگی گزر جائے گی نورے۔ لیکن پھر وہ زندگی نہیں ہوگی۔ اور مسئلوں سے نکلنے کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی حل ہوتا ہے اگر ہم چاہیں تو۔ اس مسئلے کو حل کرتے ہیں۔'' وہ سنجیدہ ہوا تھا۔ ''انکار مت کرنا پلیز۔ اس بار نہیں نورے!''

''اور ہماری فیملیز؟'' نورے نے اسے دیکھا تھا۔

''ہم انہیں ایک ٹیبل پہ نہیں بٹھائیں گے۔'' وہ جو کھڑکی پہ ذرا سا جھکا ہوا تھا پیچھے ہو کے بولا تھا۔

''ڈیڈی بھی اب کسی حد تک مان چکے ہیں۔'' نورے ٹیک لگا کے بولی تھی آنکھوں کی روشنی آج واپس آ گئی تھی۔ ''کل شام کو ہمارے گھر ڈنر پہ ملاقات ہوگی پھر۔''

ان کی کہانی وہیں سے شروع ہوئی تھی جہاں رکی تھی۔

''اور سنو میرے ڈیڈ ایک گریس فل انسان ہیں۔ کمپیٹیٹرز کو ناپسند نہیں کرتے اور تمہیں تو بالکل ناپسند نہیں کرتے۔'' وہ محظوظ سی بولی تھی اور گاڑی سٹارٹ کی تھی حارث ہنسا تھا۔

''او کے۔ ڈنر پہ ملاقات ہوگی۔ بائے۔''

''میں انتظار کروں گی۔ بائے۔'' نورے نے گاڑی اسٹارٹ کی تھی اور آگے بڑھ گئی تھی۔ حارث چابی انگلی پہ گھماتا اپنی گاڑی تک آیا تھا۔ جب وقت صحیح ہو تو ایک لمحہ لگتا تھا زندگی کو فکس ہونے میں!

☆☆☆

زندگی اب نارمل ہو گئی تھی۔

نورے نے زیتونی سبز رنگ کا ٹیونک ڈریس پہن رکھا تھا۔ چہرہ بھرا بھرا تھا اور اس کا وزن بھی پہلے سے تھوڑا زیادہ ہو چکا تھا۔ ٹیبل پہ ناشتے کے لوازمات

چنے گئے تھے۔ ایک طرف سامنے اس کا چار سالہ بیٹا منہ بنائے بیٹھا تھا۔ آج سنڈے تھا اور اتنے میں حارث آ کے بیٹھا تھا۔

''ڈیڈ۔'' بچے نے اسے پکارا تھا۔

''جی میری جان۔'' حارث نے ایک نظر نورے کو ڈھونڈا تھا وہ کچن میں کھڑی تھی۔

''مجھے یہ نہیں کھانا۔ نورے کو منع کرو۔'' ڈل اورنج کلر کا ٹراؤزر شرٹ پہنے بچے نے اپنے سامنے رکھا پیالہ کھسکایا تھا۔

''بیٹا یہ گھر نورے کا ہے۔ میں نے اسے منع کیا تو وہ مجھے نکال دے گی۔ آپ یہ چاہتے ہو؟'' حارث نے مسکراہٹ دبا کے اسے دیکھا تھا۔ بچے نے اسے دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا کے پیالہ اپنے سامنے کھسکایا تھا۔

''تھینکس!'' سامنے سے آتی نورے جوان کی گفتگو سن چکی تھی اس نے مسکرا کے حارث کو دیکھا تھا۔

''یو ویلکم!'' حارث نے اپنا ناشتہ پلیٹ میں نکالا تھا۔

''حسن نہیں آیا؟'' نورے نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ وہ ایک ہفتہ ان کے پاس رہنے آیا تھا۔

''سو رہے ہوں گے جناب۔'' حارث نے کندھے اچکائے تھے اور اتنے میں حسن سیڑھیاں اتر کے نیچے آیا تھا۔

''صرف میری بہن کو میرا خیال ہے۔ باقی لوگوں کا تو خون سفید ہو چکا ہے۔'' نورے کے بالکل سامنے وہ حارث کے ساتھ کرسی کھینچ کے بیٹھا تھا۔

''تم سے ہی سیکھا ہے۔'' حارث نے جواب دیا تھا۔

''اس کو کیا کیا نورے!'' وہ ٹوسٹ اٹھا کے کھاتے ہوئے بولا تھا اور پاس بیٹھے دائم کے گال کو چھوا تھا۔

''اسے ناشتے میں آئس کریم اور نگٹس کھانے تھے۔'' وہ کھانا کھاتے ہوئے بولی تھی اور مسکرا کے دائم کو دیکھا تھا جو اپنے سامنے پڑا دہی کا ننھا پیالہ ختم کر رہا تھا۔

''بے چارہ۔ چھٹی کے دن تو اسے انسانوں والی خوراک دے دیا کرو۔'' حسن نے افسوس سے سر ہلایا تھا ''فکر مت کرو دائم میں ابھی زندہ ہوں۔ میں تمہیں کھلاؤں گا آئس کریم اور نگٹس۔''

بچے نے مسکرا کے اسے دیکھا تھا جواب ہاتھ بڑھا کے اسے گدگدی کر رہا تھا۔

''اچھا مجھے حارث کے ساتھ شاپنگ پہ جانا ہے تم دائم کو ڈیڈ کے ہاں چھوڑ آنا۔'' وہ حسن کو دیکھتے ہوئے بولی تھی۔

''اونہوں۔ میں لے جاؤں گا مجھے ہاشم سر سے ملنا بھی ہے۔ تم حسن کے ساتھ شاپنگ پہ چلی جاؤ۔'' حارث نے اسے دیکھا تھا وہ سامنے بیٹھی تھی اور پہلے سے زیادہ خوب صورت ہو چکی تھی۔

''اوکے۔ یہ بھی ٹھیک ہے۔ واپسی پہ وہیں آ جاؤں گی۔'' نورے نے سر ہلایا تھا اور اسے ایسے خود کو دیکھتا پا کر مسکرائی تھی۔

''ڈن!'' حسن نے اسے دیکھا تھا ''ویسے بھی حارث جیسے بور بندے کے ساتھ کون شاپنگ پہ جانا چاہے گا۔ آپ فلور سے کارپٹ اٹھا کے بھی ساتھ لگا ئیں گے تو حارث کہے گا۔ اوہ مائی گاڈ! اتنا خوب صورت تم پہ پہلے کچھ نہیں لگا۔ چلو اسے خریدیں اور گھر چلیں۔''

''اور میرے ساتھ ایسا ہوا ہے۔'' نورے نے مسکرا کے تائیداً سر ہلایا تھا۔

''آپ کو چاہیے حسن جیسی......''

''حسن جیسی ماں جو ایمان داری سے ہر ایک چیز پہ تبصرہ کرے۔'' حارث نے اس کی بات کاٹی تھی اور مسکرایا تھا۔ اس کے بائیں گال میں ڈمپل پڑا تھا۔

''بالکل۔ یہ کریڈٹ مجھے دیتی ہو کے نہیں نورے؟'' اس نے کانٹے سے نورے کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بالکل میرا بھائی بیسٹ شاپنگ بڈی ہے۔"

وہ سر ہلاتی بولی تھی۔ دور سے وہ تینوں باتیں کرتے اور ہنستے ہوئے نظر آ رہے تھے اور کریم ہاؤس پہ ایک خوب صورت صبح دھیرے دھیرے آگے بڑھی تھی۔

وہ سب باری باری مرض کا شکار ہوئے تھے۔

☆☆☆

اندھیرے راستوں سے گزرنے کے بعد وہ روشنی تک آ گئے تھے۔

فاطمہ سفید نائٹ سوٹ پہنے بال اونچی پونی میں باندھے نیچے اتر رہی تھی۔ وہ پہلے کی طرح فٹ تھی۔ اس نے دس ماہ کا ایک بچہ اٹھا رکھا۔ اسے گدگداتی وہ نیچے اتری تھی۔ سامنے لاؤنج میں ایک طرف خوب صورت اوپن کچن تھا اور اس کے قریب ڈائننگ ٹیبل پہ ملازمہ ناشتہ لگا چکی تھی۔ فاطمہ نیچے آئی تھی اور بچے کے گال کو چوم کے اسے لاؤنج میں رکھے صوفے کے قریب نیچے بٹھایا تھا۔ وہاں اکا دکا کھلونے بکھرے تھے۔ بچہ ان کے ساتھ کھیلنے میں مصروف ہو گیا تھا اور اس نے ایک نظر ناشتے سے بجی میز کو دیکھا تھا۔ اتنے میں ضرار اندر آیا تھا اس نے سیاہ ٹریک سوٹ پہن رکھا تھا اور ایک تین سالہ بچی کو اٹھائے اندر داخل ہوا تھا۔ بچی نے بھی بالکل اس جیسا ٹریک سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ بچی سے ——— باتیں کر رہا تھا۔

"گڈ مارننگ!" فاطمہ ٹیبل کے گرد کرسی کھینچ کے بیٹھی تھی۔

"گڈ مارننگ۔" ضرار اسے دیکھ کے مسکرایا تھا۔ بچی کو ایک طرف بٹھایا تھا اور خود کرسی کھینچ کے اس کے سامنے بیٹھا تھا۔ فاطمہ اس کی پلیٹ میں ناشتہ نکالتی ہاتھ ہلا ہلا کے ساتھ اس سے کوئی بات کر رہی تھی اور وہ کھانا کھاتے ہوئے پورے انہماک سے سر ہلاتا اسے سن رہا تھا۔ فاطمہ اس کے ساتھ ساتھ بچی کو بھی کھانا کھلا رہی تھی۔ دونوں مسکرا رہے تھے اور وقت سست روی سے آگے بڑھتا تھا۔

سب کو ایک ایک کر کے شفا مل گئی تھی۔

☆☆☆

لیکن شفاء ہر ایک کو نہیں ملی تھی......

جمال ایک ریسٹورنٹ میں بیٹھا تھا۔ سگریٹ پیتے ہوئے وہ موبائل پہ کھلی تصویر کو دیکھ رہا تھا۔ وہ تصویر کسی نے ایئرپورٹ پہ لی تھی۔ حارث نے ایک بچہ اٹھا رکھا تھا اور ——— ہلکے گلابی رنگ کا ٹریک سوٹ پہنے نورے کا ہاتھ تھام رکھا تھا۔ پھر اس نے اسکرین پہ انگوٹھا پھیرا تھا اور ایک دوسری تصویر سامنے آئی تھی۔ وہ تصویر امریکہ کے کسی شہر میں لی گئی تھی۔ سیاہ لمبا میکسی ڈریس پہنے اور بیج کلر کا اوور کوٹ پہنے فاطمہ کھڑی تھی۔ اس نے ایک چھوٹے سے بچے کو اٹھا رکھا تھا اور اس کے سامنے سیاہ کوٹ پہنے ضرار کھڑا تھا اس نے تین سالہ بچی کو اٹھایا ہوا تھا جو اس کے کندھے پہ سر رکھے شاید سو چکی تھی۔ تصویر میں وہ دونوں آمنے سامنے کھڑے تھے اور گردن ذرا سی موڑے کیمرے کی طرف دیکھ رہے تھے۔

اس تصویر کو جمال نے بس ایک نظر دیکھا تھا اور وہ واپس نورے کی تصویر پہ آیا تھا اور کافی دیر بیٹھا اس تصویر کو دیکھتا رہا تھا۔ وہ پہلے سے زیادہ حسین ہو چکی تھی۔ وہ تصویر کو دیکھے گیا تھا جب باریک ہیل کی آواز قریب آئی تھی اس نے پاور بٹن دبا کے موبائل بند کیا تھا۔

"کیا اپ ڈیٹ ہے؟" جمال نے سامنے بیٹھتی لڑکی سے سوال کیا تھا۔ اس نے سیاہ پینٹ پہ اسی رنگ کی سلیولیس شرٹ پہن رکھی تھی۔

"لوہا گرم ہے تمہیں وار کر دینا چاہیے۔" وہ ٹانگ پہ ٹانگ چڑھائے بیٹھی تھی۔

"اونہوں۔ میں چاہتا ہوں وہ ایک نارمل ہیپی لائف کو ذرا اور قریب سے دیکھیں۔" اس نے سگریٹ کو ہونٹوں سے لگایا تھا اور فضا میں دھواں چھوڑا تھا۔

"یادیں جتنی زیادہ ہوں تکلیف بھی اتنی ہی زیادہ ہوتی ہے۔" وہ سرمئی آنکھوں سے سامنے دیکھتا بولا تھا۔ لڑکی آگے ہوئی تھی اور اس کی انگلیوں میں دبا سگریٹ آیا تھا جمال نے کوئی مزاحمت نہیں کی تھی۔

pklibrary.com

"جمال!" اس لڑکی کی بلوریں آنکھوں میں کوئی احساس جاگا تھا۔ "آس کے بچے ابھی بہت چھوٹے ہیں۔"

"بچے؟" جمال نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا تھا۔ "اس کا تو بس ایک بیٹا ہے۔"

"وہ پھر سے پریگنٹ ہے۔" وہ سگریٹ ایش ٹرے میں مسلتی بولی تھی اور اسے دیکھا تھا۔

"تو؟" جمال نے کندھے اچکائے تھے اور لڑکی نے گہرا سانس لیا تھا۔ وہ اب بھی ویسا ہی تھا۔ یا یہ کہنا چاہیے کہ پہلے سے بدتر ہو گیا تھا۔

کچھ لوگ عدم التحسین کا شکار پھر سے تھے ان کا مرض بڑھ گیا تھا۔

☆☆☆

ہلکے جامنی رنگ کی کام دار ساڑھی پہنے ہاتھ میں شیشے کا نازک بھرا ہوا گلاس پکڑے نورے ایک وسیع لان میں کھڑی تھی۔ یہاں وہ ایک شادی کی تقریب میں آئی تھی اور نائٹ فنکشن تھا۔ وہ سنگ مرمر کے سفید فوارے کو دیکھ رہی تھی جس پہ عربی میں کوئی آیت نقش کی گئی تھی۔

"آپ کہہ دیجیے جو لوگ ایمان لاتے ہیں یہ (قرآن) ان کے لیے ہدایت اور شفا ہے۔"

(سورۃ حم السجدہ آیت نمبر 44)

نورے نے آگے بڑھ کے نرمی سے اس پہ انگلی پھیری تھی وہ جگہ ٹھنڈی اور نم تھی۔ اس جگہ کی نمی اور ٹھنڈک جیسے اس کی روح میں اتری تھی۔

"شفاء کسے کہتے ہیں؟" اس نے خود سے سوال کیا تھا۔ یہ وہ سوال تھا جس کا جواب وہ جانتی بھی تھی پھر بھی انجان تھی۔ اس سے تھوڑے فاصلے پہ سیاہ سوٹ پہنے ایک آدمی کھڑا تھا۔ وہ ساٹھ کے لگ بھگ تھا۔ اس نے بھی ہاتھ میں نورے جیسا گلاس تھام رکھا تھا۔ نورے اسے نہیں جانتی تھی۔ وہ آدمی سیدھ میں دیکھتے بولا تھا۔

"شفاء کہتے ہیں تندرست ہونے کو یعنی جسمانی تندرستی اور صحت کا بحال ہونا۔ لیکن اس کا مطلب صرف یہ نہیں ہے۔ اس کا مطلب ہے واپسی کا عمل یا بحالی کا عمل یعنی کسی چیز کا دوبارہ اپنی اصلی حالت میں آنا۔

شفاء نئی زندگی یا دوبارہ زندہ ہونے کو بھی کہتے ہیں۔ اس کا مطلب مندمل ہونا، مرہم، علاج، دوا اور تلافی کرنا بھی ہے۔" وہ سمجھانے والے انداز میں بول رہا تھا اور نورے پورا اس کی طرف گھوم کے کھڑی ہوئی تھی۔

"شفاء روحانی بھی ہوتی ہے جیسے روح کی پاکیزگی، گناہوں کی معافی مل جانا اور سکون کا ملنا یہ بھی شفاء ہے۔ شفاء زخموں کا مندمل ہونا ہے پھر چاہے وہ دل کے ہوں، جسم کے ہوں یا روح کے ہوں۔ یہ تکلیف کے بعد سکون اور آرام کا ملنا ہے۔ شفاء معافی مل جانے کو بھی کہتے ہیں۔ جھگڑے یا غلط فہمی سے بکھرے رشتوں کے واپس جڑنے کا عمل بھی شفاء ہے۔ شفاء خدا کی رحمت اور تحفہ ہے یہ اس کی طرف سے ملی ہوئی ہدایت اور نشانی کو بھی کہتے ہیں۔ یہ چیزوں کے خراب ہونے کے بعد ان کے فکس ہونے کا نام ہے۔"

اخلاقی برائیوں پہ قابو پالینا، کسی بری عادت سے نکل آنا بھی شفاء ہے۔ شفاء دل کی اور روح کی پاکیزگی مل جانے کو بھی کہتے ہیں۔"

آدمی نے اس سارے عرصے میں پہلی بار پلٹ کے اسے دیکھا تھا۔

"جانتی ہو سب سے بہترین شفا کون سی؟"

نورے نے سر اثبات میں ہلایا تھا۔

"شفاء القلب!" وہ مسکرائی تھی۔

"اور شفاء ہر ایک کو نہیں ملتی۔" وہ آگے بڑھ گیا تھا۔ نور کا ایک ہالہ سا تھا جو اس کے جانے سے چھٹ گیا تھا اور نورے کو جمال کا خیال آیا تھا۔ اسے شفاء مل جائے گی؟

ایک آخری نظر اس آیت پہ ڈال کے وہ بھی آگے بڑھ گئی تھی۔

☆☆

لبنیٰ آصف

پہلا روزہ

نجمہ کی شادی کے بعد پہلا رمضان تھا۔ رمضان آنے میں تین چار دن باقی رہ گئے تھے۔ سسرال میں تو رمضان کی تیاری کے کوئی آثار ہی نظر نہ آرہے تھے۔ پھر بھی نجمہ نے کچن کی خوب تفصیلی صفائی کی ڈبے دھوئے، چولھا کاؤنٹر سب چمک اٹھے۔ دیواریں دھوئیں تو لگا نیا رنگ ہوا ہے۔

نجمہ اپنی ساس سے کہنے لگی۔

"آنٹی! ہم تو رمضان آنے سے پہلے گھر کی صفائی بہت تفصیلی کر لیتے تھے تاکہ رمضانوں میں گھر خوب صاف ستھرا لگے تو عبادت میں بھی مزہ آئے۔ اسی طرح سموسے، رول، چٹنی اور پکوڑے دہی بڑے کا مصالحہ بھی پیس کر رکھ لیتے تھے کہ سہولت بھی رہے اور ٹائم کی بچت بھی۔ آپ سموسوں کا سامان منگوا دیں تو میں بنا کر فریز کر دوں گی۔ اور چنے منگوا دیں تو وہ بھی ابال کر پیکٹ بنا کر رکھ دوں گی۔"

"نہیں نہیں بھئی! ہمارے ہاں تو سب تازہ بنتا ہے۔ جب بنانے ہوئے تو منگوا دوں گی۔ اور چھولے تو رات میں بھگو، صبح ابلنے چڑھا دو گل جاتے ہیں۔ ہم تو ایسے ہی کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں تو کھانا ہی پکتا ہے۔ بس ساتھ پھر ایک آدھ چیز بنا لی۔"

نجمہ دل مسوس کر رہ گئی۔ پھر بھی کہنے لگی۔

"ہاں آنٹی! کھانا تو ہمارے ہاں بھی پکتا ہے۔ مرد تراویح کے بعد کھاتے ہیں پھر وہی سالن سحری میں کام آجاتا ہے۔"

"ہم تو پکا کر رکھ دیتے ہیں۔ اب افطاری میں سب کھائیں یا تراویح کے بعد۔"

اتنے روکھے جواب کے بعد نجمہ نے خاموشی اختیار کر لی۔ گھر پر ساس کی ہی حکمرانی تھی اپنے حساب سے جو کہتیں نجمہ وہی کر دیتی۔

پہلی سحری میں بھی نجمہ کو بڑا عجیب لگا کہ پراٹھے، انڈے چائے پی کر سب نے روزہ رکھا۔ ناں دہی، ناں پھینی کھجلہ۔ نجمہ کو اپنے گھر کی سحری بہت یاد آئی۔ مگر شکر ادا کیا اور خوشی خوشی پہلا روزہ رکھا۔

دوپہر کے بعد آنٹی کہنے لگیں۔

"افطار سے پہلے روٹیاں پکا لینا۔ اسٹو چڑھا دیا ہے میں نے دیکھ لینا اور بیسن نکال دیا ہے پھینٹ لینا۔ تھوڑے آلو اور تھوڑے پیاز کے پکوڑے بنیں گے۔ لیے پاپڑ تل لینا۔" نجمہ ساس سے کہنے لگی۔

"آنٹی! فروٹ منگوا دیں تو چاٹ بنا دوں گی۔"

"نہیں بھئی فروٹ کو تو رمضان میں آگ لگ جاتی ہے دس روزوں کے بعد پھر قیمتیں نیچے آئیں گی تو جو فروٹ ہو گا وہ کاٹ لینا چاٹ ہمارے ہاں نہیں بنتی۔ کوئی نہیں کھاتا۔"

بے اختیار نجمہ کو اپنی عیدی یاد آئی جب ساس اور باقی گھر والے عیدی لے کر آئے تھے اور روزہ کھولا تھا۔ سب پیالا بھر بھر کر چاٹ کھا رہے تھے۔ لیکن بول کر کون اپنی شامت بلواتا۔ خاموشی سے جو کہا اس پر عمل کر ڈالا۔

افطاری کے وقت نجمہ کو ٹیبل پر رکھی چیزیں دیکھ کر بے اختیار اپنے میکے کا دسترخوان یاد آیا۔ سموسے چاٹ، دہی بھلے، چھولے، آلو، پیاز اور بینگن کے پکوڑے شربت مگر یہاں! دعا مانگنے لگی آنسو نجمہ کے دل پر گرے۔

روزہ کھلا! کھجور، پاپڑ اور پکوڑے وہ بھی تھوڑے سب نے جلدی جلدی پکوڑوں پر ہاتھ صاف کیے نجمہ بچاری پاپڑ ہی کھا سکی نماز پڑھنے اٹھ گئی۔ نماز پڑھ کر واپس آئی تو ٹیبل بالکل صاف تھی۔ شاید مغرب کی نماز بھی سب نے نہیں پڑھی تھی سب کھانے سے فارغ ہو گئے تھے۔ ساس کہنے لگیں۔

"تم اپنے اور اپنے میاں کا کھانا نکال لو، ابھی کھانا چاہو تو ابھی کھا لو۔ ورنہ تراویح کے بعد۔"

نجمہ شکل دیکھ کر رہ گئی ساس کی۔ پھر بھی جی اچھا! کہہ کر میاں سے کھانے کا پوچھنے لگی۔

☆☆☆

pklibrary.com

رات میں نجمہ کی بہنوں کا فون آیا تو بتانے لگیں۔

"آپی ہم سب نے تمہیں اتنا یاد کیا افطاری میں۔ تم کیسے دہی بڑے چھولے پاپڑ ڈال کر مغرب کی نماز کے بعد چاٹ بنائی تھیں۔ اور ہم سب مل کر کھاتے تھے۔

امی کہنے لگیں! اب نجمہ اپنے سسرال میں یہی سب بنا رہی ہوگی۔"

نجمہ کی آنکھوں میں ڈھیر سارے آنسو آ گئے۔

"پتا ہے آپی! آج پہلا روزہ تھا ناں! ابو نے اتنی افطاری بنوائی تھی کہ ابھی ماسی کے لیے پکوڑے، چاٹ، اور دہی بڑے، سموسے ڈال کر رکھے ہیں۔

آپی! تم نے کیا کیا بنایا افطاری میں۔

آنسوؤں کو پی کر نجمہ بہن سے کہنے لگی۔

"ہم نے بھی یہی سب بنایا۔" یہ شادی شدہ بیٹیاں بھی کتنی سمجھ دار ہو جاتیں ہیں کہ میکے والے پریشان ہوں گے انہیں دکھ ہوگا۔ بس اسی لیے صبر کر کے ہمیشہ اچھا ہے کی رپورٹ دیتی ہیں۔ کیا بتائیں کہ کس کس جگہ میکہ یاد نہیں آتا۔ قدم قدم پر صبر کے گھونٹ پینے پڑتے ہیں۔

نجمہ بھی اگر بتا دیتی تو پورے رمضان ماں، باپ، بہنیں دسترخوان پر بجی چیزیں دیکھ کر سوچتے کہ نجمہ کے سسرال میں تو کچھ پکتا ہی نہیں۔ بیٹی ان چیزوں سے محروم ہے۔ تو ان کے حلق سے کیسے اترتے یہ انواع و اقسام کے کھانے، بس یہی سوچ کر نجمہ نے یہی کہا کہ اس کے ہاں بھی یہی سب بنتا ہے۔ کبھی کبھی چھوٹا سا جملہ بھی کئی لوگوں کو پریشانی سے بچاتا ہے اور سکون کا سبب بنتا ہے کہ سب ٹھیک ہے۔

☆☆

pklibrary.com

نزہت جبیں ضیاء

مجھے معتبر کردو

"عنزہ! یہ کیا افطاری بنائی ہے تم نے؟" مغرب کی اذان سے چند منٹ پہلے جلدی جلدی افطار کا دستر خوان لگاتے لگاتے عنزہ نے نمیر کی تیز آواز پر قدرے چونک کر نمیر کو دیکھا۔

"نمیر! وہی ساری چیزیں جو آپ اور بچے پسند کرتے ہیں۔" ڈھیر سارے لوازمات سے سجے دستر خوان کی جانب اشارہ کر کے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"جو کھانے کی عادت ڈال دی ہے تم نے، وہی تو کھائیں گے نا؟ چاہے پسند ہو یا نہ ہو۔" لہجہ بدستور تیکھا ہی تھا۔

"آپ کہہ دیتے نمیر۔ میں وہی بنا دیتی۔" عنزہ کو نمیر کی بات اچھی نہیں لگی۔ کیونکہ یہ ساری چیزیں تو نمیر، اماں اور بچوں کی پسندیدہ تھیں۔ پھر بھی نرمی سے کہا۔

"ہر بات بتانے اور سکھانے کی نہیں ہوتی عنزہ۔ پتا نہیں کیسی عورت ہو تم۔ عورتیں تو کیا کچھ نہیں بنا رہی ہیں آج کل، ایک تم ہو کہ اپنے پرانے پیٹرن سے ہٹنے کا نام ہی نہیں لیتیں،، خود سے نئی نئی چیزیں نہیں بنا سکتیں؟" تولیے سے منہ پونچھ کر کرسی پر پھینک کر ہمیشہ کی طرح دل آزاری کرتے ہوئے دستر خوان پر آبیٹھا۔ عنزہ کی نظر بے اختیار دستر خوان کی جانب اٹھی۔

دہی بڑے، چھولوں کی چاٹ، چکن نگٹس، آلو پیاز، پالک اور بینگن کے پکوڑے، فروٹ چاٹ، پاستا، چکن رول، بوکس پیٹس، کسٹرڈ، املی کی میٹھی چٹنی، آلو بخارے کی چٹنی، گرین چٹنی، کیچپ، دودھ سوڈا۔ یہ ساری چیزیں ہوم میڈ تھیں۔ نمیر کو باہر کی کوئی چیز پسند نہیں تھی، عنزہ ہمیشہ ہر چیز گھر میں بناتی تھی۔ رمضان المبارک میں روزے رکھ کر گھر کے سارے کام اکیلی ہی کرتی، بچوں کو اسکول سے لانے اور لے جانے کی ذمے داری، اماں کو ہاسپٹل لے جانا، ان کی دوا پابندی سے ڈاکٹری چارٹ کے مطابق کھلانا ۔ روزانہ اماں کا بی پی چیک کرنا عنزہ کی ذمے داری ہی تھی۔ اس پر دن بھر بجلی کی آنکھ مچولی کہ نیند بھی پوری نہیں ہوتی، گیس کی لوڈشیڈنگ کہ سارا دن افطار کی تیاریوں کی نذر ہو جاتا۔ رات تک وہ تھکن سے چور ہو جاتی۔

اس پر نمیر کی دل جلانے والی بے تکی باتیں سن کر اس کی تھکن دو چند ہو جاتی تھی۔

عین افطار کے ٹائم۔ عنزہ کا دل خراب ہو گیا تھا۔ دستر خوان لگا کر وہ وضو کرنے چلی گئی۔۔۔ جب وضو کر کے آئی تو اماں اور دونوں بچے بازل اور دانیہ بھی دستر خوان پر آبیٹھے تھے۔

عنزہ اور نمیر کی شادی کو تقریباً سات سال کا عرصہ ہو گیا تھا۔ نمیر اپنے والدین کا اکلوتا بیٹا تھا، ابھی ـــــ نویں کلاس میں تھا۔ جب اس کے والد کا انتقال ہو گیا تھا۔ والد پرائیویٹ کمپنی میں تھے اسی وجہ سے پینشن کا آسرا تو نہیں تھا مگر کمپنی سے کچھ رقم ملی تھی۔ کچھ ہمدرد رشتے داروں کے مشورے سے اس رقم سے گھر کے بیرونی حصے میں دو دکانیں اور اوپر کے پورشن میں ضرورت کے مطابق تعمیر کروا کر کرائے پر دینے کے قابل بنا دیا گیا۔ تا کہ گھر بیٹھے آمدنی کا ذریعہ بن جائے۔

مہنگائی جس رفتار سے بلندی کی سطح کو چھو رہی تھی۔ اس کو دیکھتے ہوئے، آمدنی ناکافی تھی۔ بجلی اور گیس کے بلوں نے خون خشک کر رکھا تھا۔ اس پر نمیر کی پڑھائی کے اخراجات الگ تھے۔ شوہر کی

ناولٹ

pklibrary.com

وفات کے بعد نمیر کی والدہ کا بلڈ پریشر بھی ہائی رہنے لگا تھا، آئے دن ڈاکٹر کے پاس آنا جانا لگا رہتا تھا۔

والد کی اچانک وفات سے، نمیر بہت زیادہ اپ سیٹ تھا۔ اتنی کم عمری میں نمیر پر ذمے داری کے ساتھ مسائل اور پریشانیاں بھی آن پڑی تھیں۔ وہ شام کو بچوں کو ٹیوشن دینے لگا۔

چار، پانچ سال اسی طرح پڑھنے اور ساتھ ساتھ پڑھانے کا سلسلہ چلتا رہا۔ وقت سے پہلے بڑا ہو جانے والا نمیر خود کو زیادہ ہی بڑا سمجھنے لگا۔ سنجیدہ اور اپنے آپ میں مگن رہنے لگا تھا، تھوڑا خودسر بھی ہو گیا تھا۔ اس کو ایسا لگتا کہ شاید وہ ہر کام کر سکتا ہے، وہ اپنے آپ کو کسی انسان کا محتاج نہیں سمجھتا تھا۔

بی کام کرنے کے بعد، والد کے دوست کے توسط سے بینک میں جاب مل گئی تو شمشاد بیگم نے سکھ کی سانس لی۔ گھر میں نمیر کی تنخواہ کی صورت میں مناسب پیسے آنے لگے تو ہر ماں کی طرح شمشاد بیگم کو بیٹے کے سر پر سہرا سجانے کی خواہش جاگی اور زور وشور سے محلے کی خواتین کی مدد سے شریف گھرانے کی خوب صورت اور نیک سیرت لڑکی کی تلاش شروع ہوئی۔

ان کی تلاش عنزہ پر ختم ہوئی، متوسط طبقے سے تعلق رکھنے والے عنزہ کے والد، گورنمنٹ سرونٹ تھے۔ ایک بیٹا اویس شادی شدہ اور ملک سے باہر تھا۔ اس سے کافی چھوٹی بیٹی عنزہ تھی۔ بیوی خالدہ بیگم پڑھی لکھی سمجھ دار خاتون تھیں۔ انہوں نے اپنے بچوں خصوصاً عنزہ کی تربیت بھی بہت اچھی کی تھی۔

محلے کی کسی شادی کی تقریب میں شمشاد بیگم کو باحجاب، سیدھی سادی، معصوم اور خوش شکل عنزہ اچھی لگی۔ انہوں نے خالدہ بیگم سے بات چیت شروع کی کسی بہانے سے نمیر کو بھی عنزہ کی جھلک دکھا دی اور باتوں باتوں میں خالدہ بیگم کو اپنا عندیہ دے دیا۔

دونوں جانب سے رسمی کارروائی کے بعد عنزہ اور نمیر کی شادی تین ماہ بعد طے ہو گئی۔ کیونکہ تین ماہ بعد اویس اپنی بیوی کے ساتھ پاکستان آنے والا تھا۔

گو کہ عنزہ سنجیدہ اور کم گو تھی لیکن آج کے دور کی پڑھی لکھی لڑکی تھی۔

جیسے فی زمانہ انڈر اسٹینڈنگ اور فیوچر پلاننگ کے نام پر رشتے طے ہو جانے پر لڑکے اور لڑکی میں موبائل رابطے ہو جاتے ہیں، ایک دوسرے کی پسند سے شادی کی تیاریاں کی جاتی ہیں، لڑکی کی پسند سے روم پینٹ ہوتا ہے، آدھی آدھی رات تک موبائل پر باتیں چلتی ہیں۔ یہاں پر معاملہ بالکل برعکس تھا۔

"عنزہ! اویس کہہ رہے تھے کہ نمیر سے روم کا کلر پوچھ لو تا کہ میچنگ فرنیچر اور ڈیکوریشن پیس آرڈر کر دیں۔"

عنزہ اپنے کمرے میں بیٹھی الماری سیٹ کر رہی تھی۔ تب ہی اس کی بھابی ماہین اس کے کمرے میں آئی۔

"بھابی! نمیر کی بات نہیں ہوتی مجھ سے، انہوں نے کبھی بات کرنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہیں زبردستی تو نہیں ہو رہی ان کے ساتھ۔" عنزہ کافی دنوں سے جس بات کی وجہ سے پریشان تھی، وہ خدشہ لبوں پر آ گیا۔ ایک لمحے کو ماہین کو بھی حیرت ہوئی کہ لیکن دوسرے لمحے وہ کھل کر مسکرائی۔

"پاگل لڑکی! کیوں اپنے دل میں وہم پال رہی ہو، ایسا کچھ بھی نہیں ہے، وہ کوئی ننھا بچہ تو نہیں کہ زبردستی کی جائے، وہ ذرا مختلف ہے، سوبر، سینسیبل ہے اور کچھ نہیں، کچھ لوگ ایسی حرکتیں پسند نہیں کرتے۔"

ماہین نے مسکراتے ہوئے اس کو اپنے ساتھ لگا کر پیار سے تسلی دی تو وہ بھی مسکرا دی۔

"جی بھابی! یہ بات تو ہے جب وہ گھر آئے تھے تو، میں نے ان کو گھور گھور کر دیکھا تھا۔ وہ تو ایک اچٹتی نظر مجھ پر ڈال کر ابا جی سے باتیں ہی کرتے رہے۔"

pklibrary.com

عنزہ کو یاد آیا تو ہنستے ہوئے کہا۔
''اور تم تو ہو بے شرم! پورا فائدہ اٹھایا تم نے''۔
ماہین نے شرارت سے اس کے سر پر چپت لگائی تو عنزہ نے قہقہہ لگایا۔
''ارے بھئی! نند بھاوج کی میٹنگ ختم ہو گئی ہو تو باہر آ جاؤ۔ تمہارے ابا کھانے پر انتظار کر رہے ہیں''
خالدہ بیگم کی زوردار آواز پر دونوں ہنستی ہوئی کمرے سے باہر آ گئیں۔
ماہین کی بات سے عنزہ کو کسی حد تک تسلی ہو گئی تھی۔ یہ بات تو شمشاد بیگم نے بھی بتائی تھی کہ کم عمری میں ہی حالات نے نمیر کو سنجیدہ بنا دیا تھا۔
اور یہ بات شادی کے وقت ماہین نے خاص طور پر سمجھائی تھی کہ، ''نمیر سے اس قسم کا کوئی گلہ نہیں کرنا، ایسا نہ ہو کہ اسے تمہاری بات بری لگ جائے، اور ابتدا میں ہی کوئی بدمزگی ہو جائے'' اور بھی بہت سی اچھی اور زندگی کو کامیاب بنانے والی باتیں، ایک بہن کی طرح سمجھائی تھیں۔
''بھابی۔ آئی لو یو سوچ۔ آپ کتنی اچھی ہیں''۔
عنزہ کی آنکھیں نم ہو گئیں۔
''اللہ پاک تمہیں ہمیشہ خوش رکھے، تمہارا نصیب بلند کرے'' ماہین بھی آزردہ ہو گئی اور آگے بڑھ کر عنزہ کو گلے لگا کر دعائیں دیں۔
والدین کے ساتھ ساتھ بھائی بھاوج کی ڈھیروں دعائیں لے کر عنزہ سسرال آ گئی۔
نمیر محبت کرنے اور خیال رکھنے والا تھا، دل کے کسی کونے میں جو تھوڑے بہت خدشات تھے وہ ختم ہو گئے تھے۔ لیکن۔ گزرتے وقت کے ساتھ عنزہ کو یہ احساس ہوا تھا کہ نمیر حجتی انسان ہے یا دوسرے معنوں میں، خود کو عقلِ کل سمجھتا ہے کہ وہ جو کہہ رہا ہے یا جو کر رہا ہے وہی بہتر ہے۔ عنزہ کو بحث کی عادت نہیں تھی۔ اس لیے گزارہ مشکل نہ تھا۔
شمشاد بیگم تھوڑی باتونی ضرور تھیں، لیکن روایتی ساسوں کی طرح ڈکٹیٹر نہیں تھیں۔ عنزہ کا خیال رکھتیں۔
اویس اور ماہین بھی واپس لوٹ گئے تھے۔
کیونکہ شمشاد بیگم کو، ماسیوں کے کام بالکل پسند نہیں یہی وجہ تھی کہ نمیر کی شادی سے پہلے بھی نمیر کے لاکھ کہنے اور اصرار کے باوجود بھی، ابھی تک گھر کے سارے کام وہ خود ہی کرتیں۔
اب عنزہ نے بہت جلد ہی گھر داری سنبھال لی تھی۔ ہر کام وقت پر اور اچھے سے ہو رہے تھے۔ نمیر کی ایک خراب عادت تھی کہ وہ کسی بھی کام کی، کھانے کی کھل کر تعریف نہیں کرتا، عنزہ نے اپنے میکے میں بچپن سے یہی دیکھا تھا کہ سب ایک دوسرے کی سپورٹ بھی کرتے اور چھوٹے سے چھوٹے کام کی، بات کی کسی بھی چیز کی کھل کر تعریف کرتے۔ بچپن میں ابا کے سامنے جب وہ پوری نماز بالکل صحیح پڑھتی، رمضان المبارک کے تمام روزے رکھتی۔ یا ٹیسٹ میں اچھے نمبر لیتی اس وقت اور بڑی ہونے کے بعد، اچھا کھانا پکانے پر، کوئی سوٹ کی بہترین سلائی پر خوش ہو کر ابا اسے ہمیشہ انعام کے طور پر پیسے دیتے۔ عنزہ کو بہت خوشی ہوتی اور وہ کوشش کرتی کہ اگلی بار اس سے اچھا کام کرے۔ شادی کے تین ماہ بعد رات کا کھانا کھاتے کھاتے نمیر نے پلیٹ میں سالن ڈالتی ہوئی عنزہ سے پوچھا۔ ''عنزہ! تمہیں حلیم بنانی آتی ہے۔''
''جی۔ آتی ہے۔ آپ کو کھانی ہے۔؟'' پلیٹ سامنے سرکاتے ہوئی عنزہ بولی۔
''بنا تو سب لیتے ہیں۔ ویسے تو پتلی دال جیسی ٹھیلوں پر بھی مل جاتی ہے، میں بالکل پرفیکٹ اور ذائقے دار حلیم کی بات کر رہا ہوں۔''
''جی۔ جی۔ میں بھی ایسی ہی پرفیکٹ بناتی ہوں''۔
عنزہ نے پر اعتماد لہجے میں کہا۔
''ہاں۔ مجھے یاد ہے، ایک بار میں نے تمہاری

شادی سے پہلے عنزہ کے گھر میں اس کے ہاتھ سے بنی ہوئی حلیم کھائی تھی۔ بہت ذائقے دار اور لاجواب تھی۔ عنزہ بیٹی کل بنالینا حلیم۔" شمشاد بیگم نے خوش دلی سے پہلے عنزہ کی تعریف کی پھر اسے مخاطب کر کے کہا۔ "جی۔ اماں" عنزہ نے مختصر جواب دیا۔ اس نے دل جمعی اور بھرپور توجہ کے ساتھ، محنت اور ہاتھ سے گھوٹے لگا لگا کر بالکل صحیح مسالوں کی مقدار کے ساتھ حلیم تیار کی تھی۔ دستر خوان پر تمام لوازمات کے ساتھ سج چکا تھا۔ چاٹ مسالہ، ہرادھنیہ، پودینہ، ادرک، لیموں اور باریک لچھوں میں تلی ہوئی خوش رنگ پیاز سے حلیم سجی ہوئی تھی۔

"واہ۔ ماشاء اللہ بہت ہی لذیذ ذائقہ ہے عنزہ!"

اماں نے پہلا چمچہ منہ میں رکھتے ہی کھلے دل سے حلیم کی تعریف کی۔ "شکریہ اماں" عنزہ مسکرائی۔ اس کی نظر نمیر پر تھی کہ وہ کیا کہتا ہے۔ وہ سر جھکائے بنا کسی ردِعمل کے کھا رہا تھا۔ ایک دو، تین ہر چمچے پر عنزہ کی نظر بے ساختہ اس کی جانب اٹھتی کہ شاید اس کے منہ سے دو تعریفی الفاظ نکلیں۔

"حلیم اچھی بنی ہے نا نمیر؟" اماں کی نظر شاید عنزہ پر ہی تھی تب ہی انہوں نے نمیر سے پوچھا۔

"ہمم ٹھیک ہے۔" مختصر سا جواب آیا تھا۔

"میرا انعام"۔ کمرے میں آکر عنزہ نے مسکراتے ہوئے نمیر کے سامنے اپنی ہتھیلی پھیلائی۔ تو نمیر نے حیرت سے اس کے پھیلے ہاتھ کو دیکھا۔

"میں شادی سے پہلے جب بھی کوئی مزے دار ڈش بناتی ابا مجھے انعام دیتے تھے، یہاں ابا تو ہیں نہیں، اس لیے آپ سے چاہیئے۔" وہ خوش گوار لہجے میں بولی۔

"یہ کیا بچکانہ حرکت ہے عنزہ؟ ایک عورت کے لیے اچھا کھانا بنانا کون سا بڑا کام ہے، جس کے لیے اسے انعامات سے نوازا جائے، اگر عورت اچھا کھانا بھی نہ بنا سکے تو عورت کہلانے کی مستحق بھی نہیں۔" اتنا روکھا لہجہ، اتنا تیکھا انداز۔ عنزہ اس کے جارحانہ انداز پر خود شرمندہ ہوگئی۔ اسے قطعاً ایسے ردِعمل کی توقع نہیں تھی۔ اس نے پھیلا ہوا ہاتھ جلدی سے سمیٹ لیا۔

عنزہ کو بہت اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا کہ نمیر جیسے شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کے لیے بہت حوصلے کی ضرورت ہے۔ اس کے اصول وضوابط، اس کی سوچ سب کچھ بالکل ہٹ کے ہے۔ وہ صرف اپنی مرضی پر چلنے والا انسان ہے، جو اپنے کہے کو حرفِ آخر مانتا ہے۔

ایسے میں عنزہ کی طبیعت خراب ہوئی، تو آرام کی غرض سے شمشاد بیگم نے عنزہ کو کچھ کے لیے دن میکے بھیج دیا۔

نمیر ایک دو بار سسرال گیا تھا۔ پندرہ دن بعد عنزہ خود واپس آگئی کیونکہ اب شمشاد بیگم کو کام کی عادت نہیں تھی، انہیں مشکل ہو رہی تھی۔

"ارے تم آگئیں۔ اماں کہہ رہی تھیں کہ ایک ماہ کے لیے گئی ہو۔" نمیر آفس سے آیا تو عنزہ کو دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"جی۔ میری طبیعت ٹھیک تھی اس لیے آگئی کہ یہاں مشکل ہو رہی ہوگی۔" عنزہ نے سادگی سے کہتے ہوئے نمیر کو پانی کا گلاس تھمایا۔

"نہیں تو۔ اتنی مشکل بھی نہیں ہو رہی تھی۔ سب ٹھیک سے چل رہا تھا۔" پانی کا گلاس تھامتے ہوئے نارمل لہجے میں بولا۔

"بس میرا دل بھی بھر گیا تھا۔ اس لیے آگئی کل ہاسپٹل بھی جانا ہے نا" عنزہ نے خالی گلاس اس کے ہاتھ سے لیتے اسی کی بات کو مقدم رکھا۔

"چلو۔ پھر تو ٹھیک ہے، اب چائے بھی پلادو گرماگرم"۔ نمیر نے جوتے اتار کر سائڈ پر رکھتے ہوئے کہا تو عنزہ باورچی خانے کی طرف چلی گئی۔

کچھ دن بے شک پریشانی کے تھے۔ ایسی طبیعت کے ساتھ گھر سنبھالنا خاصا مشکل تھا لیکن۔ وہ وقت بھی عنزہ نے ہمت سے گزار لیا اور نعمت کی صورت میں بازل گود میں آگیا۔

pklibrary.com

عزہ کچھ دن میکے میں رہ کر سسرال واپس آ گئی تھی۔ یہاں آ کر اندازہ ہو کہ اب زندگی کتنی مشکل ہو گئی ہے۔ شمشاد بیگم بھی اتنی ایکٹیو نہیں رہی تھیں کہ گھر کے کام کر لیں یا بچے کو سنبھال لیں۔ بازل رات کو بہت تنگ کرتا۔ نمیر کی نیند خراب نہ ہو، اس لیے عزہ بازل کو لے کر، دوسرے کمرے میں آ جاتی اور ساری رات اکیلی جاگ کر صبح چھ بجے نمیر کے لیے کچن میں موجود ہوتی۔

"عزہ میری گرے شرٹ پر استری نہیں کی؟"

نمیر کی تیز آواز پر باورچی خانے میں پراٹھے بناتی عزہ جلدی سے کمرے کی طرف بھاگی۔

"پرسوں اسکائی بلو شرٹ استری کر کے رکھی تھی اس لیے دوسری نہیں کی، کل بازل تنگ بھی بہت کر رہا تھا۔" عزہ نے وضاحت دی۔

"افوہ یار۔ تم کوئی انوکھی عورت نہیں جس کا چھوٹا بچہ ہے، فضول جواز پیش کرنے سے بہتر ہے کہ وقت اور کام کو مینج کرنا سیکھو، یہ کہو کہ بازل کے آنے کے بعد اب میرے کام کرنا بھول جاتی ہو۔"

نمیر نے جھنجھلاتے ہوئے کہا، تو عزہ اس کی بے تکی بات پر اسے دیکھتی رہ گئی۔ نمیر تن فن کرتا اسکائی بلو شرٹ پہننے لگا۔

وقت اور کام کو مجھ سے بہتر کون مینج کر سکتا تھا۔

عزہ نے دل میں سوچا اور واپس کچن میں آ گئی۔ دن میں بھی جب تک بازل سویا رہتا وہ جلدی جلدی کام نپٹانے کی کوشش کرتی۔ ناشتا بنانا، لنچ کی تیاری، رات کا کھانا، صفائی، جھاڑو پونچھا، برتن دھونا، کپڑے دھونا، سارا دن پھرکی کی طرح وہ ادھر سے ادھر ناچتی پھرتی۔ ماہین کی خاص ہدایت یاد رکھتے ہوئے شام کو نمیر کے آنے سے پہلے وہ صاف ستھرے کپڑے کر تیار بھی ہو جاتی۔

بازل آٹھ ماہ کا ہو چکا تھا۔ تب عزہ کی طبیعت پھر سے خراب ہو گئی تھی۔ عزہ کچھ پریشان تھی ابھی بازل بھی بہت چھوٹا تھا۔

"اس میں پریشانی والی کون سی بات ہے عزہ، یہ تو خوشی کی بات ہے؟"

نمیر نے عزہ کو پریشان دیکھ کر پوچھا۔

"نمیر! ابھی بازل بہت چھوٹا ہے، اتنی جلدی دوسرا بے بی ہو گا تو میرے لیے مشکل ہو جائے گی" عزہ نے سادگی سے جواب دیا۔

"یہ کیا بات ہوئی بھلا؟ کتنی عورتیں ہیں جن کے بچوں میں سال سے بھی کم فرق ہوتا ہے، وہ بھی پال لیتی ہیں، اللہ کی نعمتوں کی ناشکری مت کرو، شکر ادا کرو، ہر وقت اپنی طبیعت کا رونا رونے سے بہتر ہے کہ اپنے کھانے پینے اور دواؤں کا خیال رکھو تا کہ ایکٹیو رہو" نمیر کی بات پر عزہ نے اثبات میں سر ہلایا

"جی ٹھیک۔"

☆☆☆

اس روز بازل کی طبیعت خراب تھی۔ عزہ کو بھی صبح سے بہت زیادہ چکر آ رہے تھے۔ اس سے بیٹھا بھی نہیں جا رہا تھا۔ اماں کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ بازل بھی مسلسل رو رہا تھا۔ بہ مشکل گھر کے کام سمیٹتے سمیٹتے نمیر کے آنے کا وقت ہو گیا۔ تب ہی بازل تھوڑی دیر کے لیے سویا تھا۔ تب ہی نمیر آ گیا۔

"یہ کیا ماسیوں والی حالت بنا رکھی ہے تم نے؟" نمیر نے آتے ہی سلام کے جواب میں قدرے ناگواری سے اسے سر سے پیر تک دیکھا۔

"صبح سے میری طبیعت کافی خراب ہے۔ دن بھر بازل تنگ کر رہا تھا، ایک لمحے کو نہیں چھوڑا، کام بھی بہت مشکل سے ہوئے ہیں، بس ابھی سویا ہے۔"

"عزہ۔ تم بچی تو نہیں ہو یار، ایسی حالت میں طبیعت تو خراب ہوتی ہے۔ پہلا تجربہ تو ہے نہیں تمہارا جو یوں ہر وقت واویلا کرتی رہتی ہو۔ اس کا پرچار کرنے کی بجائے حل تلاش کرو"۔ نمیر نے قدرے تلخ لہجے میں کہا اور واش روم کی جانب بڑھ گیا۔

شوہر ایسے وقت میں بیوی کو ہتھیلی کا چھالا بنا کر رکھتے ہیں، نمیر کم از کم دل رکھنے کے لیے ہی تھوڑی

تسلی دے دے، کوئی میٹھی بات کرلے لیکن یہاں تو نمیر کے خیال میں عنزہ کے حوالے سے ہر چیز نارمل تھی۔ عنزہ اس کے رویے سے دکھی ہوگئی۔

وقت بڑی تیزی سے گزر رہا تھا۔ تیزی سے گزرے سات سالوں میں بازل چھ اور وانیہ پانچ سال کی ہوچکی تھی دونوں بچے اسکول جانے لگے تھے۔ عنزہ کے والد فوت ہوگئے تھے۔ وقت کے ساتھ ساتھ عنزہ کی مصروفیت بھی بڑھ گئی تھی۔ آج بھی گھر میں ماسی نام کی کسی چیز کا نام ونشان نہ تھا۔ شمشاد بیگم بلڈ پریشر کے ساتھ شوگر اور دل کی مریضہ بن چکی تھیں۔ ان کو دوا اور غذا ڈاکٹر کی ہدایات سے ٹائم ٹیبل سے دینا ہوتی تھی۔۔ روزانہ بی پی چیک کر کے لکھنا ہوتا تھا۔ ہاسپٹل کے وزٹ ہوتے۔ نمیر کا عہدہ بڑھ گیا تو کام کا بوجھ بھی زیادہ ہوگیا تھا۔ گھر کے تمام کاموں کے ساتھ ساتھ شمشاد بیگم کی مکمل دیکھ بھال، بچوں کے اسکول کی میٹنگز میں جانا، بچوں کو ٹیوشن پڑھانا بھی عنزہ کی ذمے داری تھی۔ گزرتے وقت کے ساتھ عنزہ میں مزید پھرتی اور توانائی آگئی تھی۔ ایک لمحے کی تاخیر کے بغیر وہ کسی روبوٹ کی طرح گھر کے تمام کام سمیٹتی۔

صبح فجر سے سب اٹھ جاتے، نماز پڑھ کر بچے اور نمیر واک کرنے چلے جاتے اور عنزہ شمشاد بیگم کو ایک گلاس گرم گرم دودھ دے کر کچن میں آجاتی۔ شمشاد بیگم دودھ پی کر سو جاتیں۔ نمیر اور بچے واپس آتے تب تک عنزہ تینوں کے لفن اور ناشتا تیار کردیتی۔ نمیر فریش ہو کر آتا، عنزہ دونوں بچوں کو تیار کردیتی۔ تینوں ناشتہ کرتے۔ پھر بچے اسکول اور نمیر آفس چلا جاتا تو عنزہ پھیلا ہوا کمرہ سمیٹتی۔ جھاڑو صفائی کرتی، کپڑے دھوتی، شمشاد بیگم اٹھ جاتیں تو گرم ناشتا بناتی دونوں ساس بہو ناشتہ کرتیں۔

ناشتے کے بعد شمشاد بیگم کو روٹین کی دوائیں کھلاتی، بی پی چیک کرتی۔ پھر کچن میں آکر پہلے برتن دھو کر چولھے، شیلف اور سلیبس کی صفائی کر کے لنچ کی تیاری کرتی، بچوں کے آنے تک کھانا بالکل تیار ہوتا اور ساس، بہو نماز سے بھی فارغ ہو کر کھانا کھانے کے بعد کچھ دیر آرام کرتیں، پانچ بجے عنزہ اٹھتی اور شمشاد بیگم کی چائے بناتی بچوں کی فرمائش پر کبھی پاپ کورن، کبھی نوڈلز تو کبھی کیک بسکٹس وغیرہ بناتی۔ اس کے بعد مغرب کی نماز تک بچوں کو ٹیوشن اور نماز کے بعد سپارہ پڑھاتی۔ پھر بچے دادی کے ساتھ کچھ دیر ٹی وی دیکھتے اور عنزہ رات کے کھانے کی تیاری کرتی۔ تب تک نمیر بھی آجاتا، سب ساتھ کھانا کھاتے۔ کھانے کے بعد چائے پی کر کچھ دیر نمیر اماں کے پاس بیٹھتا۔ پھر بچے اور نمیر سونے کے لیے چلے جاتے تو عنزہ اماں کو رات کی دوائیاں کھلا کر دوبارہ کچن میں آجاتی۔ برتن دھونا، ناشتے کے لیے آٹا گوندھنا ہوتا۔

بدلے میں اسے ایک ستائشی جملہ سننے کی خواہش ہوتی ہے جس سے ساری تھکن، بوجھ، کوفت سب کچھ پل میں ہوا ہو جاتا ہے۔ عنزہ کی شادی کو سات سال ہوچکے تھے۔ آج بھی اس کی زندگی میں کہیں نہ کہیں تشنگی موجود تھی۔ یہ بات نہیں تھی کہ نمیر ظالم تھا، خیال نہیں رکھتا تھا۔ مگر وہ سراہنا نہیں جانتا تھا۔ حوصلہ بڑھانا اس کی سرشت میں نہیں تھا۔ ہر وقت اور ہر بات میں یہ جتاتا کہ تم ابھی بھی پرفیکٹ نہیں ہو، گھر داری کر کے کوئی احسان نہیں کر رہی ہو، یہ تمہارا فرض ہے، تم کچھ انوکھا نہیں کر رہی ہو، یہ تو کوئی بھی کرسکتا ہے۔

☆☆☆

رمضان المبارک کا بابرکت مہینہ شروع ہوچکا تھا۔ ہر مسلمان کی خواہش ہوتی ہے کہ اس ماہ مبارک کی رحمتوں برکتوں سے بھرپور فائدہ اٹھائیں۔

شمشاد بیگم، نمیر اور عنزہ بھی اس ماہ مبارک کی برکتوں سے فیضیاب ہو رہے تھے۔ ساتھ سحری اور افطار کا بھی بھرپور اہتمام ہوتا۔ بے شک نمیر نے گزشتہ سات سالوں سے لے کر اب تک کسی چیز کی تعریف نہیں کی تھی لیکن ہر چیز سے انصاف برابر کرتا،

ان کے یہاں باہر سے فروٹ اور کھجور کے علاوہ کچھ نہیں آتا تھا۔ پزا ہو یا شوارما، سیخ کباب ہو یا چپلی کباب ہر چیز عنزہ گھر میں ہی تیار کرتی۔ اس پر بھی نمیر کوئی نہ کوئی نقص نکالنا فرض سمجھتا۔

پہلے عشرے میں ہی سب کی عید کی تیاری ہو چکی تھی۔ عنزہ کی عادت تھی کہ وہ ہمیشہ عید کی تیاری جلد کر لیتی کہ آخری دنوں میں دکان داروں کے دماغ بھی ساتویں آسمان پر ہوتے اور چیزوں کی قیمتیں بھی۔

شمشاد بیگم کو، ریڈی میڈ کپڑے پسند نہیں تھے ان کے کپڑے عنزہ خود سلائی کرتی تھی۔

''کیا ہو گیا؟ آج افطار کی ہڑتال کس خوشی میں ہے۔'' افطار کے دستر خوان پر صرف کھجور، فروٹ چاٹ اور جوس دیکھ کر نمیر نے عنزہ کو دیکھ کر قدرے حیرانی سے پوچھا۔

''آج بریانی بنائی ہے تو افطار نہیں بنائی، اماں نے کہا پھر کھانا نہیں کھایا جاتا۔'' عنزہ نے صفائی پیش کی۔

''افطار اور کھانے کے الگ الگ خانے ہیں، افطار سے کھانے کا کیا تعلق؟ اماں سے نہیں کھایا جاتا ہوگا۔''

نمیر نے اپنا فلسفہ جھاڑا۔

''نمیر! عنزہ تو افطاری بنا رہی تھی میں نے ہی منع کیا تھا۔'' شمشاد بیگم کی مداخلت پر بات ختم ہو گئی۔

دوسرے دن چوبیسواں روزہ تھا، عنزہ کے سر میں شدید درد تھا۔ حالانکہ شمشاد بیگم نے عنزہ کی اتری ہوئی شکل دیکھ کر منع بھی کیا لیکن عنزہ کو نمیر کی کل والی بات یاد تھی، اسی وجہ سے سر میں شدید درد کے باوجود تین گھنٹے گرمی میں کھڑے ہو کر اتنی ساری افطاری بنائی اور نمیر نے عادتاً بلاوجہ تنقید کر کے سر میں مزید درد کر دیا تھا۔ عنزہ اب تک نمیر کی جا بے جا باتیں برداشت کرتی چلی آئی تھی۔ کئی بار اس کو غصہ بھی آیا۔ برا بھی لگا لیکن آج اسے دکھ ہوا تھا کہ نمیر کس قسم کا انسان ہے، ہر وقت تذلیل، ہر دم طعنے،

''کیا بات ہے؟ تمہارا دماغ کس لیے خراب ہے، یہ غصہ کسے دکھا رہی ہو؟''

رات کو تمام کاموں سے فارغ ہو کر، شمشاد بیگم کو دوا کھلا کر کمرے میں آئی تو نمیر نے اسے گھورتے ہوئے تلخ لہجے میں سوال کیا۔ عنزہ نے بھی جواباً ویسی ہی نظروں سے نمیر کو گھور کر دیکھا۔

''جی۔ بالکل ٹھیک کہا آپ نے؟ کیونکہ یہ حق تو صرف آپ کا ہے۔'' عنزہ کا لہجہ طنزیہ تھا۔

''کیا مطلب؟'' نمیر نے ماتھے پر شکن ڈال کر سوال کیا۔

''نمیر! آپ کی سوچ اس قدر حتمی کیوں ہے؟ مخاطب کے احساسات کی کتنی بے دردی سے دھجیاں اڑا دیتے ہیں،۔ دل رکھنا، حوصلہ بڑھانا، اچھی بات کو سراہنا اور کسی کا دل رکھنا تو آپ جانتے ہی نہیں۔ بلکہ بے جا تنقید کر کے، ڈی گریڈ کر کے آخر آپ کیا ثابت کرنا چاہتے ہیں؟'' ہمیشہ سر جھکا کر جی حضوری کرنے والی عنزہ کی زبان کھلی تو نمیر کا دماغ گھوم گیا وہ بھنا گیا۔

''عنزہ! اتنی بے تکی بکواس کرنے کا کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم اگر یہ چاہتی ہو کہ میں زن مریدوں کی طرح تمہارے گن گاتا رہوں، تمہارے صدقے واری ہوتا رہوں، غیر ضروری تمہاری تعریفوں کے پُل باندھوں۔ تو ایسا ناممکن ہے۔ تم ایسے کون سے تیر مارتی ہو، کون سا ہل بیل جوت رہی ہو یا کنویں کھود رہی ہو ایسا کون سا انہونا کارنامہ انجام دے دیا ہے کہ تمہیں گولڈ میڈل دیا جائے؟''

''نمیر! میں نے ان سات سالوں میں آپ سے کبھی کچھ مانگا ہے کیا؟ کسی چیز کی فرمائش کی ہے؟''

''تمہیں کسی چیز کی کمی ہوئی ہی نہیں، تمہارے اور بچوں کے لیے گدھے کی طرح محنت کرتا ہوں، وقت سے پہلے ضرورتیں پوری ہو جاتی ہیں۔ ایک عورت کو اور کیا چاہیے زندگی میں؟'' نمیر کی بات

سے عنزہ کو شدید تکلیف پہنچی تھی۔

"نمیر! حیرت ہے آپ کی سوچ پر۔ عورت کے لیے اس کے شوہر کے دو ستائشی لفظ سونا، چاندی، ہیرے موتی سے بھی قیمتی ہوتے ہیں، وہ اپنی ساری تھکن، دکھ، پریشانیاں اور اپنے سارے دن کی تھکن بھول جاتی ہے۔ اگر آپ میرے اور بچوں کے لیے محنت کرتے ہیں تو کیا۔ میں اس گھر کے لیے، آپ کے لیے کچھ نہیں کرتی؟ آپ کی نیند خراب کیے بنا اکیلی ساری ساری رات جاگ کر بچوں کو سنبھالتی ایک دن ایسا نہیں ہوا کہ آپ کو آفس کے لیے ایک منٹ کی بھی دیر ہوئی، سارا دن میں بھی کولہو کے بیل کی طرح کاموں میں جتی رہتی ہوں۔ نمیر، اگر آپ کچھ کر رہے ہیں تو میں بھی گھر کے لیے، بہت کچھ کرتی ہوں۔"

"لاحول ولاقوۃ! تنگ آ گیا ہوں میں اس کام، کام، کام کی گردان سے۔ عنزہ، ہر عورت کام کرتی ہے، تم کوئی انوکھا نہیں کر رہی ہو۔ چھ چھ بچوں کے ساتھ نوکریاں کر کے گھر بار کی ذمے داریاں بھی اٹھاتی ہیں۔ ساری دنیا سے الگ اور کچھ انوکھا تو نہیں کر رہی ہو تم۔ میں تو عاجز آ گیا ہوں، نہ بچوں کو گودوں کھلانا ہے، چار کام ہیں تم بار بار احسان جتا کر یہ ثابت کرنا چاہ رہی ہو کہ یہ گھر تمہارے بغیر نہیں چل سکتا تو یہ تمہاری محض خام خیالی ہے۔ گھر کی عورتیں مر جائیں تو گھر کے کاروبار رک نہیں جاتے، سب کچھ مینج ہو جاتا ہے۔"

عنزہ نمیر کے آخری جملے پر بری طرح چونکی تھی۔ اس نے نمیر پر شکایتی نگاہ ڈالی۔ نمیر منہ تک چادر لپیٹ کر لیٹ گیا تھا۔ نمیر کا یہ جملہ سیدھا عنزہ کے دل پر جا کر لگا تھا۔ اس کی بڑی بڑی آنکھیں نمکین پانیوں سے بھر گئیں۔ زبان گنگ ہو گئی تھی۔ عنزہ برآمدے میں آ بیٹھی۔ دل بھر آ رہا تھا۔ نمیر کی ساری باتیں ہی تکلیف دہ تھیں لیکن دل و دماغ میں آخری جملہ کنڈلی مار کر بیٹھ گیا تھا۔ عجیب سی بے چینی رگ و پے میں اتر آئی تھی۔ کس قدر کٹھور اور بے حس شخص تھا نمیر۔ اسے احساس بھی نہیں تھا کہ وہ اپنی مردانگی کے زعم میں کیا کچھ کہہ گیا۔

عنزہ کو ایک لمحے کا قرار نہیں تھا۔ اس نے گھڑی پر نظر ڈالی۔ گیارہ بھی نہیں بجے تھے۔ محلے میں ایک رکشے والے عمر رسیدہ انکل رہتے تھے۔ نمیر سے اچھی جان پہچان تھی۔ دو، چار بار اچانک عنزہ کی اماں کی طبیعت خراب ہونے پر عنزہ رات کو بھی ان کے ساتھ اکیلی میکے جا چکی تھی۔ نمیر نے کہہ رکھا تھا کہ جب بھی ضرورت ہو انکل کو کال کر کے بلوا لیا کرو۔

اور آج عنزہ کو ضرورت تھی۔ رمضان المبارک کا آخری عشرہ ہونے کی وجہ سے باہر سڑک پر خاصی رونق تھی۔ عنزہ نے نمیر کے موبائل سے انکل کو کال کی کہ "میری امی کی طبیعت خراب ہے ابھی جانا ہے" ایک پرچی پر کچھ لکھ کر نمیر کے سرہانے رکھ کر سوتی ہوئی بچی کو گود میں اٹھا کر باہر کے دروازے کی طرف چل دی۔

"ہائے۔ میں مر گئی۔ یہ کیا کہہ رہی ہو عنزہ؟ جو کچھ بھی تھا تمہیں اس وقت گھر سے نہیں نکلنا چاہیے تھا، بیٹی۔ جھگڑے کس گھر میں نہیں ہوتے، یوں گھر چھوڑ کر نکل جانا عقل مندی نہیں ہے، جو کچھ بھی مسئلہ تھا گھر میں رہ کر ہی ختم کرنا چاہیے۔"

بالکل غیر متوقع اور بے وقت وہ بھی اکیلی عنزہ کو دیکھ کر پہلے تو ماتھا ٹھنکا تھا۔ عنزہ کی زبانی سب کچھ سن کر خالدہ بیگم نے تو سر پیٹ لیا۔

"اماں! آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں۔ بہت برداشت کر لیا میں نے لیکن اب نہیں کر سکتی، نمیر کے منہ سے نکلے ہوئی الفاظ کے نشتر نے مجھے جیتے جی مار دیا ہے۔ پھر بھی آپ مجھے ہی کہہ رہی ہیں۔ یعنی کوئی عزت نفس نہیں، میری کوئی اہمیت و حیثیت نہیں۔ سب سے بڑھ کر بقول نمیر کے اس گھر کو میری ضرورت نہیں۔ اگر آپ کے گھر میں میرے لیے جگہ نہیں ہے تو۔ میں کہیں بھی چلی جاؤں گی۔" عنزہ کو رونا آ گیا۔

"پاگل ہو گئی ہو کیا؟ کیسی باتیں کر رہی ہو۔

ایسی بات ہے تو صبح اویس کو کال کرتی ہوں۔ وہ نمیر سے نمٹ لے گا۔ خدانخواستہ تم لاوارث نہیں ہو۔" ساری بات سن کر خالدہ بیگم نے غصے سے کہا۔

"نہیں اماں پلیز!! ابھی کسی کو کچھ نہیں کہنا مجھے دو چار دن سکون سے رہنے دیں۔" عنزہ نے ہاتھ اٹھا کر منع کر دیا۔ تو خالدہ بیگم نے کچھ سوچ کر فی الحال خاموشی اختیار کر لی۔

☆☆☆

نمیر نے کروٹ بدلی، منہ سے چادر ہٹائی ارد گرد دیکھا۔ عنزہ کو نہ پا کر سوچا سحری بنا رہی ہوگی۔ دوسرے لمحے چونکا کیونکہ کچن کی لائٹ بند تھی۔ واش روم کی لائٹ بھی بند تھی اور۔۔ وانیہ بھی اپنی جگہ پر نہیں تھی۔ موبائل میں ٹائم دیکھا۔ سحری کا وقت شروع ہو چکا تھا۔ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا اور برآمدے، دوسرے کمرے اور اماں کے کمرے میں دیکھا۔ گھر میں مکمل سکوت تھا۔ تیزی سے کمرے میں واپس آیا لائٹ جلائی تو سرہانے پڑے کاغذ پر نظر پڑی۔ لپک کر کاغذ اٹھایا۔

"نمیر، لمبی بات نہیں کروں گی، کیونکہ انسان جب خود کو عقلِ کل سمجھنے لگے تو اس کے آگے سارے لفظ بے معنی ہو جاتے ہیں۔ میں نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ میرے نہ ہونے سے آپ کا گھر اور آپ مفلوج ہو جائیں گے۔۔ بے شک۔ گھر کی عورت کے مر جانے سے بھی کاروبارِ زندگی چلتے رہتے ہیں۔ تو۔ سمجھیں کہ آج۔ میں آپ کے لیے مر چکی، آپ کو آپ کا گھر مبارک۔ وانیہ بہت چھوٹی ہے اس لیے اس کو ساتھ لے جا رہی ہوں۔"

"اف" نمیر کا دماغ گھوم گیا۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ عنزہ جیسی عورت جو ہمیشہ سے سر جھکا کر سنتی چلی آئی تھی۔ اتنا بڑا قدم بھی اٹھا سکتی ہے، مسجد سے سحری کے لیے کم وقت کا اعلان ہو رہا تھا۔ نمیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے، اسے عنزہ پر بے تحاشا غصہ آ رہا تھا۔ شمشاد بیگم بھی اٹھ چکی تھیں۔ گھر میں غیر معمولی خاموشی تھی۔ اسی لیے وہ نمیر کے کمرے میں آ گئیں۔ حقیقت کا علم ہوا تو سر پر ہاتھ مار کر بیڈ پر ڈھ گئیں۔

"ہائے نمیر! یہ کیا کر دیا تم نے؟! اچھی بھلی بچی کی قدر نہیں کی، ہمیشہ تم بلا سوچے سمجھے بک بک کرتے رہے۔ اب کیا ہوگا؟"

"اماں! آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، کچھ نہیں ہوگا گھر کا، وہ سمجھتی ہے ہم اس کے محتاج ہیں، اس کے بغیر ہم مفلوج ہو جائیں گے تو یہ اس کی بھول ہے، میں سب کچھ کر سکتا ہوں، میں کسی کا محتاج نہیں۔" نمیر نے غصے سے کہا اور منہ دھو کر کچن میں آ گیا اس کے پیچھے خالدہ بیگم بھی آ گئیں۔ کچن بالکل صاف ستھرا، ایک ایک برتن دھلا ہوا سلیقے سے اپنی جگہ پر تھا۔ فریج میں آٹا گوندھا ہوا رکھا تھا۔ سالن اور چٹنی سامنے رکھی تھی۔ سات سال سے کچن سے لاتعلق رہنے والے نمیر اور شمشاد بیگم کے لیے کافی مشکل وقت تھا۔ شمشاد بیگم نے بہ مشکل روٹیاں بنائیں۔

نمیر کو سالن گرم کرنے کے لیے فرائنگ پین کی تلاش میں پانچ منٹ لگ گئے تو چائے کی پتی اور چینی کے ڈبے ڈھونڈنے میں مزید پانچ منٹ لگ گئے، ادھر سحری کا ٹائم نکلتا جا رہا تھا۔ عجلت میں سالن بھی فرائنگ پین سے سلیب پر گر گیا، چائے چھانتے ہوئے ساس پین سے چائے چھلک کر شمشاد بیگم کے ہاتھ پر سے ہوتے ہوئے فرش پر پھیل گئی۔ "اف" بے ساختہ شمشاد بیگم کے منہ سے کراہ نکلی۔ "آپ بیٹھیں نا جا کر۔ کہہ رہا ہوں میں کر لوں گا۔" نمیر شمشاد بیگم کے جلے ہاتھ پر ٹوتھ پیسٹ لگاتے ہوئے بولا۔

جلدی جلدی سحری کی نہ وہی کھا سکے نہ ہی پھیپیاں۔ نیم گرم چائے حلق سے اتاری اور شمشاد بیگم نے دوائیں کھائیں ادھر سحری کا ٹائم بھی ختم۔

نمیر نے برتن کچن میں رکھ کر حسبِ معمول نماز اور قرآن پاک کی تلاوت کی۔ آفس جانے کے کپڑے تیار نہیں تھے۔ استری کا ٹائم نہیں تھا۔ سات

pklibrary.com

سال میں پہلی بار اس نے ایک دن پہلے پہنے ہوئے کپڑے پہنے عنزہ روزانہ ـــــ الگ الگ کپڑے، موزے تیار کر کے رکھتی۔ موزے کہاں پر تھے نمیر کو یہ بھی خبر نہیں تھی۔ الماری کے دراز، آئرن بورڈ کا خانہ، ڈریسنگ ٹیبل کے خانے سب جگہ الٹ پلٹ کر کے بھی موزے نہیں ملے تو مجبوراً استعمال شدہ سوکس پہن کر آفس کے لیے نکل گیا۔

''اوئے یار! خیریت تو ہے؟ آج کل والی شرٹ وہ بھی شکن آلود شرٹ؟ بھابی کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' ادھر آفس میں قدم رکھا ادھر۔ کولیگ کو اسے دیکھ کر تشویش ہوگئی۔

''ہاں یار۔ ایسا ہی ہے۔'' خجل ہو کر مختصر سا جواب دیا۔

غیر محسوس طریقے سے سارا دن الجھن کا شکار رہا۔

☆☆☆

سہ پہر کو نمیر گھر میں داخل ہوا تو۔ گھر کی حالت دیکھنے کے قابل تھی۔ کھلا صحن صفائی نہ ہونے کی وجہ سے گرد آلود تھا۔

''پاپا! صبح سے دادو کی طبیعت بہت خراب ہے بس سو رہی ہیں۔'' بازل کی بات سن کر وہ سیدھا اماں کے کمرے میں آیا۔ دیکھا تو اماں جاگ رہی تھیں لیکن نڈھال پڑی تھیں۔ آنکھیں سرخ انگارہ ہو رہی تھیں اور سستی اتنی تھی کہ ہلنے کو بھی دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''اماں۔ کیا ہوا خیریت تو ہے؟ ایسا اچانک کیا ہوگیا آپ کو؟ طبیعت زیادہ خراب ہے تو ہاسپٹل چلیں۔'' نمیر ان کی حالت دیکھ کر پریشان ہوگیا تھا۔ صبح اچھی بھلی چھوڑ کر گیا تھا۔

''نہ۔ نہیں! ہاسپٹل جانے کی ضرورت نہیں، سحری میں عجلت کی وجہ سے بی پی کی گولی کھانا بھول گئی تھی۔'' انہوں نے نحیف آواز میں کہا۔ تو۔ نمیر نے اپنا سر پیٹ لیا۔

''اوہ اماں! اتنی بڑی غلطی کیسے کر دی آپ نے؟ آپ کو پتا بھی ہے اس گولی کا ناغہ نہیں ہونا چاہیے، روزانہ کی خوراک کیسے بھول گئیں آپ۔''

''مجھے کہاں پتا ہوتا ہے، عنزہ ہی پابندی سے ساری دوائیں کھلاتی ہے، اسے ساری دواؤں کا پتا ہے، مجھے تو یہ بھی نہیں معلوم کہ کتنی گولیاں لیتی ہوں۔''

''اب وہ نہیں ہے تو کیا آپ دوائیں چھوڑ دیں گی۔ کھانا تو ہے نا۔'' عنزہ کا نام سن کر نمیر کا حلق کڑوا ہوگیا۔ اماں کا روزہ تھا۔ ابھی تو افطار میں تقریباً ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔ نمیر پریشان ہوگیا۔

اماں کی آنکھ لگ گئی تو نمیر اپنے کمرے میں آیا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی کوفت دو چند ہوگئی۔ صبح موزوں کی تلاش میں کپڑے بیڈ اور کارپیٹ پر ادھر ادھر بکھرے ـــــ تھے، پورے کمرے کی حالت بھی ابتر تھی۔ جسمانی تھکن کے ساتھ ذہنی تھکن کا شکار تھا۔ دھم سے بیڈ پر گر گیا۔

''پاپا! دادو کہہ رہی ہیں آج افطار باہر سے لے آئیں۔'' بازل کی آواز پر آنکھ کھلی۔ پہلے تو بازل کی بات سمجھ میں نہیں آئی لیکن۔ دوسرے لمحے سب کچھ یاد آیا تو ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا، اماں کی طبیعت نسبتاً بہتر تھی۔ کھانے کے معاملے میں تو وہ چٹورا تھا۔ اسی لیے بازار سے ڈھیر ساری افطاری لے آیا تھا۔ افطاری کا سامان رکھنے کچن میں آیا تو کچن کی حالت دیکھ کر اس کو چکر آگئے۔ روزانہ اس وقت کاؤنٹر پر ڈھیر ساری چیزیں سجی ہوتیں اس پر ململ کا صاف ستھرا کپڑا ہوتا، کولر میں ٹھنڈا ٹھار پانی، اور فریج میں مختلف جوس سے بھرے دو جگ۔۔ آج کچن میں سحری کے استعمال شدہ برتن پڑے تھے۔ چولھے پر صبح ابل جانے والے دودھ کی جلی ہوئی کالی تہہ اور جلے ہوئے سالن کی چکنائی جمع تھی۔ سنک میں جھوٹا ساس پین، فرائنگ پین اور گندی پلیٹیں بھن بھن کرتی مکھیوں کے زیرِ عتاب تھیں۔ فرش پر سحری میں گرنے والی

pklibrary.com

چائے بھی جمی ہوئی تھی۔ نمیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس بگڑی ہوئی صورتِ حال سے کیسے نمٹے۔ بازل کے ساتھ مل کر افطاری کے لوازمات نکالے۔ کچن تو کیا سمیٹا جاتا۔ بس ضرورت کے مطابق کام ہو گیا۔

آج افطار کے فوراً بعد گرم چائے بھی نہیں ملی تھی۔ نمیر کو چائے کی شدید طلب ہو رہی تھی مسلسل کوفت سے سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ چائے بھی باہر سے آئی تھی۔ اس لیے سحری کے لیے سالن اور روٹی بھی باہر سے ہی آئی تھی۔ شکر ہوا کہ شمشاد بیگم کی طبیعت دوا لینے کے بعد بہتر ہو گئی تھی۔

☆☆☆

”پاپا! میرا یونیفارم واش کر دیں۔ اور میری بک پر کور چڑھانا ہے آپ چڑھا دیں۔“ نمیر آفس سے تھکا ہارا گھر آیا تو بازل اپنی پھٹی ہوئی کتاب اور یونیفارم لے کر آ گیا۔

”ابھی جاؤ یہاں سے، مجھے سونے دو۔“ نمیر نے جھڑکا تو بازل منہ بسور کر واپس مڑ گیا۔ دوسرے دن بازل اسکول سے آیا تو بہت اپ سیٹ تھا۔ نمیر آفس سے آیا تو پتا چلا کہ آج اسے ہوم ورک ٹھیک نہ کرنے اور ٹیسٹ خراب کرنے پر سزا ملی ہے۔

افطار کے بعد نمیر کی طبیعت بہت بوجھل ہو رہی تھی۔ متلی اور سینے میں بھی جلن محسوس ہو رہی تھی۔

”اماں! آپ کے پاس کارمینا ہو گی، طبیعت بوجھل سی ہو رہی ہے۔“ شمشاد بیگم سے پوچھا۔

”ہاں! شاید میرے کمرے میں ریک پر ہو گی۔“ شمشاد بیگم نے کہا تو نمیر اماں کے کمرے کی طرف چلا گیا۔ ریک پر، ٹیبل پر، اماں کی الماری میں۔۔۔ کہیں بھی نہیں ملی۔ ”نہیں ملی؟ مجھے تو پتا بھی نہیں عنزہ نے ہی رکھی ہے، وہی ضرورت ہو تو مجھے اور بچوں کو دیتی ہے۔“

پیچھے شمشاد بیگم کھڑی تھیں۔ ”لاحول ولا قوۃ۔“ نمیر کو عنزہ کا نام سن کر شدید غصہ آ گیا، وہ دھم دھم کرتا کمرے سے باہر چلا گیا۔ اسے یاد تھا کچھ دن پہلے بھی ایسی کیفیت میں عنزہ نے ادرک اور پودینے کی چائے بنا کر دی تھی، جس سے نمیر کی طبیعت فوراً بہتر ہو گئی تھی۔ ابھی نمیر کی طبیعت سنبھلی بھی نہیں کہ عشاء کی نماز کے بعد شمشاد بیگم کو اپنا بی پی ہائی محسوس ہوا۔

”پاپا! دادو کا بی پی چیک کر لیں۔“ بازل نے برآمدے میں بیٹھے نمیر کو آواز دی۔

”بیٹا! تمہارے پاپا کو دیکھنا نہیں آتا، تمہاری مما ہی دیکھتی ہیں۔“ شمشاد بیگم نے نمیر کو سنانے کے لیے زور سے کہا کچھ دیر میں ہی شمشاد بیگم کی طبیعت کافی بگڑ گئی نمیر ان کو لے کر ہاسپٹل بھاگا۔ ڈاکٹر نے چیک کیا تو بی پی بہت زیادہ تھا۔ جب ڈاکٹر کو دو دن کے ان کے کھانے کا مینیو پتا چلا تو۔ ڈاکٹر نے بلا سوچے سمجھے نمیر کو کھری کھری سنا دی۔

”آپ تو پڑھے لکھے لگتے ہیں جناب۔ پھر اتنی جہالت کا ثبوت دے رہے ہیں، یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کی والدہ ہارٹ اور شوگر پیشنٹ ہیں دو دن سے ان کا بی پی چیک نہیں کیا اوپر سے۔ ان کو لگاتار دو دن سے باہر کے مرغن اور مرچ مسالے والے مضرِ صحت کھانا کھلا رہے ہیں۔ ان کا ڈائٹ اور میڈیسن چارٹ کہاں ہے؟ شکر ہے کہ بروقت آ گئے ورنہ۔ خدانخواستہ کچھ بھی ہو سکتا تھا۔“

نمیر جیسے بندے کو زندگی میں پہلی بار کسی نے اتنا کچھ سنایا تھا۔ نمیر نہ صرف شرمندہ ہوا تھا بلکہ ڈاکٹر کی پریشانی دیکھ کر ہراساں بھی ہو گیا تھا۔ دو گھنٹے بعد شمشاد بیگم کی طبیعت بہتر ہوئی تو وہ لوگ گھر واپس آ گئے۔

☆☆☆

اس رات تقریباً دو بجے نمیر کی آنکھ کھلی تو دیکھا بازل دونوں ہاتھوں سے پیٹ پکڑے رو رہا ہے۔

”کیا ہوا بازل؟ رو کیوں رہے ہو؟“ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”پاپا! پیٹ میں بہت درد ہو رہا ہے۔“ بازل نے روتے ہوئے کہا۔

pklibrary.com

"یار! اس وقت کیا دوں تم کو؟" نیند نہ ہونے کی وجہ سے نمیر کی طبیعت پہلے ہی بہت عجیب سی ہو رہی تھی۔

"مما۔ چورن دیتی ہیں درد میں۔" بازل نے کراہتے ہوئے کہا تو نمیر نے چورن کی تلاش شروع کی۔ اچانک بازل تیزی سے اٹھا۔ وہ واش روم تک جاتا کہ اس کو کمرے میں ہی قے ہو گئی۔ وہ نڈھال ہو کر لیٹ گیا۔ "یا اللہ!" نمیر نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا۔ جس قسم کی صورت حال کا سامنا تھا، ایسا تو تصور میں بھی نہیں سوچا تھا۔ کمرہ صاف کرتے کرتے نمیر کو اپنی بے بسی پر رونا آیا۔

دوسرے دن اٹھائیسواں روزہ تھا۔ مسلسل ٹینشن، رات کو جاگنے سے اور باہر کا کھانا کھا کر نمیر کی طبیعت بھی مستقل بوجھل تھی۔ اس رات ساڑھے تین بجے بازل سویا تو نمیر کی ایسے آنکھ لگی کہ۔۔ سحری میں بھی نہیں اٹھ سکا۔ جب نیند سے جاگا تو صبح کے چھ بج رہے تھے۔ آج آفس کی چھٹی تھی۔ اسے روزہ نہ رکھنے کا دلی افسوس تھا۔ جب سے ہوش سنبھالا تھا۔ روزہ نہیں چھوٹا تھا۔ شمشاد بیگم کو تو ڈاکٹر نے روزہ نہ رکھنے کی ہدایت کی تھی کیونکہ ان کو چھ گھنٹے بعد انجکشن لگ رہے تھے۔ کتنی دیر تک کسلمندی سے یونہی بستر پر پڑا رہا۔ بازل کو بھی بخار ہو گیا تھا۔ نمیر کو تو یہ بھی معلوم نہیں تھا کہ بخار میں کون سی دوا دینی ہے۔

لیٹے لیٹے کمرے کا جائزہ لیا، سلیقے اور نفاست سے سیٹ کی ہوئی الماریاں شرٹس، موزے، رومال، بنیان وغیرہ ڈھونڈنے کے چکر میں کباڑ خانہ بن چکی تھیں۔ بیڈ کی چادر شکن آلود اور گندی ہو چکی تھی۔ ڈریسنگ ٹیبل اور سائیڈ ٹیبل پر گرد کی تہہ جمی ہوئی تھی۔ تولیہ میلا پڑا تھا۔ کمرے کے کونے میں ایک طرف نمیر اور بازل کے میلے کپڑے پڑے تھے۔ کمرہ کم کباڑ خانہ زیادہ لگ رہا تھا۔ صحن دھول مٹی سے اٹا ہوا تھا۔ کچن میں ہر چیز بے ترتیب اور بکھری ہوئی تھی۔ پورا گھر ہی بے ترتیب اور بکھرا ہوا تھا۔ نمیر کو گھر کی حالت دیکھ کر وحشت ہو رہی تھی۔ یہ سچ تھا کہ۔ ایک عنزہ کے نہ ہونے سے تین دن میں نہ صرف گھر کی حالت بد سے بدتر ہو چکی تھی بلکہ گھر والوں کے حال بھی ابتر تھے۔ باہر کے کھانے اور افطاری میں ٹھیک ٹھاک پیسے خرچ ہو گئے تھے۔ عنزہ ایک وقت کی کوتاہی کے بغیر پابندی سے چارٹ کے مطابق شمشاد بیگم کو غذا اور دوا دیتی۔ روزانہ بی پی چیک کر کے نوٹ کرتی نمیر برآمدے میں سر جھکائے بیٹھا تھا۔

ایک عنزہ نے کس کمال سے سارے گھر اور گھر والوں کو سنبھال رکھا تھا۔ نمیر کو اب احساس ہو رہا تھا کہ۔ وہ آٹھ گھنٹے ڈیوٹی کر کے گھر آتا ہے تو۔ عنزہ صاف ستھری اپنی تھکن پس پشت ڈال کر ہمیشہ خوش دلی سے مسکراتی ہوئی نظر آتی کہ وہ تھکا ہارا لوٹا ہے، ٹھنڈا پانی، گرم چائے حاضر ہو جاتی۔ حالانکہ وہ خود بھی دن بھر گھر کے کاموں میں مصروف رہتی، پھر بھی نمیر کی خدمتوں میں لگ جاتی، مزے کی بات تو یہ ہے کہ نمیر کو تو چھٹی کا دن بھی مل جاتا ہے جبکہ عنزہ کے لیے کوئی چھٹی کوئی ہاف ڈے نہیں بلکہ چھٹی والے دن تو زیادہ مصروف رہتی ہے کہ کام کے ساتھ ساتھ نمیر کو بھی بھرپور ٹائم دینا ہے، مبادا وہ ناراض نہ ہو جائے کہ مجھے اگنور کر رہی ہو اور ایک عنزہ ہی نہیں ہمارے معاشرے کی نوے فیصد بیویوں کا یہی حال ہوتا ہے۔

"نمیر بیٹا! میں جانتی ہوں کہ تم کیا سوچ رہے ہو؟ مان لو کہ عنزہ کے بغیر یہ گھر نامکمل ہے، اس ایک لڑکی نے ہم سب کو اپنی محبت سے، اپنے حسن عمل سے باندھ رکھا ہے۔ اس کی ناقدری مت کرو۔ سوچو نہیں۔ جاؤ اس کو منا کر لے آؤ۔" شمشاد بیگم اس کا شانہ تھام کر مخاطب تھیں۔ نمیر نے نگاہ اٹھا کر ماں کی طرف دیکھا تو شمشاد بیگم نے مسکرا کر اس کی پیٹھ تھپتھپائی۔

☆☆☆

آج عنزہ بہت اداس تھی۔ دو دن بعد عید تھی اور۔ وہ اپنے گھر سے دور تھی۔ بے شک نمیر سے تو

pklibrary.com

سخت ناراضی تھی لیکن شمشاد بیگم کی فکر تھی، بازل بھی بہت یاد آ رہا تھا۔ عصر کی اذان ہوئی۔ تو خالدہ بیگم کے ساتھ نماز ادا کر کے صحن میں آ گئی۔ وانیہ سو رہی تھی اور خالدہ بیگم افطار کی تیاری کر رہی تھیں۔ دل بہت بوجھل تھا۔ صحن میں بنی پھولوں کی کیاری کے پاس کرسی پر بیٹھ گئی اور آنکھیں موند لیں۔

تب ہی دروازے پر دستک ہوئی۔ عنزہ نے دروازہ کھولا تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ عین سامنے نمیر کھڑا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو اور تھکا تھکا سا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام۔" سرد مہری سے جواب دیا۔

"اندر آ سکتا ہوں؟" راستہ روکے بالکل سامنے کھڑی تھی۔ مجبوراً نمیر نے پوچھا۔

"جی بالکل! آیئے ---- نمیر اندر آ گیا۔

"کیسے آنا ہوا؟" انتہائی اجنبیت کا اظہار کیا۔ نمیر گڑبڑا گیا۔ شاید اتنے شدید ردعمل کی توقع نہیں تھی۔

"کیوں۔؟ کیا ہمارا اتنا بھی تعلق نہیں رہا؟" نمیر نے سوال کیا۔

"تعلق تو زندہ لوگوں سے ہوتا ہے۔ مجھے تو آپ نے جیتے جی مار ڈالا تو اب کیسا تعلق؟" نہ جانے کہاں سے اتنی ہمت آ گئی تھی۔

"عنزہ! میں تم سے معافی مانگنے آیا ہوں۔ میں غلطی پر تھا۔ مجھے معاف کر دو۔ میں نے جذبات میں آ کر بہت کچھ کہہ دیا جو مجھے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے کہ ہمارا گھر تمہارے بغیر نامکمل ہے، مجھے اور گھر کو تمہاری ضرورت ہے۔ سلام ہے تم پر جو سارے گھر کو لے کر چلتی ہو، ہر کسی کے مزاج کو سمجھتی ہو، ہر کسی کی ضرورت اور پسند کا خیال رکھتی ہو، ہم سب ہماری زندگی تمہارے بغیر مفلوج ہو کر رہ گئی ہے۔ پلیز عنزہ گھر چلو۔" نمیر جیسا کٹھور بندہ عاجزانہ لہجے میں کہہ رہا تھا اور۔ عنزہ چپ چاپ سن رہی تھی۔ اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

"ایسے ستائشی جملوں کا سات سال سے انتظار تھا۔ اس کے اعتراف کی طالب تھی۔ نمیر عاجز سا اس کے سامنے کھڑا تھا۔ عنزہ کا دل بھر آیا۔ ساتھ ہی نمیر کا رویہ بھی یاد آ رہا تھا۔ کتنی سفاکی اور بے رحمی سے ایک بار نہیں بلکہ بار بار اسے بے وقعت کیا تھا۔ اس کا دل دکھایا تھا۔

"پلیز۔ عنزہ" نمیر ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا اس کے ہاتھ جڑے تھے۔ عنزہ نے پلکیں اٹھائیں۔ بڑی بڑی آنکھوں میں آنسو تھے۔ بے ساختہ آگے بڑھی اور نمیر کے جڑے ہوئے ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

"نہیں عنزہ! رو کر مجھے مزید شرمندہ مت کرو۔ بس، مجھے معاف کر کے میرے ساتھ گھر چل کر مجھے معتبر کر دو، میری عید کو اپنی سنگت سے خوشیوں سے بھر دو۔" نمیر نے اس کو شانوں سے پکڑ کر محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"نمیر! میری بھی ہمیشہ سے یہی خواہش ہے۔ میں بھی آپ کے ساتھ رہ کر معتبر ہونا چاہتی ہوں۔" نمیر کے کندھے سے لگ کر جذب سے بولی۔

"اماں! میں اپنے گھر جا رہی ہوں" عنزہ خوشی سے چلائی۔

خالدہ بیگم کچن سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ عنزہ کی خوشی سے بھرپور آواز پر صحن میں آ گئیں۔ دس منٹ کے اندر عنزہ اپنا بیگ اور وانیہ کو لے کر گاڑی میں بیٹھ چکی تھی۔ وہ بچوں کی طرح خوش ہو رہی تھی۔ نمیر پر شوق نگاہوں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ آج اسے صحیح معنوں میں زندگی کی خوب صورتی کا احساس ہوا تھا۔ خالدہ بیگم کے چہرے پر خوشی کے ساتھ اطمینان بھری مسکراہٹ تھی۔

pklibrary.com

نظیر فاطمہ

ایسے بھی ہو سکتا ہے

فوزیہ بھاری بھرکم تھیلا لیے میٹرو بس سے اپنے اسٹیشن پر اتری۔ اسٹیشن سے باہر آکر اس نے اپنے گھر تک پہنچنے کے لیے رکشے کی تلاش میں نظریں دوڑائیں مگر سوئے قسمت اس وقت وہاں کوئی رکشے والا موجود نہیں تھا۔ اسٹیشن سے اس کے گھر کا فاصلہ پانچ سات منٹ کا تھا۔ عام طور پر وہ پیدل ہی آتی جاتی تھی۔ مگر کبھی زیادہ سامان ہوتا تو اسٹیشن سے گھر تک رکشہ لے لیتی تھی۔ اس وقت کوئی چارہ کار نہیں تھا سو اس نے مزید وقت ضائع کرنے کے بجائے روزے سے ہونے کے باوجود پیدل گھر جانے کا فیصلہ کرلیا۔

بھاری بھرکم تھیلے کے ساتھ چلتے چلتے وہ کچھ لمحے سانس لینے کو رکی تو نظر سامنے "ملک ہاؤس" پر پڑی جس کے سامنے راشن لینے والوں کی یہ لمبی لائن تھی۔

"بھئی رمضان میں صحیح ثواب تو یہ امیر لوگ حاصل کرتے ہیں جن کے دروازوں پر راشن لینے والوں کی یہ لمبی لمبی لائنیں لگی ہوتی ہیں۔"

اس لمبی لائن کو دیکھ کر فوزیہ دل میں سوچے بنا نہ رہ سکی۔

"کاش! میرے پاس بھی اتنی دولت ہوتی تو میں بھی رمضان میں ایسے ہی لوگوں میں راشن بانٹتی۔ یہاں تو اپنے خرچے پورے نہیں ہوتے، بندہ خیرات کیا کرے۔"

اس نے ٹھنڈی آہ بھری اور دوبارہ اپنا سفر مزید تیز رفتاری سے شروع کر دیا کیونکہ افطاری میں کچھ ہی وقت رہ گیا تھا۔ گھر جا کر اسے افطاری تیار کرنی تھی۔ وہ آج کچھ ساز و سامان لینے بڑے بازار گئی تھی جہاں سے واپسی پر دیر ہوگئی تھی۔

☆☆☆

پہلا عشرہ مکمل ہوا تو فوزیہ کی امی روبینہ اس کی عیدی لے کر آگئیں۔ رمضان کی وجہ سے محمود بھی دفتر سے جلدی آجاتے تھے۔ وہ پہنچے تو فوزیہ کی امی جان واپس جانے کو تیار تھیں۔

"نہیں خالہ جان! ایسے کیسے جارہی ہیں آپ؟ میں آپ کو افطاری کیے بغیر نہیں جانے دوں گا۔"

محمود نے احترام سے کہا تو روبینہ رسان سے مسکرا دیں۔ ان کا یہ داماد انھیں اور محمود صاحب کو اپنے ماں باپ جیسی عزت دیتا تھا۔

"بیٹا! تکلف کی کوئی بات نہیں ہے۔ تمھارے ساتھ افطاری کرنے پھر کسی دن آؤں گی۔ آج میرا جانا ضروری ہے۔" روبینہ اپنی چادر درست کرتے ہوئے کھڑی ہوگئیں۔

"کیوں آج کیوں نہیں امی جان؟" فوزیہ نے پوچھا۔

"آج تمھاری بھابھی اپنی امی کی طرف افطاری پر گئی ہے۔ گھر میں افطاری تیار کرنے کے لیے کوئی نہیں ہے۔"

"امی! آپ نے افطاری میں بھلا کیا اہتمام کرنا ہے۔ ایک ابو اور ایک آپ، بھائی بھی یقیناً اُدھر ہی افطاری کریں گے۔ رہ گئے آپ اور ابو تو میں ابو کو بھی یہیں بلا لیتی ہوں، آپ دونوں یہاں ہمارے ساتھ افطاری کرلیں۔" فوزیہ نے فوراً کہا۔

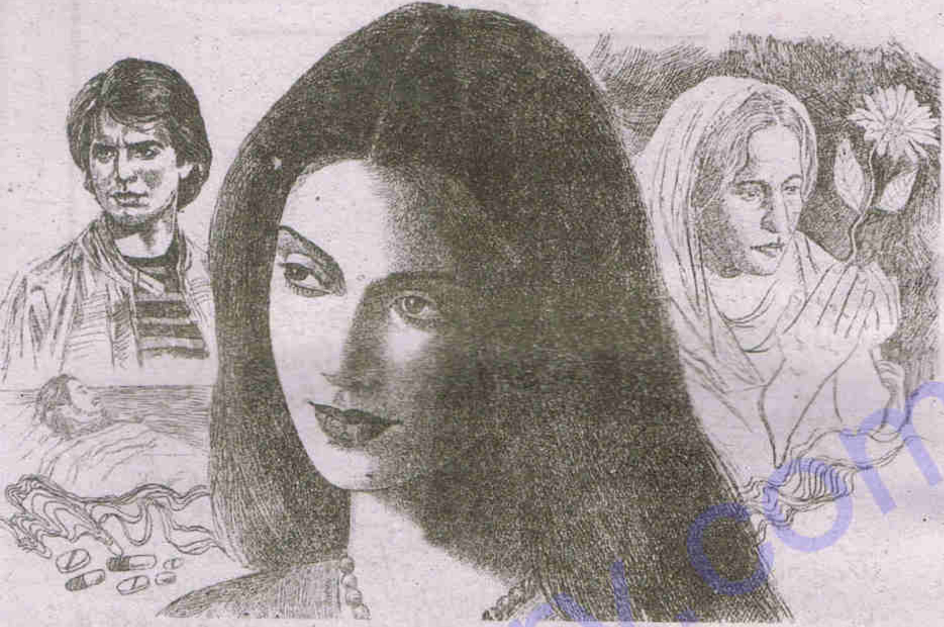

"تمھارے ابو تو تمھیں پتا ہے کہ پرہیزی کھانا کھاتے ہیں، وہ میں بنا کر آئی ہوں۔"

"پھر کیا مسئلہ ہے؟ رک جائیں نا۔" فوزیہ نے اصرار کیا۔

"بیٹا! بات دراصل یہ ہے کہ میں اپنی بلڈنگ کے چوکی دار کو سحری اور افطاری کرواتی ہوں تو ابھی اس کے لیے افطاری تیار کرنا ہے مجھے جا کر۔"

"تو ایک دن کوئی اور افطاری کروا دے گا اس کو؟"

" کروا تو دے گا مگر میں نیکی کا یہ موقع ضائع نہیں کرنا چاہتی۔ میں اسے پورا رمضان پابندی سے سحری افطاری بھیجتی ہوں۔ یہ سحری افطاری وہی کھانا ہوتا ہے جو ہم لوگ خود سحری اور افطاری میں کھاتے ہیں۔

دیکھو بیٹا! ہم لوگوں کے وسائل اتنے تو نہیں ہیں کہ ہم بہت سارے لوگوں کے لیے سحری افطاری کا سامان کر سکیں تو میں نے سوچا کہ چلو کسی ایک کے لیے یہ اہتمام کر لوں۔ وہ رب مہربان ہے، نیت دیکھتا ہے تعداد نہیں۔"

روبینہ تو چلی گئیں مگر فوزیہ کے سامنے ایک نیا در وا کر گئیں۔

"میں جو امیروں کے دروازوں پر راشن لینے والوں کی یہ لمبی لمبی لائنیں دیکھ کر پریشان ہو رہی تھی۔ میں نے یہ کیوں نہ سوچا کہ ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ میں بھی اپنی حیثیت کے مطابق کسی کو آسانی پہنچا دوں بھلے وہ ایک فرد کے لیے ہی کیوں نہ ہو۔ جو امیروں کی حیثیت ہے وہ اس کے مطابق بانٹیں جو میری حیثیت ہے میں اس کے مطابق بانٹ دوں۔" فوزیہ نے سوچا اور اطمینان سے مسکرا دی۔

☆☆

pklibrary.com

نگہت سیما

ماء الملوک

لاہور کے ذکی دروازے کی سمت بہت شان دار حویلیاں تھیں ان میں سے ایک مرزا جہاں زیب کے دادا مرزا ہمایوں بیگ نے بنوائی تھی۔ وقت کے ساتھ ساتھ اس میں جدید تقاضوں کے مطابق تبدیلیاں کی گئی تھیں۔

مرزا جہاں زیب اپنے والد کی اکلوتی اولاد تھے اللہ نے انہیں چار بیٹوں اور ایک بیٹی سے نوازا تھا۔

بیٹوں، بیٹی کی شادی ہو چکی تھی۔ اوپر والی منزل میں اورنگ زیب بیگ اور ارباب بیگ رہائش پذیر تھے جب کہ خود جہاں زیب بیگ گرانڈ فلور پر دونوں چھوٹے بیٹوں شاہ زیب اور ظفریاب کے ساتھ رہتے تھے۔

اورنگ زیب کی دو بیٹیاں دو بیٹے تھے۔ ارباب بیگ کا ایک بیٹا اور دو بیٹیاں تھیں۔

ظفریاب کا بیٹا آزین اور شاہ زیب بیگ کی بیٹی زل کا نکاح ہو چکا تھا۔

شاہ زیب بیوی کے مرنے کے بعد گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ ظفریاب کچھ سیاسی سرگرمیوں کی وجہ سے گرفتار ہو گئے تھے، وہ بہت برا وقت تھا، نہ جانے کیا ہوا کہ ان کی بیوی نے ان کے واپس آنے کے بعد طلاق لے لی۔ ظفریاب دوسری شادی کر کے ملک سے باہر چلے گئے۔

ابرار شاہ ایک بڑے وڈیرے اور سیاست دان کا بیٹا تھا جو صبوحی سے یونی ورسٹی کے زمانے سے محبت کرتا تھا جبکہ وہ شادی شدہ تھا اور اس کے دو بچے تھے۔ ظفریاب سیاسی ہنگاموں میں غائب ہوئے تو صبوحی ان کو تلاش کرتے ابرار شاہ سے ملتی ہیں وہ ظفریاب کی رہائی کے بدلے صبوحی سے شادی کرنا چاہتے تھے وہ راضی ہو جاتی ہیں یوں ظفریاب کی رہائی اور تندرستی کے بعد وہ طلاق لے لیتی ہیں اور ابرار شاہ سے شادی کر کے یو کے چلی جاتی ہیں۔

سمیرا ابرار شاہ کی پہلی بیوی کی بیٹی ہے جو بدلہ لینے کی خواہش میں زین اور زل کے بیچ دراڑیں ڈالتی ہے وجدان کو سمیرا کی یہ حرکتیں ناگوار گزرتی ہیں۔ زل اختر بانو کے پاس نومان کی شادی کے سلسلے میں جاتی ہے۔ منیرہ کے گھر جاتے ہوئے رستے میں زل کو اغوا کر لیا جاتا ہے چراغ سائیں اس کی اطلاع اختر بانو کو دیتے ہیں وہ پہلے ہی دل کے عارضے میں مبتلا ہانپتی کانپتی ڈیرے پر آتی ہیں اور جذبات میں شایان کا سچ نکل جاتا ہے کہ وہ ان کا خون ہے۔ شایان اور زل کے لیے یہ انکشاف حیران کن تھا۔ شایان ثمرہ سے اس بابت پوچھ گچھ کرتا ہے اور وہ خوب روتی چلاتی ہے۔ چراغ سائیں کا انتقال ہو جاتا ہے حویلی سے اس کا جنازہ اٹھایا جاتا ہے۔

زل کو لینے مرتضیٰ آتا ہے شاہ زیب بیگ نارمل ہو رہے ہیں۔

اٹھارہویں قسط

"جی ابا" وہ نم آنکھوں سے مسکرائی تو وہ یک دم واپس اپنے کمرے کی طرف مڑے۔

"آپ زین کے ساتھ کہیں جا رہے تھے ابا۔" زل کو خیال آیا کہ شاید زین انہیں کہیں لے کر

جا رہا تھا۔
"نہیں مجھے تو کہیں نہیں جانا تھا۔ وہ مجھے خود ہی ساتھ لے آیا تھا۔ کہتا تھا چلیں آپ کو اپنے دوستوں سے ملواؤں۔ لیکن میں بھلا کیا کروں گا اس کے دوستوں سے مل کے۔" وہ الجھے الجھے سے تھے۔
"اچھا ٹھیک ہے آپ کا جی نہیں چاہ رہا تو نہ

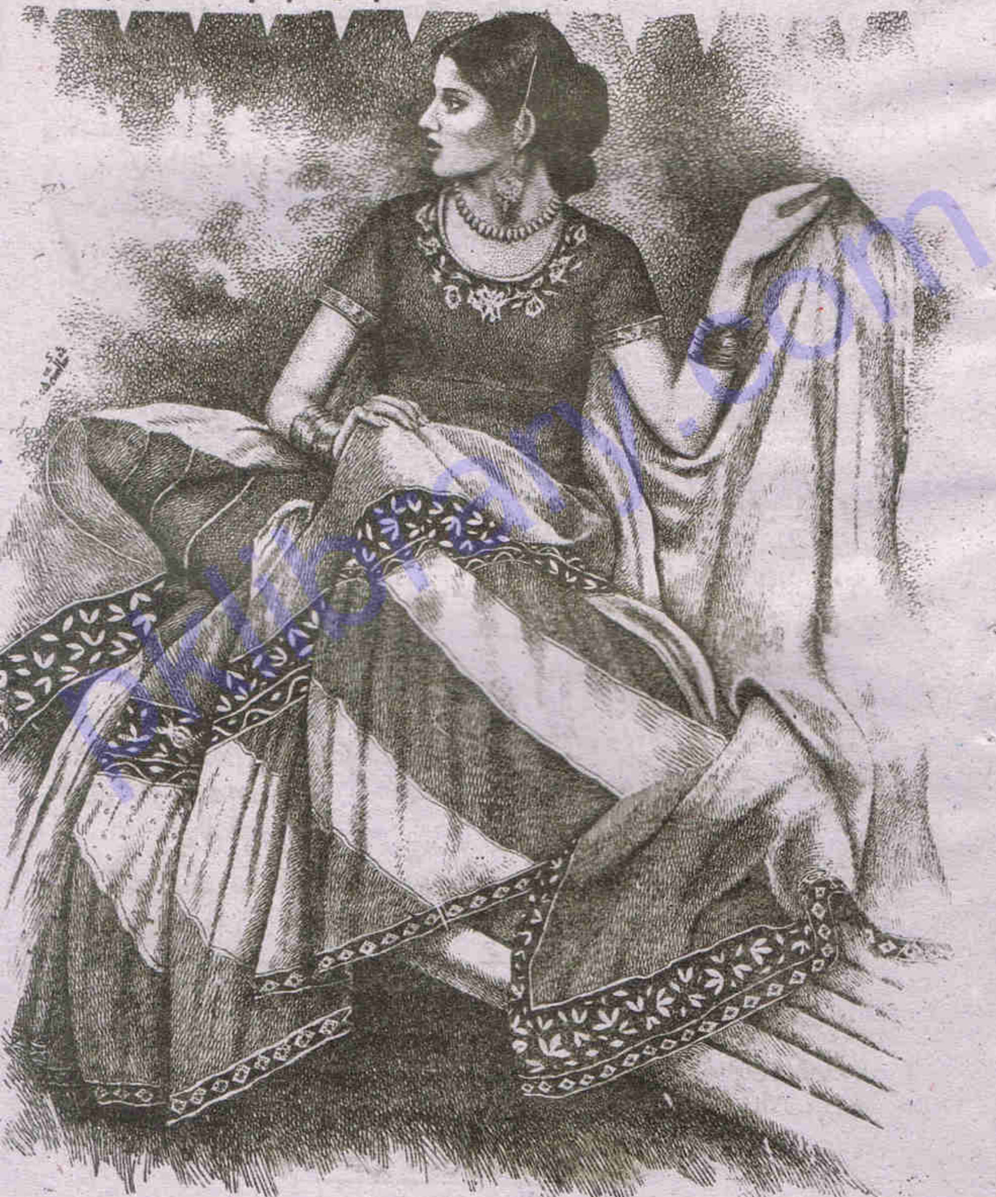

ملیں۔ ہم آپ کے کمرے میں چل کر باتیں کرتے ہیں۔ آپ مجھے اماں کے متعلق اور بھی باتیں بتانا۔ اور یہ کہ آپ کو ان کی کیا بات سب سے اچھی لگتی تھی۔ سب کہتے ہیں میں بالکل اپنی اماں جیسی ہوں کیا آپ کو بھی ایسا ہی لگتا ہے۔" زل ان کے ساتھ ساتھ ہی چل رہی تھی۔ شاہ زیب نے رک کر اسے دیکھا اور پھر تیزی سے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلے گئے وہ ان کے پیچھے ہی اندر آئی تو وہ دونوں ہاتھوں میں سر تھامے بیڈ پر بیٹھے تھے۔

"کیا ہوا ابا" وہ ان کے پاس ہی بیٹھ گئی تو انہوں نے نفی میں سر ہلایا۔

"کچھ نہیں۔ سوچ رہا تھا مریم کی سب سے اچھی بات کیا تھی۔ یاد ہی نہیں آرہا...... بہت اچھی تھی وہ۔ اماں جان کہتی تھیں، اکثر مریم بہت صابر اور بڑے ظرف والی ہے۔"

"چلیں جب یاد آیا تو بتا دیجیے گا کوئی اور بات کرتے ہیں، اپنے متعلق بتائیں کچھ، کون سا کھیل پسند تھا۔ اور کیا کیا دلچسپیاں تھیں۔" آج کئی سالوں بعد وہ اس سے اتنی باتیں کر رہے تھے اور زل اس وقت کچھ دیر پہلے آزین کی آنکھوں سے جھلکتی اجنبیت کی اذیت بھول کر بہت شوق سے انہیں دیکھ اور سن رہی تھی۔

"میں ہاکی کھیلتا تھا اور ظفر بھائی فٹ بال کے پلیئر تھے لیکن کالج تک ہی شوق رہا کھیلنے کا۔ میں اسکول میں اپنی ہاکی ٹیم کا کیپٹن۔" شاہ زیب کے لبوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

"کرکٹ پسند نہیں تھی آپ کو۔"

"کچھ زیادہ نہیں بورنگ لگتا تھا یہ کھیل۔ یہ زین کیا کرکٹ کھیلتا ہے۔ کل باہر میں نے بیٹ دیکھا تھا برآمدے میں۔" انہیں جیسے اچانک یاد آیا تھا۔

"نہیں وہ بلال کا تھا۔"

زل نے بتایا تو کسی قدر حیرانی سے انہوں نے پوچھا۔

"یہ بلال کون ہے۔"

"اورنگ زیب تایا کا بیٹا ہے۔"

لیکن اس کا نام تو......" وہ کچھ یاد کرنے لگے تھے۔

"شاہ رخ تھا نا۔"

"جی شاہ رخ بھائی بڑے ہیں اور بلال سب سے چھوٹا ہے۔"

"اچھا...... مجھے یاد نہیں آرہا...... پتا نہیں کیا ہوگیا ہے مجھے آج کل اکثر باتیں بھول جاتا ہوں۔"

"جی......وہ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی...... آپ بیمار ہوگئے تھے نا......اس لیے کبھی کبھی کچھ بھول جاتے ہیں لیکن ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ آپ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔" زل کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ کیا کہے۔

"اچھا اچھا......" شاہ زیب بیگ نے سر ہلایا۔

"وہ......وہ بھی یہ ہی کہہ رہا تھا......وہ شہزادہ۔"

"شیخو بابا۔" زل نے سوالیہ نظروں سے انہیں دیکھا تو شاہ زیب نے سر ہلا دیا۔

"ہاں وہ ہی......اس نے کہا تھا میں نے بیماری کی وجہ سے میڈیکل لیو لے رکھی ہے اسی لیے آفس نہیں جا رہا۔ پتا نہیں میری چھٹی کتنی رہ گئی کب آفس جانا ہے۔ ایک دو روز تک آفس جاؤں گا۔"

"جی ابا۔" زل کے اندر کوئی آنسو گرا تھا۔

"تم ایسا کرنا میرے آفس جانے والے کپڑے نکال کر استری کے لیے دے دینا۔ مریم کو تو پتا ہوتا تھا سب۔ میرے کپڑے جوتے سب تیار رکھتی تھی۔" وہ زل کی طرف دیکھ رہے تھے۔

"جی ابا، آپ اب کچھ دیر آرام کرلیں۔ میں اسکول سے آئی تو آپ شیخو بابا کے ساتھ گئے ہوئے تھے۔ وہ جانے کہاں کہاں گھماتے پھرے ہوں گے۔"

زل کو محسوس ہوا تھا کہ شاہ زیب کی آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی تھیں۔ مسکن دوائیوں کے زیر اثر وہ سوئے رہتے تھے لیکن شاید آج شیخو بابا انہیں باہر لے

گئے تو وہ سو نہیں سکے ہوں گے۔

"نہیں تو...... ہم تو بس پارک میں بیٹھ کر باتیں کرتے رہے اور بچوں کو کھیلتے ہوئے دیکھتے رہے ۔میرا دل اندر کمرے میں گھبرا رہا تھا تو میں نے کہا اس سے باہر چلتے ہیں۔" شاہ زیب بیگ مسکرائے تھے۔ "وہ مجھے اپنے نانا جان اور اپنی اماں کے متعلق بتاتا رہا۔اور اس نے اپنے گاؤں کے متعلق بھی بتایا۔"

"اچھا۔" زل حیران ہوئی تھی شیخو بابا نے بی بی اماں سے بھی کبھی اپنے متعلق اتنی باتیں نہیں کی تھیں۔

"لگتا ہے بہت دوستی ہو گئی ہے آپ کی ان سے۔"

"ہاں" شاہ زیب بیگ کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"وہ جب میرے پاس بیٹھتا ہے نا تو اس کے پاس سے مجھے بہت مانوس سی خوشبو آتی ہے جیسے...... جیسے ظفر بھائی میرے ساتھ ہوتے تھے تو ان کے پاس سے خوشبو آتی تھی اپنائیت کی خوشبو۔"

"بی بی اماں کہتی ہیں ظفر چاچو ہی شیخو بابا کو لے کر آئے تھے گھر۔ جب تک یہاں رہے بہت خیال رکھتے تھے ان کا۔" زل کے لبوں سے بے اختیار نکلا تھا۔

"اچھا اب تم جاؤ۔" زل کھڑی ہوگئی۔

یک دم ہی ان کی پیشانی پر شکنیں سی پڑی تھیں۔ چند لمحے وہ کچھ سوچتے رہے پھر بیڈ پر لیٹتے ہوئے آنکھیں بند کر لیں، زل کچھ دیر کھڑی رہی پھر جب انہوں نے دیوار کی طرف کروٹ لے لی تو وہ کمرے سے باہر آ گئی۔

برآمدے میں کم روشنی کا بلب جل رہا تھا۔ جب کہ کچن کی دیوار والے بلب سے صحن میں کافی روشنی تھی وہ برآمدے میں کچھ دیر کھڑی رہی۔ آزین کی اس کی طرف پشت تھی۔ طیب کہہ رہا تھا۔

"ہم بہت احسان فراموش قوم ہیں سر۔ اپنے محسنوں کو سر بازار ذلیل کرنے والے۔ میں جب جب سوچتا ہوں کہ ہم نے عبدالقدیر خان کے ساتھ کیا کیا تو میرا دل خون کے آنسو روتا ہے؟"

طیب جو کہہ رہا تھا وہ کون سی اتنی پرانی بات تھی ابھی پچھلے ماہ فروری میں ہی تو عبدالقدیر خان نے ٹی وی پر آ کر تسلیم کیا تھا۔ بلکہ ان سے کہلوایا گیا تھا کہ وہ ملک و قوم کی سلامتی کے لیے یہ اعتراف کریں۔ فروری 2004 کا یہ دن زل کبھی نہیں بھول سکتی تھی جب اس نے عبدالقدیر خان کو ٹی۔وی پر اعتراف کرتے سنا تھا۔ آج جب طیب ان کے متعلق بات کر رہا تھا تو اسے وہی تکلیف محسوس ہو رہی تھی جو اس روز اس نے محسوس کی تھی۔ وہ برآمدے میں شاہ زیب بیگ کے کمرے کی دیوار سے ٹیک لگائے کھڑی تھی اور کسی کا دھیان اس کی طرف نہیں تھا۔

"زندہ قومیں اپنے محسنوں کے ساتھ ایسا نہیں کرتیں سر، جیسا ہم نے کیا۔" طیب کی آواز بھرا گئی تھی۔

"میرے ابو کہتے ہیں اگر قائد زندہ رہتے تو شاید ہم ان کے ساتھ بھی ایسا ہی کرتے۔"

"ٹھیک کہتے ہو بیٹا آپ۔ اس روز ڈاکٹر عبدالقدیر خان کو سنتے ہوئے مجھے ایسا لگا تھا جیسے میرا دل پھٹ جائے گا۔ ابھی تو وہ زخم بھی نہیں بھرا تھا جو پانچ اپریل 2003 میں امریکی فوجوں کو فاتح کی طرح بغداد میں داخل ہوتے دیکھ کر لگا تھا۔"

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوب صورت ناول

فصل غم کا گوشوارہ

رضیہ جمیل

منگوانے کا پتہ:

مکتبہ عمران ڈائجسٹ: 37 - اردو بازار، کراچی۔ فون نمبر: 32735021

جہاں زیب بیگ کے لہجے سے دکھ جھلکتا تھا۔
"سر! کیا صدام حسین کے پاس واقعی کیمیائی ہتھیار تھے۔" ضیاء نے یکدم پوچھا۔
"نہیں۔" جہاں زیب بیگ نے پورے یقین سے کہا۔
"عراق کے تیل کے ذخائر اور سونے پر قبضہ کرنے کے لیے کیمیائی ہتھیاروں کا جھوٹا الزام لگایا گیا تھا۔ دراصل امریکہ نے دنیا پر اپنا تسلط قائم کرنے اور مختلف ممالک کو باہم تباہ کن جنگوں میں دھکیلنے کا سلسلہ دوسری جنگ عظیم کے بعد ہی شروع کر دیا تھا۔ اور عراق جنگ کے بعد تو پورا خطہ ہی غیر مستحکم ہو گیا ہے، شام، لیبیا اور لبنان کے عوام امن کو ترس رہے ہیں۔ انسانیت کا یہ قتل عام نہ جانے کب تک جاری رہے گا۔"
"سر! کیا یہ ضروری تھا کہ نائن الیون کے بعد ہم امریکہ کے اتحادی بن جائیں آخر کیوں ہم امریکہ کی جنگ لڑ رہے ہیں ہمیں اس سے کیا فائدہ ہے۔" ضیاء جب بھی آتا اس کے پاس بے شمار سوال ہوتے تھے اور اگر بھی جہاں زیب بیگ مل جائے تو وہ اپنے سوال ان کے سامنے رکھتا تھا اور جہاں زیب بیگ بھی کوشش کرتے تھے کہ اس کے تشنہ سوالوں کے جواب دے کر اسے مطمئن کر سکیں۔
"ہم آج سے نہیں 1958ء سے امریکی ایجنڈے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ امریکہ کو افغانستان کو سزا دینے کے لیے جغرافیائی حدود کی وجہ سے پاکستان کی ضرورت تھی۔ ہماری قیادت نے امریکہ کے کہنے پر لیس سر کہہ دیا یہ سوچے بغیر کہ پاکستان پر اس کا جو اثر ہو گا وہ ختم ہوتے ہوتے نسلیں گزر جائیں گی۔ جانے کب تک ہم اس نام نہاد اتحاد اور دوستی کو بھگتیں گے۔"
"لیکن سر......" طیب کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ صحن کا دروازہ کھلا اور مرسل کے ساتھ ثوبیہ اندر داخل ہوئی۔ مرسل صحن کی طرف چلا گیا اور ثوبیہ اس کے پاس برآمدے میں آ گئی کہ اس نے زل کو برآمدے میں کھڑے دیکھ لیا تھا۔
"کیسی ہو زل...... جاب کیسی جا رہی ہے۔"
"اللہ کا شکر ہے سب ٹھیک ہے تم سناؤ کیا مصروفیت ہے تمہاری آج کل۔" زل نے اس کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو گرم جوشی سے تھاما تھا۔
"شادی کی تیاری" وہ ہولے سے ہنسی اس کی منگنی اپنے خالہ زاد بھائی سے دو ماہ پہلے ہی ہوئی تھی۔
"تم سناؤ۔ زین کے ابا کب تک آ رہے ہیں پاکستان سحرش نے بتایا تھا ان کے آنے پر تمہاری بھی رخصتی ہو جائے گی۔"
"ابھی کسی وجہ سے وہ نہیں آ سکتے تو فی الحال راوی چین ہی چین لکھتا ہے۔" زل شاہ زیب بیگ کو اپنا بھرم رکھنا آتا تھا۔
"چلو جب اللہ کو منظور ہوا۔" ثوبیہ تخت پر بیٹھ گئی تھی۔ اور اسے بھی بیٹھنے کا اشارہ کیا۔
"نہیں تم بیٹھو میں ذرا کچن کا چکر لگا آؤں۔ دیکھوں بی بی اماں کیا کر رہی ہیں کچن کی لائٹ جل رہی ہے۔" زل کا وہاں بیٹھنے کا موڈ نہیں تھا حالانکہ جہاں زیب بیگ اور طیب وغیرہ کی گفتگو سننے والی تھی۔ "ارے ہاں یاد آیا میری دوست تو ریزائن دے رہی ہے۔ اس کی امی کی طبیعت ابھی بھی ٹھیک نہیں ہے وہ کہتی ہے کہ جاب تو پھر بھی ہو جائے گی ماں کی خدمت کا موقع پھر نہیں ملے گا۔ تم چاہو تو اپنی جاب جاری رکھ سکتی ہو۔ نیا سیشن شروع ہونے سے پہلے پرنسپل سے بات کر لینا۔"
ثوبیہ کو اچانک یاد آیا تھا زل جو جاتے جاتے رک گئی تھی سر ہلاتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ بی بی اماں فروٹ ٹوکری میں رکھ رہی تھی۔ گردن موڑ کر اسے دیکھا۔
"بچے کب سے آئے ہوئے ہیں۔ زین نے چائے کا منع کر دیا تھا تو میں نے سوچا یہ فروٹ ہی لے جاؤ اور یہ چنے ابالے تھے صبح ناشتے پر بنانے کے لیے تو چاٹ بنا دی ہے اس کی۔ سوکھے منہ بیٹھے ہوئے ہیں۔"

"جی" زل نے دیکھا کاؤنٹر پر چنا چاٹ کا باؤل رکھا تھا۔

"تم بھی کچھ کھا پی لو صبح سے جو ذرا سا ناشتہ کر کے نکلی ہو وہی بہت ہو گیا۔" خفگی سے کہتی ہوئی بی بی اماں ٹرے میں پلیٹیں اور باؤل وغیرہ رکھنے لگیں۔

"اب رات کو کھانا ہی کھاؤں گی بی بی اماں اگر ابھی کچھ کھا لیا تو پھر کھانے کو دل نہیں چاہے گا۔" زل وہاں ہی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ثوبیہ کی آواز آ رہی تھی کیا سمیرا ابھی آئی ہوئی ہے۔ پتا نہیں اس لڑکی کو کیا ہو گیا ہے۔ دوبارہ آئی جب تم اسکول گئی ہوئی تھیں۔ بولائی اور بوکھلائی ہوئی سی ہوا کے گھوڑے پر سوار، اے زل تم اس سے پوچھنا تو سہی کیا پریشانی ہے اسے۔ بے چاری بچی، باپ دوسری شادی کر کے بھلا ہی بیٹھا ہے۔"

بی بی اماں کے لہجے میں تاسف تھا انہیں سمیرا سے ہمدردی تھی۔ اور انس تو خیر سب سے ہی ہو گیا تھا۔

"سمیرا کب آئی تھی آپ نے بتایا ہی نہیں۔" زل کو حیرت ہوئی۔

"ارے وہ کچھ دیر رکتی تو یاد رہتا۔ ذہن سے ہی نکل گیا۔ وجدان کا پوچھنے آئی تھی کہ وہ ادھر تو نہیں ہے۔ تین چار دن پہلے آئی تھی ایک بار۔ اور ایک بار ہفتہ بھر پہلے صحن کے دروازے سے ہی پوچھ کر چلی گئی۔" بی بی اماں ٹرے اٹھا کر باہر چلی گئیں تو زل سمیرا کے متعلق سوچنے لگی، یہ سمیرا وجدان کو ادھر کیوں ڈھونڈنے آئی تھی۔ اور پھر وجدان کے ہر پروگرام کا تو اسے علم ہوتا ہے۔ شاید وجدان نے اسے ادھر آنے کا بتایا ہو اور پھر نہیں آ سکا ہو۔" اسے اپنا یہ خیال صحیح لگا تھا۔ شاید اسے زین سے کوئی کام ہو کہ اس نے ایک روز فون کر کے زین کا پوچھا تھا کہ وہ گھر پر ہے یا نہیں چونکہ زین گھر پر نہیں تھا، اس لیے بی بی اماں نے بتا دیا تھا۔

☆☆☆

وہ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی بے معنی باتیں سوچتی رہی۔ پھر اٹھ کر کچن میں چاروں طرف نظر دوڑائی۔ کاؤنٹر پر رکھے دو تین مسالوں کے ڈبے اٹھا کر ان کی مخصوص جگہ پر رکھا۔ کچن صاف ستھرا تھا۔ کوئی بھی کرنے کا کام نہ تھا۔ اس نے فریج کھولا۔ اور چیک کیا۔ سالن پکا ہوا تھا آٹے کا باؤل چیک کیا۔ آٹا تھوڑا سا تھا۔ یوں تو ساجدہ آٹا گوندھتی تھی لیکن اس نے اپنے لیے ایک کام ڈھونڈ لیا تھا۔ آٹا گوندھ کر رکھا۔ پرات دھوئی۔ بی بی اماں شاید باہر سے ہی اپنے کمرے میں چلی گئی تھیں، اگر کچن میں واپس آتیں تو ان سے ہی باتوں میں کچھ وقت گزر جاتا عشاء کی اذان تو کب کی ہو چکی تھی یقیناً وہ نماز پڑھنے اپنے کمرے میں چلی گئی ہوں گی۔

وہ پھر واپس کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ ابا، زین، پھپھو شایان، شائزہ سوچنے کے لیے اتنا بہت کچھ تھا لیکن اس کا ذہن کہیں کسی ایک نقطے پر مرکوز ہی نہیں ہو رہا تھا۔ تب وہ اٹھ کر باہر آ گئی۔ پہلی نگاہ برآمدے کی طرف اٹھی تھی سحرش تخت پر آلتی پالتی مارے بیٹھی تھی اس کے ہاتھ میں چاٹ کا باؤل تھا، جب کہ ثوبیہ تخت پر ٹانگیں لٹکائے بیٹھی صحن کی طرف دیکھ رہی تھی جہاں زیب بیگ اپنے کمرے میں جا چکے تھے۔ مرسل کے علاوہ اب اسد اور عمر بھی تھے۔ یہ لوگ کب آئے تھے موضوع گفتگو اب ملکی حالات اور سیاست تھی۔ طیب ہمیشہ کی طرح پر جوش آواز میں بات کر رہا تھا۔

"بڑے بڑے محل نما گھروں میں رہنے والوں اور لگژری کاروں میں گھومنے والوں کو عوام کے مسائل کا کیا پتا...... اقتدار میں آنے والے تو یہ ہی کہتے ہیں کہ یہ سب دوسری حکومتوں کا کیا دھرا ہے ہم اب سب ٹھیک کر دیں گے لیکن کوئی کچھ ٹھیک نہیں کرتا۔ سب ویسے ہی رہتا ہے۔ وہی بے روزگاری وہی ناانصافی۔ وہی ظلم۔ وہی جبر۔ کیا اس ملک کی تقدیر کبھی نہیں بدلے گی مرسل......"

زل نے چند لمحے ٹھہر کر اس کی بات سنی اور پھر جہاں زیب بیگ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی کہ

بہت دنوں سے، اسے ان کے پاس فراغت سے بیٹھنے کا موقع نہیں ملا تھا۔

جہاں زیب بیگ فون پر کسی سے بات کر رہے تھے ہاتھ کے اشارے سے انہوں نے، اسے اندر آنے کو کہا تو وہ خاموشی سے آ کر بیٹھ گئی تو جہاں زیب نے جو دوسری طرف کی بات سن رہے تھے نفی میں سر ہلانے لگے۔

''نہیں ..... نہیں صبوحی تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔ جس کسی نے بھی تمہیں بتایا ہے غلط بتایا ہے۔ میں نے اس روز بھی تمہیں بتایا تھا کہ زین کا نہ سیاست سے اور نہ ہی کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق ہے۔ اس کے دوست وغیرہ آتے رہتے ہیں لیکن کوئی بھی کسی سیاسی جماعت سے منسلک نہیں ہے۔'' دوسری طرف جانے صبوحی کیا کہہ رہی تھیں کہ زنل نے جہاں زیب بیگ کی آنکھوں میں ابھرتی حیرت کو صاف محسوس کیا۔

''نہیں میری نظر سے ایسی کوئی خبر نہیں گزری کون سے اخبار میں خبر لگی ہے کہ زین کسی سیاسی جماعت میں شامل ہو گیا ہے جس کسی نے بھی یہ خبر لگائی ہے جھوٹ کہا ہے۔ تم ہزار بار آؤ بیٹی، زین تمہارا بیٹا ہے۔ اس سے ملنے کا حق ہے تمہیں۔ یہ تو تم خود ہی کبھی اس سے ملنے نہیں آئیں۔ حالانکہ تمہیں آتے رہنا چاہیے۔ زین کو چھوڑنے کا فیصلہ بھی تمہارا اپنا تھا ظفر نے ایسا نہیں کہا تھا۔ بلکہ ہم میں سے کوئی بھی یہ نہیں چاہتا تھا کہ تم زین سے بالکل رابطہ ختم کر لو۔ تم نے اور ظفریاب نے دونوں نے زین کے ساتھ زیادتی کی ہے۔''

زنل نے جہاں زیب بیگ کی طرف دیکھا جواب صبوحی کی بات سن رہے تھے لیکن جن کی آنکھوں سے کرب جھلک رہا تھا۔

''میں نہیں سمجھتا کہ اب زین تمہارے ساتھ جائے گا۔ وہ اب بچہ نہیں ہے صبوحی، کہ میں اسے زبردستی تمہارے پاس جانے کے لیے کہوں۔ وہ اپنی زندگی کے فیصلے خود کرنے کی عمر میں ہے۔ ظفریاب نے ہمیشہ اپنے ساتھ لے جانا چاہا لیکن اس نے ہمیشہ انکار کیا۔ تم خود بات کر کے دیکھ لو میں بلواتا ہوں زین کو..... اگر وہ تمہارے ساتھ جانا چاہتا ہے۔''

بات ادھوری چھوڑ کر انہوں نے زنل کی طرف دیکھا۔

''بیٹا! ذرا زین کو بلا لاؤ کہنا دادا جان بلا رہے ہیں۔''

زنل اٹھ کر باہر آئی۔ ذرا سی دیر جہاں زیب بیگ کے کمرے کے باہر رک کر اس نے صحن میں نظر ڈالی۔ وہ سب اب گول دائرے میں کرسیاں رکھے بیٹھے تھے۔ ثوبیہ، سحرش اور مہرین بھی صحن میں ہی تھیں وہ سب، آواز سے آواز ملائے مدھم آواز میں گا رہے تھے ان کی آواز بس برآمدے تک آ رہی تھی۔

حبیب جالب کی نظم تھی۔ چند لمحے وہاں ہی رک کر انہیں سنا۔

جس دیس کے عہدے داروں سے ایک لائن میں نہ سنبھالے جاتے ہوں۔
اس دیس کے ہر اک حاکم کو سولی پہ چڑھانا واجب ہے۔
جس دیس کے کوٹ کچہری میں انصاف ٹکوں پر بکتا ہو۔
جس دیس کے عادل بہرے ہوں، آہٹیں نہ سنیں معصوموں کی۔

یہ یقیناً طیب کی ہی چوائس ہوگی۔ وہ آج کل یوں ہی اینگری ینگ مین بنا رہتا تھا خاص طور پر جب سے اس کے بھائی نے ایک سیاسی پارٹی جوائن کی تھی۔

اس دیس کے ہر اک لیڈر پر سوال اٹھانا واجب ہے۔

آواز اچانک ہی کچھ بلند ہوئی تو وہ چونکی۔

''زین''

سب یک دم خاموش ہو گئے تھے اور زین نے مڑ کر پیچھے دیکھا۔

''جی آپ کو دادا جان بلا رہے ہیں۔ دو منٹ کے لیے ان کی بات سن لیں۔''

اب یہ آپ جناب کا تکلف اختیاری تھا یا غیر اختیاری اس نے غور نہیں کیا تھا اور زین کو اٹھتے دیکھ کر

کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

"شان" ثمرہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی شاید اس کے کمرے سے نکلنے کی منتظر تھیں۔

"جی امی" شایان جو اپنے کمرے سے تیار ہو کر کہیں جانے کے لیے نکلا تھا رک کر انہیں دیکھنے لگا۔

"کہاں جا رہے ہو۔"

"ایک دوست کی طرف جا رہا ہوں۔ شام تک آ جاؤں گا۔" شایان نے بتا کر لاؤنج کے دروازے کی طرف قدم اٹھایا۔

"کبھی دو گھڑی ماں کے پاس بھی آ کر بیٹھ جایا کرو۔ لیکن بھلا اب کیوں تم میرے پاس آ کر بیٹھو گے۔ میرے پاس بیٹھنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تمہیں...... ماں نہیں سمجھتے مجھے۔ ٹھیک ہے میں نے تمہیں جنم نہیں دیا لیکن پالا تو میں نے ہی ہے نا۔ کیا صرف جنم دینے والی ہی ماں ہوتی ہے۔ پالنے والی ماں نہیں ہوتی کوئی حق نہیں ہوتا اس کا۔" ثمرہ شاکی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھیں۔

"ایسا نہیں ہے امی۔ آپ یوں ہی فضول باتیں سوچ سوچ کر خود کو پریشان نہ کیا کریں۔ ان دنوں کچھ مصروف رہا۔ بابا نے میرے ذمے کچھ کام لگائے تھے تو آپ کے پاس بیٹھنے کا زیادہ وقت نہیں ملا۔"

سنجیدگی سے کہتا ہوا شایان ثمرہ کے قریب آیا تھا۔

"جھوٹ مت بولو شایان۔ کیا میں نہیں جانتی اختر بانو نے میرے متعلق الٹی سیدھی باتیں اور جھوٹ بول کر تمہیں مجھ سے متنفر کر دیا ہے۔" وہ واپس کمرے میں چلی گئیں تو شایان بھی ان کے پیچھے ہی کمرے میں داخل ہوا...... وہ سمجھ رہا تھا کہ ثمرہ عدم تحفظ کا شکار ہو رہی ہیں لیکن اسے سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ انہیں کیسے یقین دلائے کہ بڑی امی ایسی نہیں ہیں۔ اور انہوں نے کبھی ثمرہ کے خلاف اس سے بات نہیں کی تھی۔ بلکہ وہ تو اس روز جذبات میں کہی جانے والی اپنی بات سے ہی مکر گئی تھیں۔ زل کے واپس جانے کے دو دن بعد اس نے اختر بانو سے کہا تھا۔

"بڑی امی میں آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں۔ پلیز سچ سچ بتائیے گا۔ اختر بانو اس وقت اپنے کمرے میں وارڈ روب کھولے کھڑی تھیں۔

"کہو" وہ وہاں سے ہٹ کر اپنے بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

"وہ اس روز ڈیرے پر......" وہ کچھ جھجکا تھا۔

"آپ نے کیا کہا تھا کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔ کیا۔"

"تم میرے بیٹے ہی ہو۔ میں نے ہمیشہ تمہیں اپنا ہی بیٹا سمجھا ہے کیا تم میرے بیٹے نہیں ہو۔" اختر بانو نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تھا۔

"وہ تو ٹھیک ہے بڑی امی لیکن آپ نے کہا تھا آپ نے مجھے جنم دیا میں آپ کا خون ہوں۔ میں اس روز سے الجھن میں ہوں بڑی امی، لیکن آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی اس لیے خود کو روکے رکھا۔"

"ہاں اس روز میرا دماغ خراب ہو رہا تھا۔ تم خود سوچو۔ زل کا اس طرح اغوا ہونا اور ڈیرے پر تمہیں دیکھ کر سچ کہتی ہوں میرے ہوش و حواس جاتے رہے تھے تو بس جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا کہ مجھے لگا تھا جیسے میرے اپنے بیٹے نے میری زل کو" وہ چند لمحوں کے لیے خاموش ہو گئی تھیں۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہمارا بیٹا...... ثوبان شاہ کا بیٹا ایسا کر سکتا ہے تو بس جو کچھ منہ میں آیا کہہ دیا۔ تمہیں دیکھ کر شاکڈ ہو گئی تھی نا...... تم ثمرہ آپا کے بیٹے ہو لیکن امان ریحان کے بھائی ہو تو مجھے اپنے بیٹے ہی لگتے ہو...... تم بھول جاؤ جو میں نے کہا تھا۔"

☆☆☆

اسے اختر بانو کی بات پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس نے بحث نہیں کی تھی۔ اختر بانو نے اس سے نظریں ملا کر بات نہیں کی تھی۔ اسے یقین تھا اس روز جذباتی کیفیت میں جو کچھ اختر بانو نے کہا تھا وہ سچ تھا۔ لیکن اب وہ اس سے انکار کر رہی تھیں تو کیوں، تب اس نے یہ ہی بات ثمرہ سے پوچھ لی تھی۔ ثمرہ کچھ دیر تو ہکا بکا سی اسے دیکھتی رہیں۔ پھر یک دم تیز آواز

pklibrary.com

میں بولی تھیں۔

"کس...... کس نے بتایا ہے تمہیں یہ...... اس مکار عورت نے......"

"امی، مسئلہ یہ نہیں کہ مجھے کس نے بتایا ہے۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا یہ سچ ہے کہ میری سگی ماں بڑی امی ہیں۔ اور آپ نے مجھے......"

"ہاں...... ہاں......" ثمرہ جیسے پھٹ پڑی تھیں۔

"میں جانتی تھی ایک روز وہ کم ظرف اختر بانو تمہیں مجھ سے چھین لے گی۔

میں نے تمہیں پالا...... راتوں کو جاگی۔ تمہارے لیے کیا کچھ نہیں کیا۔ لیکن...... کہا تھا تمہارے بابا سے کہ مجھے کسی یتیم خانے سے یا ایدھی ہاؤس سے بچہ لادیں لیکن انہوں نے...... تمہیں لاکر میری گود میں ڈال دیا۔ صرف آٹھ دن کے تھے تم...... صرف آٹھ دن کے ساری ساری رات روتے تھے۔ اور میں تمہیں گود میں لے کر بیٹھی رہتی تھی۔ میں نے تمہیں ماروی، سوہنی۔ تاجی کسی کے حوالے نہیں کیا۔ خود کیا تمہارا ہر کام۔ اور آج وہ تمہاری ماں بن گئی۔"

ثمرہ اب رو رہی تھیں۔

"اگر یتیم خانے سے بچہ لیتی تو وہ آج میرا ہوتا...... صرف میرا۔ وہ مجھ سے یہ سوال کبھی نہ کرتا۔"

"میں بھی آپ کا ہی ہوں...... بس ایک الجھن سی تھی جو دور کرلی۔ اور شاید زندگی کے کسی نہ کسی موڑ پر یتیم خانے سے لیا جانے والا بچہ بھی ضرور پوچھتا کہ وہ کون ہے کس کا بیٹا ہے، یہ فطری سی بات ہے" اس نے ثمرہ کا ہاتھ تھام کر اسے بوسہ دیا تھا۔ لیکن ثمرہ نے ہاتھ پیچھے کرلیا تھا۔

"مجھے پتا تھا۔ میں جانتی تھی یہ ڈائن۔ غاصب عورت ایک روز تمہیں مجھ سے دور کردے گی۔ کتنی دعا کی تھی میں نے کہ یہ وہاں آپریشن ٹیبل پر ہی رہ جائے مر کر حویلی نہ آئے لیکن بھلی چنگی ہو کر آ گئی تمہیں ورغلانے کے لیے...... اللہ کرے مرجاؤ تم اختر بانو......"

شایان کے دل کو کچھ ہوا تھا لیکن ثمرہ ہسٹریک ہو رہی تھیں بلند آواز میں رو رہی تھیں۔ اختر بانو کو برا بھلا کہہ رہی تھیں تب شایان نے ان کے گرد بازو حمائل کر کے انہیں اپنے ساتھ لگایا تھا۔ "میں نے آنکھ آپ کی گود میں کھولی۔ آپ کو ہی اپنی ماں سمجھتا ہوں۔ میں جتنی آپ سے محبت کرتا ہوں اتنی بڑی امی سے نہیں کرتا۔" وہ انہیں بہلا رہا تھا سمجھا رہا تھا لیکن ان کا رونا اور تڑپنا کم نہیں ہو رہا تھا۔ تب ان کی بلند آواز سن کر ثوبان شاہ جو اسی وقت باہر سے آئے تھے ان کے کمرے میں چلے آئے تھے۔

"کیا ہوا شان بیٹا...... اور ثمرہ تم اس طرح کیوں رو رہی ہو۔"

"میں اس لیے رو رہی ہوں کہ اختر بانو نے اسے بتا دیا ہے کہ یہ میرا نہیں اس کا بیٹا ہے۔ مجھے پتا تھا۔ میں ہمیشہ سے جانتی تھی کہ ایک روز وہ جھوٹ سچ بول کر میرے شانی کو مجھ سے چھین لے گی اور ایسا ہی ہوا نا۔"

انہوں نے اپنے کندھے پر رکھے شایان کے بازو کو پیچھے ہٹایا تھا۔

"تم سے تمہارا بیٹا کوئی نہیں چھین رہا ثمرہ۔" ثوبان شاہ نے نرمی سے کہا۔

"سچ کبھی نہ کبھی ظاہر ہو جاتا ہے ثمرہ! اسے آپ ساری زندگی نہیں چھپا سکتے۔ اگر شایان یہ جان بھی گیا ہے تو اس میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ شایان تمہارا بیٹا تھا اور تمہارا ہی بیٹا رہے گا۔ تمہاری وجہ سے کسی نے آج تک یہ سچ ظاہر نہیں کیا تھا۔ اب اگر یہ حقیقت اتفاق سے ظاہر ہو گئی ہے تو خود کو رو رو کر ہلکان مت کرو۔ تمہاری خواہش تھی کہ یہ بات کسی کو معلوم نہ ہو تو کسی نے بھی یہ حقیقت ظاہر نہیں کی۔ اب اللہ نے اگر یہ سچ ظاہر کر دیا ہے تو قبول کرلو اسے اور یقین رکھو اختر بانو کا شایان پر کوئی دعویٰ نہیں ہے۔"

اختر بانو نے ثوبان شاہ کو بتا دیا تھا کہ جذبات

pklibrary.com

میں آ کر ان سے کیا غلطی ہو گئی ہے اور انہوں نے ثوبان شاہ سے معذرت بھی کر لی تھی تو زل کا اغوا ہی کوئی معمولی بات نہیں تھی، اس پر وہاں شایان کو آتا دیکھ کر وہ ہوش و حواس کھو بیٹھی تھیں کہ زل کو وہاں ڈیرے پر لانے والا کوئی اور نہیں ان کا اپنا بیٹا ہے۔

"میں اپنے آپ میں نہیں تھی اس لیے آپ سے کیے وعدے کا پاس نہیں کر سکی۔"

"نہیں یہ اختر بانو نے جان بوجھ کر کیا ہے۔ مجھے اذیت دینے کے لیے میں کیا نہیں سمجھتی تھی کہ جب جب وہ شایان کو میرے ساتھ لاڈ کرتے دیکھتی تھی تو سینے پر سانپ لوٹتے تھے اس کے۔ وہ مجھے ماں کا مان دیتا تھا تو برداشت نہیں ہوا اس سے بتا دیا اسے کہ اسے پیدا کرنے والی ماں وہ ہے...... ہاں وہ تو صرف پیدا کرنے والی ہے۔ پالا تو میں نے ہے نا۔"

ثمرہ کے منہ میں جو آ رہا تھا بولتی جا رہی تھیں۔

"بس کرو ثمرہ" ثوبان شاہ بیزار ہوئے تھے۔

"خوامخواہ اختر بانو کو برا بھلا مت کہو۔ میں نے اپنے پورے خاندان بلکہ پوری برادری میں اس جیسی اعلیٰ ظرف، حوصلے اور صبر والی عورت نہیں دیکھی خوامخواہ واویلا مت مچاؤ۔ ابھی بات گھر کے اندر ہے۔ تم یوں واویلا کرو گی تو ایک دنیا کو پتا چلے گا۔ الٹی سیدھی باتیں سوچ سوچ کر اپنا دماغ مت خراب کرو۔"

ثوبان شاہ غیر ارادی طور پر زور سے دروازہ بند کرتے ہوئے چلے گئے تو شایان جو ساکت بیٹھا سن رہا تھا چونکا۔

"مجھے بڑی امی نے تو کچھ نہیں بتایا......"

"تو کیا تمہیں الہام ہوا ہے۔"

ثمرہ غصے میں تھیں۔

"نہیں...... اس روز بڑی حویلی جا رہا تھا تو راستے میں دو عورتیں باتیں کرتی ہوئی جا رہی تھیں کہ ثمرہ بی بی تو بے اولاد تھیں...... انہوں نے کسی رشتہ دار کا بیٹا گود لیا تھا۔"

شایان نہیں چاہتا تھا کہ وہ ہر روز اختر بانو کو یہ بات لے کر برا بھلا کہتی رہیں۔ سو اس نے بات بنائی تھی۔

"کون تھیں وہ کمبخت عورتیں اور انہیں حویلی کی بات کس نے بتائی۔ ضرور اس ماسی تاج اور بھاگی نے ہی کسی سے بات کی ہو گی نمک حرام۔"

ثمرہ کا غصہ اب ان کی طرف منتقل ہو گیا تھا کہ وہ گھر کی پرانی ملازمائیں تھیں اور بھاگی تو شایان کے وقت اختر بانو کے ساتھ ہی اسپتال گئی تھی۔

"میں نہیں جانتا کہ وہ کون تھیں۔ وہ جو بھی تھیں اور انہوں نے جو بھی کیا مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے لیے صرف یہ اہم ہے کہ آپ کو میری وجہ سے کوئی دکھ یا تکلیف نہ پہنچے اور یہ کہ آپ اس بات کا یقین رکھیں کہ شایان شاہ صرف آپ کا بیٹا ہے۔ میں نے تو صرف آپ سے تصدیق کرنا چاہی تھی اگر آپ کہہ دیتیں کہ یہ غلط ہے تو میں سمجھتا کہ وہ عورتیں یوں ہی غلط بات کر رہی تھیں۔"

شایان سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

ثمرہ کچھ دیر بے یقینی سے اسے دیکھتی رہیں۔ پھر دل ہی دل میں پچھتانے لگیں کہ یہ کیسی غلطی ہو گئی فوراً ہی اقرار کر لیا کہہ دیتی کہ سب غلط ہے جھوٹ ہے بکواس کر رہی تھیں وہ عورتیں تو بھلا کیا ثبوت تھا کہ شایان...... دلاور بھائی صحیح ہی تو کہتے ہیں کہ میں بہت جلد باز ہوں۔

"اچھا لیکن تم اختر بانو کو نہ بتانا کہ تمہیں پتا چل گیا ہے کہ...... لیکن تم نہیں بتاؤ گے تو تمہارے بابا نے تو اب تک بتا ہی دیا ہو گا۔ وعدہ کرو شانی، ہمیشہ مجھے ہی اپنی ماں سمجھو گے۔ وہ تو اب ضرور اپنا حق جتائے گی تم پر۔" وہ پھر زار و قطار رونے لگی تھیں۔

"پلیز امی! اس طرح رو رو کر خود کو اور مجھے اذیت نہ پہنچائیں۔ میں نے کہا نا کہ مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کس نے جنم دیا۔ میرے لیے تو بس آپ ہی میری ماں ہیں۔"

pklibrary.com

اس نے ایک بار پھر ثمرہ کو یقین دلایا تھا لیکن کیا واقعی اسے کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔ وہ جو لا ابالی اور شوخ سا تھا یک دم سنجیدہ ہو گیا تھا۔ راتوں کو اسے ٹھیک سے نیند نہیں آتی تھی۔ دیر تک جاگتا رہتا۔ سوتے سوتے اٹھ کر بیٹھ جاتا تھا اور دل ہی دل میں اختر بانو سے شکوہ کرنے لگتا تھا کہ کیا میں اتنا ان چاہا تھا کہ پیدا ہوتے ہی مجھے ثمرہ امی کی گود میں ڈال دیا۔ بھلے کوئی اپنی اولاد کو یوں کسی اور کی گود میں ڈال دیتا ہے بھلا اس کے کتنے ہی بچے ہوں۔ جہاں آپ کو پال رہی تھیں وہاں آپ تیسرے کو نہیں پال سکتی تھیں۔

☆☆☆

وہ بہت ڈسٹرب ہو گیا تھا۔ ناشتہ کر کے گھر سے نکل جاتا لنچ پر تو ہوتا ہی نہیں تھا۔ ڈنر کی ٹیبل پر آتا تو دو چار لقمے لے کر اٹھ جاتا تھا۔ اختر بانو کو احساس تھا کہ وہ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔ اسی لیے انہوں نے ثوبان شاہ کو کہا تھا کہ وہ اسے سمجھائیں۔ ثوبان شاہ بھی محسوس کر رہے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس انکشاف پر ڈسٹرب ہو جانا نیچرل ہے۔ لیکن نعمان کی شادی سر پر کھڑی تھی ورنہ وہ اسے کچھ عرصہ کے لیے کراچی بھیج دیتے اب تو کراچی سے بھی سب آنے والے تھے۔ سو اس روز ناشتے کے بعد وہ اسے ساتھ ہی ڈیرے پر لے گئے تھے۔

”میں وہاں جا کر کیا کروں گا بابا“ وہ بےزار سا تھا۔

”کچھ لوگ آرہے ہیں باغات کے ٹھیکے کے لیے، تم دیکھنا کہ ان سے کیسے بات چیت اور ڈیل کی جاتی ہے۔“

”لیکن بابا! ابھی تو درختوں پر بور بھی نہیں پڑا۔ اتنا پہلے۔“

”کچھ لوگ پہلے سے ہی آنا شروع ہو جاتے ہیں۔ گو سودا تو ابھی طے نہیں ہو گا۔ تم زمان کے ساتھ چلے جایا کرو اور سمجھنے اور سیکھنے کی کوشش کرو۔“

شاید کچھ دن پہلے اگر ثوبان شاہ ایسا کہتے تو وہ بہت خوش ہوتا لیکن آج اس وقت اس کا جانے کا بالکل موڈ نہیں ہو رہا تھا لیکن وہ چلا گیا تھا۔ جن لوگوں نے آنا تھا وہ نہیں آئے تھے زمان شاہ نے بتایا تو وہ کچھ دیر نظام دین سے باتیں کر کے ثوبان شاہ سے اجازت لے کر واپس حویلی آ گیا تھا...... کچن سے سنہری کے گانے کی آواز آرہی تھی۔ اس نے ناشتے کی ٹیبل پر سنا تھا ثمینہ چچی آج رات پھر سے ڈھولکی رکھنے کے متعلق بھابی کو بتا رہی تھیں۔ وہ اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے غیر ارادی طور پر اختر بانو کے کمرے کی طرف بڑھا تھا۔ نیم وا دروازے سے ثمرہ کی تیز اور کرخت آواز آرہی تھی۔

”تم اب یہ مت سمجھنا اختر بانو، کہ شانی کو حقیقت پتا چل گئی ہے تو وہ مجھے نہیں تمہیں ماں سمجھے گا۔ یاد رکھنا وہ میرا بیٹا ہے اور ہمیشہ میرا ہی بیٹا رہے گا۔ وہ کبھی تمہارا نہیں ہو سکتا۔“

”وہ آپ کا ہی بیٹا ہے ثمرہ آپا اور ہمیشہ آپ کا ہی رہے گا۔“ اختر بانو کا لہجہ نرم تھا۔

وہ اختر بانو کے کمرے میں جانے کے بجائے اپنے کمرے میں جانے کے لیے مڑ گیا اور اپنے کمرے کی طرف جاتے جاتے اس نے سنا تھا۔ اختر بانو کہہ رہی تھی۔

”میں پہلے بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتی تھی جتنی اب کرتی ہوں۔ اس کی ذرا سی تکلیف اور پریشانی پر اتنی ہی تڑپوں گی جتنی آپ تڑپیں گی لیکن اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ میں اسے ورغلاتی ہوں آپ کے خلاف۔ اور اسے آپ کو چھوڑ دینے کو کہتی ہوں۔ ہم ایک ہی گھر میں رہتے ہیں...... آپ سے جدا کر کے اسے میں کہاں لے کر جاؤں گی اسے اسی گھر میں رہنا ہے میری ممتا کی تسکین کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ میں اسے دیکھ لیتی ہوں۔“

وہ اس انکشاف پر ذہنی طور پر کچھ ڈسٹرب ہو گیا ہے۔ ”کچھ دن لگیں گے اسے نارمل ہونے میں آپ پریشان نہ ہوں۔“

اس نے ثمرہ کا جواب نہیں سنا تھا اور اپنے کمرے میں آ کر لیٹ گیا تھا۔ وہ صرف ڈسٹرب نہیں

pklibrary.com

تھا اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہو رہا تھا۔ ٹھیک ہے اختر بانو نے اسے ثمرہ امی کو دے دیا تھا تو پھر چھپانے کی کیا ضرورت تھی وہ اپنے سگے بھائیوں کو سوتیلا سمجھ کر ان سے ہمیشہ دور رہا۔ کبھی قریب نہ ہو سکا۔ اختر بانو کو اس واقعے سے پہلے بھی اچھا نہیں سمجھا تھا۔ سوتیلی ماں تھی۔ اور وہ سمجھتا تھا کہ سوتیلی مائیں دشمن ہوتی ہیں ثمرہ نے یہ ہی اس کے ذہن میں بٹھایا تھا۔ بستر پر لیٹے لیٹے آنکھیں موندے کئی منظر اس کی آنکھوں کے سامنے سے گزرنے لگے تھے۔

ایک بار جب وہ سات آٹھ سال کا تھا اور لاؤنج میں کھڑا تھا، اختر بانو بے اختیار اس کی طرف بڑھی تھیں اور اسے پیار کرنے لگی تھیں تو ثمرہ اسے کھینچ کر اپنے کمرے میں لے گئی تھیں۔ کھانے کی ٹیبل پر کبھی کبھی اختر بانو کا اسے حسرت بھری نظروں سے دیکھنا اور پھر فوراً ہی نظریں جھکا لینا۔

آخر وہ ثمرہ سے یہ کیوں نہیں کہہ سکتی تھیں کہ یہ میرا بیٹا ہے مجھے حق ہے کہ میں اسے پیار کروں بے شک میں نے اسے تمہیں دے دیا ہے لیکن وہ تو جیسے اسے دیکھتے ہوئے بھی ڈرتی تھیں۔

اور پھر ایک منظر آنکھوں کے سامنے آ کر جیسے ٹھہر سا گیا۔ جب اس نے ریوالور اپنی کنپٹی پر رکھا تھا وہ کیسے تڑپ کر اس کی طرف بڑھی تھیں...... وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا تھا۔ پتا نہیں ظالم کون تھا۔ اختر بانو جنہوں نے اسے اپنی ماں سے محروم کر دیا تھا یا ثمرہ جنہوں نے ہمیشہ اس کے دل میں اختر بانو کے لیے نفرت پیدا کرنے کی کوشش کی۔ بابا نے اسے کچھ نہیں بتایا تھا کہ آخر اس بات کو چھپانے کی کیا ضرورت تھی۔ بس ٹال دیا تھا اور یقیناً اختر بانو اسے کچھ نہیں بتائیں گی۔ کوئی تو وجہ ہوگی۔ وہ الجھا ہوا سا کچھ دیر یوں ہی بیٹھا رہا۔ لیکن ایک ہستی ایسی تھی جو اس کی الجھن دور کر سکتی تھی۔ اور وہ تھیں بڑی ممانی۔ ان کی اور ثمرہ کی کچھ زیادہ نہیں بنتی تھی۔ گو وہ ظاہر نہیں کرتی تھیں لیکن وہ اتنا عرصہ حیدرآباد ان کے گھر میں رہا تھا تو اندازہ تھا اسے کہ بڑی ممانی ثمرہ کو کچھ زیادہ پسند نہیں کرتیں وہ سائیڈ ٹیبل سے گاڑی کی چابی اٹھاتا ہوا باہر آیا۔

"کہاں جا رہے ہو۔" ثمرہ اپنے کمرے سے نکل کر شاید کچن کی طرف جا رہی تھیں۔

"ذرا رضی بھائی کی طرف جا رہا ہوں بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی۔ اس روز فون پر ناراض ہو رہے تھے کہ ہم یہاں آئے ہوئے ہیں اور تمہیں فرصت ہی نہیں ملتی کہ کبھی چکر لگا جاؤ۔"

"ہاں تو جانا چاہیے تھا نا تمہیں کتنی محبت کرتے ہیں سب تم سے۔" ثمرہ یک دم خوش ہوگئی تھیں۔ شایان نے ایک نظر ان کے چمکتے ہوئے چہرے کو دیکھا اور مسکرایا۔

"اللہ حافظ امی۔"

"اللہ حافظ میری جان۔"

ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں آیا کہ وہ اختر بانو کو بھی سلام کرتے ہوئے جائے جانے ثمرہ نے کیا کچھ کہا ہوا ان سے اور وہ کتنی اداس اور پریشان ہوں گی ثمرہ کی باتوں سے لیکن پھر ایک نظر، ثمرہ پر ڈالتے ہوئے وہ باہر نکل گیا اور یہ محض اتفاق ہی تھا کہ بڑی ممانی لیونگ میں اکیلی بیٹھی مل گئی تھیں۔

دلاور ماموں کے ہاں سب ہی اس سے محبت کرتے تھے۔ ممانی اسے دیکھ کر خوش ہوئی تھیں۔

"آؤ شانی! کتنے دنوں بعد چکر لگایا ہے۔ یہاں سب ہی تمہیں یاد کر رہے تھے۔ رضی اور ہادی آج تمہارے ماموں کے کسی کام سے حیدرآباد گئے ہیں، کہہ رہے تھے کہ واپس آ کر تمہیں بڑی حویلی لے آتے ہیں اتنی بوریت ہو رہی ہے۔ پھر تو شادی کے فنکشن شروع ہو جائیں گے تو کہاں ہاتھ لگو گے ویسے کراچی سے نعمان اور ریحان کب آ رہے ہیں۔"

"شاید اگلے ہفتے تک آ جائیں گے سب، بس مہران چچا مہندی کے فنکشن سے دو دن پہلے آئیں گے۔"

"مہران بھائی اب اتنے زیادہ دن تو نہیں رہ سکتے وہاں کام کاج ہوتا ہوگا۔ ہفتہ ڈیڑھ ہفتہ تو اب

بھی لگ ہی جائے گا ویسے سارا کام تو منیجر، سیلز منیجر وغیرہ ہی دیکھتے ہوں گے۔"

بڑی ممانی کو زیادہ بولنے کی عادت تھی بس کوئی سامع مل جائے۔

"اور اتنے سالوں بعد عرفان آیا تھا۔ شادی میں شرکت کے لیے لیکن واپس جانا پڑا۔ یہ گورے ایسے ہی ہوتے ہیں۔ چھٹیاں نہیں دیتے اتنی زیادہ ٹکے ٹکے کا حساب کرتے ہیں۔"

"جی۔" عرفان کے ذکر پر اس کے اندر ایک ناگواری کی لہر سی اٹھی تھی۔

"مامی جی، آپ کو پتا ہے کہ میں بڑی امی کا بیٹا ہوں۔ امی نے مجھے گود لیا تھا۔"

"ہاں ہاں بھلا ہمیں کیسے پتا نہ ہوگا۔ لیکن تمہیں کس نے بتایا کیا ثمرہ نے یا اختر بانو نے۔" روانی سے بات کرتے ہوئے وہ چونکی تھیں۔

"بس کہیں سے پتا چل ہی گیا لیکن آپ لوگوں نے کبھی ذکر تک نہ کیا۔" اس نے جیسے گلہ کیا تھا۔

"ارے کیسے بتاتے، ثمرہ نے سختی سے منع کرر کھا تھا کہ اگر ہم میں سے کسی نے بھی تم سے کوئی ایسی بات کی تو زندگی بھر کے لیے ہم سے تعلق توڑ لے گی۔ دراصل ثمرہ تو بچپن سے عجیب مزاج کی تھی نند ہی نہیں چچازاد بھی ہے رگ رگ سے واقف ہوں اس کی۔" بڑی ممانی کو تو موقع مل گیا تھا ثمرہ کے خلاف بولنے کا۔

"ثوبان بھائی اچھے بھلے اختر بانو کے ساتھ خوش گوار زندگی گزار رہے تھے کہ اس نے رو پیٹ کر اور مرنے کی دھمکیاں دے کر چچا جان کو راضی کیا اور دادا جان تو پہلے ہی ثوبان اور اختر بانو کی شادی سے خوش نہ تھے۔ اور ثمرہ نے تو ایسا سحر پھونکا ثوبان پر کہ انہیں نہ صرف اختر بانو سے دور کر دیا بلکہ ثوبان بھائی کو راضی کر لیا کہ یوں بھی اختر بانو کے دو بیٹے ہیں، اس لیے آنے والا بچہ اسے دے دیں کہ ڈاکٹروں نے بتایا تھا کہ ثمرہ ماں نہیں بن سکتی اور ثوبان بھائی ایدھی یا کسی بھی یتیم خانے سے، بچہ لینے کے لیے نہیں مان رہے تھے۔

اختر بانو تمہیں نہیں دینا چاہتی تھی۔ ہائے کیسا کیسا تڑپی تھی وہ، میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اسے تمہاری دادی کی منتیں کرتے کہ وہ تمہیں اسے دودھ پلانے کی اجازت دے دیں۔ دن میں کچھ دیر کے لیے تمہیں اپنے پاس رکھنے دیں لیکن ثمرہ نے ثوبان بھائی سے وعدہ لیا تھا کہ تمہیں، یہ بات کبھی نہ بتائی جائے اور اختر بانو سے بھی ثوبان بھائی نے پتا نہیں کیا کہہ کر کچھ نہ بتانے کا وعدہ لے لیا تھا۔ شاید اس نے تو اپنے میکے میں بھی تمہاری پیدائش کے متعلق کچھ نہیں بتایا تھا ایک بار ثمرہ نے بتایا تھا مجھے۔"

شایان نے بہت دھیان اور خاموشی سے ان کی بات سنی تھی۔ بات کرتے کرتے بڑی ممانی کو یک دم خیال آیا کہ وہ کچھ زیادہ ہی بول گئی ہیں تو انہوں نے شایان کی طرف دیکھا۔ اور وہ انہیں اداس اور غم زدہ سا لگا تھا۔

"لیکن ہم نے تمہیں کبھی غیر نہیں سمجھا۔ ہمارے لیے تم ثمرہ کے بیٹے تھے اور ہمیں بہت پیارے ہو۔ بہت محبت کرتے ہیں ہم سب تم سے۔"

"جی جانتا ہوں۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"رضی بھائی سے ملنے آیا تھا وہ آئیں تو انہیں بتا دیجیے گا۔"

☆☆☆

وہ بڑا دل گرفتہ سا بڑی حویلی سے نکلا تھا اور پھر بہت دیر تک یوں ہی ادھر ادھر گاڑی بھگاتا پھرا۔ بیدار شاہ کے علاقے تک کا چکر لگا کر ڈیرے پر آیا تو پتا چلا کہ ثوبان شاہ تو دوپہر میں ہی کراچی چلے گئے تھے۔ وہ جب گھر واپس آیا تو شام ڈھل چکی تھی سیدھا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اسے اختر بانو کی بے بسی اور مجبوری پر دکھ ہو رہا تھا۔ ظالم اختر بانو نہیں ثمرہ تھیں، ثوبان شاہ نے صحیح کہا تھا کہ اختر بانو اعلیٰ ظرف اور صابر عورت ہے۔ وہ بازو آنکھوں پر رکھے لیٹا رہا۔ یہاں تک سنہری اسے رات کے کھانے کے لیے بلانے آئی تو اس نے

pklibrary.com

منع کردیا تب ثمرہ خود چلی آئی تھیں۔
"بھوک نہیں ہے امی۔ بڑی مامی نے چائے کے ساتھ کافی کچھ کھلا دیا تھا۔" اس نے بہانہ بنایا تھا۔
"تم نے بتایا نہیں کہ سب لوگ کیسے تھے ادھر۔"
"دلاور ماموں ڈیرے پر تھے کچھ آس پاس کے لوگ ملاقات کے لیے آئے ہوئے تھے رضی بھائی اور ہادی حیدر آباد گئے ہوئے تھے۔ چھوٹی مامی بھی ماموں اور بچوں کے ساتھ دو دن پہلے شاپنگ کے لیے کراچی چلی گئی تھیں۔"
ثمرہ خوش ہوئی تھیں کہ اس نے ثمرہ کے حوالے سے ہی سب رشتوں کے نام لیے تھے۔
"بھاگی سے کہتی ہوں دودھ دے جائے گی سونے سے پہلے پی لینا۔"
"آپ کو پتا ہے نا مجھے دودھ پسند نہیں۔ کل ٹھیک سے نیند نہیں آئی تھی اب سو جاؤں گا۔ آنکھیں بند ہو رہی ہیں۔" وہ سچ میں سونا چاہتا تھا۔ سر بھاری ہو رہا تھا۔
ثمرہ نے اس کی پیشانی پر بکھرے سلکی بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کیا اور پیشانی کو چوم کر باہر چلی گئیں تو وہ آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا تھا۔
اور پھر وہ سو بھی گیا تھا لیکن کچھ دیر بعد ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ شاید کوئی خواب دیکھا تھا یا سردی لگ رہی تھی حالانکہ ثمرہ نے جاتے ہوئے اس پر کمبل ڈال دیا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ابھی زیادہ دیر تو نہیں ہوئی تھی بھاگی، ماسی تاج وغیرہ میں سے کوئی نہ کوئی ابھی کچن میں ہی ہوگا۔ ایک کپ چائے پی لوں۔ شاید اسی لیے سر بھاری ہو رہا ہے کہ چائے نہیں پی۔
وہ اٹھ کر لاؤنج میں آیا تو سنہری اختر بانو کے کمرے سے باہر آرہی تھی۔ جب سے اختر بانو بیمار ہوئی تھیں ثوبان شاہ کی غیر موجودگی میں سنہری ان کے کمرے میں ہی سوتی تھی کہ کہیں رات کو طبیعت خراب نہ ہو۔
"بڑی امی سو رہی ہیں کیا۔"
"نہیں کوئی کتاب پڑھ رہی ہیں۔ میں اپنا بستر لینے جا رہی ہوں۔"
"میرے سر میں درد ہے۔ میرے لیے چائے بنا دو۔ میں بڑی امی کے کمرے میں ہوں۔" سنہری سر ہلا کر چلی گئی تو وہ دستک دے کر اختر بانو کے کمرے میں چلا آیا۔ اختر بانو حیران ہوئی تھی۔
"آؤ...... آجاؤ بیٹا، طبیعت ٹھیک ہے نا۔"
"جی۔" وہ بیٹھ گیا تھا۔
"آپ کو ادب سے بہت لگاؤ ہے۔"
"ہاں بچپن سے ہی ابا جان، اماں جان سب کے ہاتھوں میں فارغ وقت میں کتاب ہی دیکھی۔ ابا جان کے پاس بہترین کتابوں کا ذخیرہ ہے۔ تم نے ان کی اسٹڈی دیکھی۔"
اختر بانو نے ہاتھ میں پکڑی کتاب تکیے کے پاس کر کے رکھ دی تھی۔
"نہیں۔ اتنی قربت کہاں تھی کہ ان کی اسٹڈی میں چلا جاتا۔ شادی کے دنوں میں زین بھائی کے روم میں ہی رہا۔ اور بعد میں بھی۔" نہ چاہتے ہوئے بھی لہجے میں شکوہ در آیا تھا۔
"ابا جان اور اماں جان کو علم تھا۔ باقی کسی کو نہیں۔" اختر بانو بھی افسردہ ہوئی تھیں۔
"مانی بھی ادب کا دیوانہ ہے۔ میں جب لاہور تھا تو حیران ہوتا تھا۔ ہر وقت مانی کے ہاتھ میں کوئی نہ کوئی کتاب ہوتی تھی۔" اس نے اختر بانو کی افسردگی محسوس کر لی تھی اور دل ہی دل میں نادم ہوا کہ کیوں ایسی بات کی، سو اس بات کا جواب دینے اور اس کے متعلق کچھ پوچھنے کے بجائے امان کے ادبی ذوق کے متعلق بتانے لگا تھا۔
"ہاں تم تینوں بھائی اپنے بابا جان جیسے ہو جب کہ امان کچھ کچھ مجھ جیسا ہے۔"
"کچھ کچھ نہیں۔ بہت زیادہ آپ کی طرح ہی حساس، اعلیٰ ظرف اور اور ...... بہت اچھا۔" وہ ہولے سے ہنسا تھا۔
"تم سب بھائی ہی بہت اچھے ہو۔ اللہ تم سب

کو نظر بد سے بچائے۔" اختر بانو کے لبوں پر مدھم سی مسکراہٹ نمودار ہو کر معدوم ہو گئی، شایان کتنی ہی دیر بے دھیان سا اختر بانو کو دیکھتا رہا۔ وہ بالکل غیر ارادی طور پر یہاں چلا آیا تھا اور اب اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اختر بانو سے کیا بات کرے۔

"پریشان ہو بیٹا۔" اختر بانو کی نظریں اس کے چہرے پر تھیں۔

"کیا پریشان نہیں ہونا چاہیے بڑی امی۔" اس کی سوالیہ نظریں اختر بانو کی طرف اٹھی تھیں۔

وہ جانتی تھیں کہ وہ ڈسٹرب ہے اور یہ آسان نہ تھا اس سچ کو تسلیم کر لینا۔ سچ جو یہ تھا کہ وہ عورت اس کی سگی ماں نہیں تھی جسے وہ اب تک ماں سمجھتا آرہا تھا۔

"سوری بیٹا! میں اس روز اتنی جذباتی نہ ہوتی تو تمہیں اس تکلیف سے نہ گزرنا پڑتا۔"

اختر بانو نے تو کوشش کی تھی شایان کو باور کرانے کی کہ اس روز وہ ہوش و حواس میں نہ تھیں، اس لیے فضول اور غلط بولتی رہیں لیکن ثوبان شاہ نے انہیں بتایا تھا کہ ثمرہ نے تسلیم کر لیا ہے کہ وہ تمہارا بیٹا ہے۔ سو اب اسے ٹالنے یا جھوٹ بولنے کا فائدہ نہیں ہے۔

"سوری مت کریں امی۔" وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے بیڈ کے پاس نیچے کارپٹ پر بیٹھ گیا تھا۔

"بابا کہتے ہیں سچ ایک نہ ایک روز ظاہر ہو جاتا ہے اور آپ بھی تو کہتی ہیں کہ جو ہونا ہوتا ہے وہ ہوتا ہے کتاب میں ایسا ہی لکھا ہوتا ہے۔"

زندگی میں کبھی کبھی اچانک کچھ انہونی ہو جاتی ہے بیٹا، وقت لگتا ہے پھر آدمی اس انہونی کو قبول کر لیتا ہے تم بھی کر لو گے ایک دن۔ بس ایک بات کا دھیان رکھنا تمہارے کسی عمل کسی رویے سے ثمرہ آپا کا دل نہ دکھے۔ تمہاری اصل ماں تو وہی ہیں، بہت محبت کرتی ہیں وہ تم سے۔"

"میں بھی ان سے بہت محبت کرتا ہوں۔" اس نے اپنے دونوں ہاتھ اختر بانو کے گھٹنوں پر رکھے۔

"لیکن جب میں باشعور ہو گیا تھا تو انہیں مجھے بتانا چاہیے تھا۔ میں تب بھی ان کا ہی بیٹا رہتا۔ بہت زیادتی کی ہے مجھ سے یہ سب چھپا کر آپ نے بھی کبھی ظاہر نہیں کیا۔" اس کے اندر شکوہ تھا۔

"امی نے میری تربیت بالکل مختلف ماحول میں مختلف انداز میں کی، مجھ میں اور میرے بھائیوں میں بہت فرق ہے میں ان جیسا نہیں ہوں۔ یہ سب چھپایا نہ جاتا تو میں بھی آپ کی تربیت سے مستفید ہوتا۔ ان کی طرح سوچتا ان جیسا ہوتا۔"

"ایسا نہیں ہے میری جان، تم بالکل اپنے بھائیوں جیسے ہو بلکہ ان سے زیادہ اچھے اور پیارے وہ جب نہیں تھے میرے پاس تو تب بھی تم تھے میرے پاس۔" اختر بانو نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر چوما اور پھر آنکھوں سے لگایا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں آپ کا بیٹا ہوں۔" اس نے سر اٹھا کر اختر بانو کی طرف دیکھا اور پھر فوراً ہی سر اختر بانو کے گھٹنوں پر رکھ دیا کہ نمی آنکھوں تک چلی آئی تھی۔

"آپ کو کیا پتا بڑی امی! میرے اندر کتنی خامیاں کتنی کجیاں ہیں۔ میں نے زل کو اغوا نہیں کیا لیکن ایک وقت میں سوچا ضرور تھا کہ اسے اپنا اسیر کر کے تڑپتا ہوا چھوڑ آؤں گا۔"

اس نے سوچا تھا اور کتنے ہی آنسوؤں نے اس کا حلق کڑوا کر دیا تھا۔ وہ گھٹنوں پر سر رکھے آنکھیں بند کیے ماں کے لمس اور اس کی خوشبو کو محسوس کر رہا تھا۔ اختر بانو ہولے ہولے اس کے سلکی بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگیں، ان کی اپنی آنکھوں میں نمی تیر رہی تھی۔ سنہری چائے لے کر آئی تو وہ اٹھ کھڑا ہوا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ اگرچہ وہ رویا نہیں تھا۔

"سنہری، تم اپنا بستر لے آؤ۔" اس نے چائے کا کپ اٹھا لیا تھا۔

"شب بخیر آپ بھی اب آرام کیجیے گا۔" وہ جانے کے لیے مڑا تھا۔

جی تو یہ چاہ رہا تھا کہ وہ یوں ہی اختر بانو کے

گھٹنوں پر سر رکھے بیٹھا رہے اور وہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتی رہیں۔
"وعدہ کرو بیٹا! ثمرہ آپا کو کبھی یہ احساس نہیں ہونے دو گے کہ تم بدل گئے ہو۔ ویسے ہی رہنا جیسے تھے۔" وہ سر ہلاتا ہوا چلا گیا تھا۔
اس نے پوری کوشش کی تھی کہ اس کے کسی عمل کسی بات سے ثمرہ کو یہ احساس نہ ہو کہ کہیں اس کے اندر کچھ بدلاؤ آیا ہے۔ لیکن ثمرہ کبھی تو مطمئن دکھائی دیتیں اور کبھی ان کا موڈ خراب ہو جاتا نعمان کی شادی میں بھی ان کا موڈ خراب ہی رہا تھا۔ ریحان کی بات پکی کرنے اور مہرین کو انگوٹھی پہنانے جب وہ لاہور گئے تو انہوں نے جانے سے انکار کر دیا تھا۔ حتیٰ کہ اس کی منگنی کے فنکشن پر بھی وہ چپ چپ سی تھیں۔ جب کہ سب ہی بہت خوش تھے۔ حویلی میں تو جیسے بہار اتری ہوئی تھی۔ ثمینہ اور صفورا نے ہر فنکشن میں بھرپور حصہ لیا تھا۔

☆☆☆

"اب وہاں کھڑے کیا سوچ رہے ہو۔ کیا میں غلط کہہ رہی ہوں۔ کیا وہ عورت تمہیں میرے خلاف سکھاتی پڑھاتی نہیں ہے۔"
ثمرہ کی تیز آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تو وہ چونکا۔
"نہیں بڑی امی نے مجھے کبھی آپ کے خلاف کچھ نہیں کہا اور پھر بھلا کیوں کچھ کہیں گی۔ آپ نے کیا کیا ہے۔ انہوں نے اپنی خوشی سے اپنا بیٹا دیا آپ نے مجھے پالا ہے۔ اور میں بس آپ کا بیٹا ہوں۔"
شایان کو اب اکثر ہی یہ سب دہرانا پڑتا تھا۔
"ہاں، تم ٹھیک کہتے ہو۔" ثمرہ نے مسکرا کر اسے دیکھا۔
"ہم بہت دنوں سے حیدر آباد نہیں گئے کیا خیال ہے کچھ دنوں کے لیے وہاں نہ چلیں۔ پہلے شادی کی مصروفیت رہی اور پھر پتا نہیں کیوں آپ نے پروگرام ہی نہیں بنایا۔"
شایان نے سوچا تھا کہ کچھ دن دلاور شاہ کے ہاں رہ کر آئیں گے تو ثمرہ بالکل مطمئن ہو جائیں گی یوں بھی رضی اسے بلا رہا تھا لیکن وہ اختر بانو کی اداسی کے خیال سے نہیں جا رہا تھا۔ نعمان فرحی بھابھی کے ساتھ کراچی چلے گئے تھے۔ ریحان امریکہ اور امان لاہور، حویلی میں اتنی رونق کے بعد یک دم اداسی سی ہو گئی تھی۔
"ہاں ٹھیک ہے اتنا عرصہ ہو گیا ہمیں حیدر آباد گئے ہوئے۔ میں آپا سے بھی کہوں گی وہ بھی کچھ دنوں کے لیے گل رعنا کے ساتھ وہاں آ جائیں۔" ثمرہ خوش ہو گئی تھیں۔
"آپ اپنا پروگرام فائنل کر کے تیاری کریں تو چلتے ہیں۔ ہاں شاید مجھے دوست کے ہاں دیر ہو جائے تو پریشان مت ہو جایئے گا۔ ڈرائیور ان شاء اللہ ساتھ کریں گے۔"
"ان شاء اللہ" ثمرہ نے بھی کہا تو وہ خدا حافظ کہہ کر ان کے کمرے سے باہر نکل کر اختر بانو کے کمرے کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔ ثمرہ نے دیکھ لیا تو خوامخواہ موڈ خراب کر لیں گی۔ وہ اب کہیں آتے جاتے اختر بانو کو بھی سلام ضرور کرتا تھا لیکن ثمرہ کی موجودگی میں نہیں۔
جانے یہ صورت حال کب تک چلنی تھی کب ثمرہ کے شکوک اور وہم ختم ہوں گے بھی ختم ہوں گے بھی یا نہیں۔
وہ سوچتا ہوا لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر برآمدے میں آیا تو اختر بانو کو برآمدے میں بیٹھے دیکھ کر یک دم مسکراہٹ اس کے لبوں پر نمودار ہوئی۔
"السلام علیکم بڑی امی۔"
"وعلیکم السلام بیٹا! کہیں جا رہے ہو کیا۔"
"جی ایک دوست کی طرف جا رہا ہوں۔" اس نے برآمدے کے فرش پر منیرہ اور اس کے پاس بیٹھی عورت کی طرف دیکھا جو سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ اس نے اختر بانو کو کئی بار ملنے کے لیے، آنے والی ہاریوں کی عورتوں کو اوپر کرسیوں پر بیٹھنے کے لیے کہتے سنا تھا لیکن وہ اپنی برسوں کی عادت کی وجہ سے فرش پر ہی

بیٹھتی تھیں۔

"ماسی نوراں نہیں آئی کیا۔ ٹھیک تو ہے نا۔"

"جی ...... باہر احاطے کی صفائی کر رہی ہیں۔ میں اپنی اماں کو بی بی جی سے ملانے لائی تھی۔" منیرہ نے کھڑے ہو کر ہاتھ باندھتے ہوئے جواب دیا وہ اب یہاں کے طور طریقوں کی عادی ہو گئی تھی۔

"کتنی بار کہا ہے تمہیں ہندوؤں کی طرح ہاتھ مت جوڑا کرو۔" شایان جھنجلایا تو اختر بانو مسکرا دیں۔ شایان کا رویہ ملازموں کے ساتھ ثمرہ جیسا نہیں تھا۔

"او کے بڑی امی، چلتا ہوں اللہ حافظ۔"

"اللہ حافظ بیٹا اللہ اپنے حفظ و امان میں رکھے۔"

"ہاں تو منیرہ، تم کیا کہہ رہی تھیں۔ تمہاری اماں اس بار صرف مجھ سے ملنے آئی ہیں۔" شایان کے جانے کے بعد اختر بانو منیرہ کی طرف متوجہ ہوئیں۔ "جی بی بی جی، صرف آپ سے ملنے آئی ہوں۔" منیرہ کی اماں نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔

"ہاں کہو کیوں ملنا چاہتی تھیں مجھ سے، کوئی کام ہے کیا۔ اگر میرے بس میں ہوا تو ضرور کر دوں گی۔" اختر بانو نے نرمی سے کہا۔

"پتا نہیں آپ کے بس میں ہے یا نہیں پر ایک ذرا آس پر چلی آئی ہوں۔" منیرہ کی اماں کی آنکھوں میں امید کی ایک ننھی سی کرن چمکتی تھی اور چہرے پر تھکن اور اداسی تھی۔

"منی اپنے ابا سے ملنے آئی تو باتوں باتوں میں کہنے لگی بڑی بی بی کے میکے والے لاہور شہر کے ہیں۔ سب آئے تھے نعمان شاہ کی شادی پر، بہت اچھے تھے سب۔ بس بی بی جی لاہور کا نام سن کر دل کو ایک تڑپ سی لگ گئی کہ آپ سے ملوں کیا پتا۔" وہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو کر اپنی گود میں رکھے شاپر میں سے کچھ نکالنے لگی تھی۔

"بہت بوجھ ہے میرے دل پر بی بی جی۔ راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتی ہوں پہلے موت سے نہیں ڈرتی تھی کہ آخر جانا تو ہے ایک دن لیکن اب ڈرنے لگی ہوں۔ اس تصور سے ہی تھر تھر کانپنے لگتی ہوں کہ منی کے ابا نے امانت میں خیانت کی۔" اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

"منی نے آپ کو بتایا تھا نا سب۔"

"ہاں۔" اختر بانو کو یاد آ گیا تھا کہ منیرہ نے جو کچھ بتایا تھا۔

"لیکن میں کیا کر سکتی ہوں بتاؤ کیا چاہتی ہو۔ تمہاری سہیلی اب اس دنیا میں نہیں کہ اس سے معافی مانگ لو۔ بس اللہ سے ہی معافی مانگتی رہو۔"

"وہ تو جی ہر وقت مانگتی رہتی ہوں۔ پر اللہ بخشے منی کی دادی کہتی تھی۔ اللہ کے بندے نہ معاف کریں تو وہ بھی معاف نہیں کرتا۔ پر ہم ایسے بدنصیب ہیں کہ جن کے گناہ گار ہیں ان سے معافی بھی نہیں مانگ سکتے۔ زیبو میری سہیلی منوں مٹی تلے دفن ہے اور اس کا بیٹا دنیا کی بھیڑ میں کھو گیا۔ پتا نہیں زندہ بھی ہے یا نہیں۔ میں بھی زیبو کی طرح جھوٹی آس دل میں لگائے بیٹھی ہوں کہ شاید کسی روز وہ اپنے بیٹے اور بیوی کو ڈھونڈتا ہوا آ جائے اور میں اس کے قدموں پر گر کر معافی مانگ لوں اس سے کہوں روز محشر زیبو سے ہماری سفارش کر دینا فضلو کہتا ہے میں جھلوں جیسی باتیں کرتی ہوں۔ پر کیا کروں میں ایسی ہی ہو گئی ہوں۔ جوان پتر منٹوں میں چٹ پٹ ہو گیا سر کا سائیں بستر پر پڑا ہے۔ منی کی گود اجڑ گئی۔ بہت ڈر لگتا ہے مجھے اسی لیے آپ کے پاس آئی ہوں۔" اس نے ڈوپٹے کے پلو سے نم آنکھیں صاف کیں۔

"میں تمہارے لیے کیا کر سکتی ہوں زیتون۔" منیرہ نے انہیں اپنی اماں کا نام بتایا تھا۔

"وہ جی یہ جو منیرہ ہے نا۔ منی اسے اپنے ابا سے بہت محبت ہے۔ بہت پیار کرتی ہے۔ جب گھر آتی ہے اس کی خدمت کرتی ہے۔ اس کے کپڑے دھونا استری کر کے تہہ کر کے الماری میں رکھنا تو جی اس بار جو یہ گھر آئی نا تو اپنے ابا کے بکسے میں سے یہ لفافہ نکال کے لے آئی۔"

اس نے گود میں رکھے شاپر سے ایک براؤن بوسیدہ سا لفافہ نکالا۔ پتا نہیں اسے غیر ضروری باتیں

pklibrary.com

کرنے کی عادت تھی یا اسے سمجھ نہیں آرہا تھا کہ بات کیسے شروع کرے۔ لفافہ گود میں رکھ کر اس نے خاموشی سے اس کی بات سنتی اختر بانو کی طرف دیکھا۔

"اس لفافے میں زیبو کا نکاح نامہ اور ایک تصویر تھی۔ منی نے ہی دیکھ کر بتایا تھا مجھے۔ پانچ جماعت پڑھ رکھی ہے اس نے پڑھ لکھ لیتی ہے۔ شاید یہ اس بیگ میں تھا جو زیبو نے مجھے دیا تھا اور منی کے ابا نے جب زیور بیچا تو اسے بکسے میں رکھ دیا ہوگا۔ یا پھر جب وہ رحیم یار خان گیا تھا اسے ڈھونڈنے تو زیبو نے ہی دیا ہو۔ منی کہتی ہے یہ خالہ زیبو کے نکاح نامے کی کاپی ہے۔ بس جی میں نے منی سے کہا میں تمہارے ساتھ جا کر تمہاری بی بی جی کی منت کروں گی، کہ ان کے میکے والے لاہور رہتے ہیں تو زیبو کا خاوند بھی تو لاہور کا ہی تھا اس کاغذ میں نام و پتا سب لکھا ہے کیا پتا وہ اسے جانتے ہوں۔ نہ جانتے ہوں تو اسے ڈھونڈ لیں گے۔"

اختر بانو کو اس کی سادگی پر پیار آیا۔

"لاہور کوئی چھوٹا سا شہر نہیں ہے زیتون، جہاں سب لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہوں۔ پھر اب اسے ڈھونڈ کر کیا کرو گی زیتون نہ تمہارے پاس زیور یا پیسہ ہے نہ اس کا بیٹا۔ وہ مل بھی گیا تو کیا کہو گی اس سے۔"

"پتا نہیں جی۔" زیتون نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

"معافی تو مانگوں گی ہی نا اس سے، امانت کی حفاظت نہیں کر سکی دل پر یہ جو منوں بوجھ پڑا ہے شاید کچھ ہلکا ہو جائے جی۔ جب سے منی نے یہ لفافہ دیا ہے نا، ایک آس سی لگ گئی ہے کہ شاید وہ مل جائے وہ کہتی تھی وہ بہت بڑا افسر ہے بیٹے کا بتاؤں گی تو ڈھونڈ لے گا اسے۔"

"کتنا عرصہ ہو گیا ہے اسے گم ہوئے۔" اختر بانو نے تاسف سے اسے دیکھا۔

"اٹھارہ انیس سال تو ہو گئے ہوں گے دس سال کا تھا جی، جب پنجویں (پانچویں) پاس کی تھی میں نے اسے شہر کے ہائی اسکول میں داخل کروانا تھا پر۔" اس نے آہ بھری۔

"تو اتنے سالوں بعد اگر اس کا باپ مل بھی گیا تو کیسے ڈھونڈے گا اسے۔"

اختر بانو کو افسوس ہو رہا تھا کہ وہ اس غریب کے کسی کام نہیں آسکتیں۔

"ہاں جی کیسے ملے گا وہ۔ میں تو جھلی ہوں۔ جھوٹی امیدیں پالتی ہوں۔ جھوٹے خواب دیکھتی ہوں۔ نری جھلی ہوں پہلے ایسی نہیں تھی۔ اب ہو گئی ہوں۔ پہلے تو گاؤں والے کہتے تھے زیتون بڑی عقل والی اور سیانی ہے۔ صفدر کی تو زبان پر فالج گرا ہے میری تو عقل پر گر گیا۔

اٹھارہ دسرے (سال) سے دعا مانگ رہی ہوں میری زیبو کے بیٹے کو اس کا باپ مل جائے پر شنوائی ہی نہیں ہوتی۔ دس یارہ (گیارہ) ورے تو زیبو نے بھی رو رو کر دعائیں مانگی تھیں پر اس کی مصنتیں" اس نے اوپر آسمان کی طرف دیکھا۔

"معاف کر دینا جی۔ آپ کا ٹیم (ٹائم) ضائع کیا پر کیا کروں منی کے ابا نے تو مجھے جھلا کر دیا جیتے جی مار دیا۔"

وہ لفافہ دوبارہ شاپر میں رکھنے لگی تو اختر بانو کا دل گداز ہوا۔ اسے اس سادہ لوح عورت پر ترس آیا اور اس کا مایوس چہرہ اس سے دیکھا نہیں جا رہا تھا۔

"یہ مجھے دو دے زیتون۔ لاہور جاؤں گی تو ابا جان کو دکھاؤں گی۔ استاد تھے۔ سینکڑوں ہی شاگرد ہوں گے ان کے کیا خبر وہ اسے جانتے ہوں۔"

زیتون کی آنکھوں میں امید کی بجھتی لو جیسے پھر سے جل اٹھی تھی۔

"یہ ہی تو...... یہ ہی تو میں بھی کہتی ہوں کہ کیا خبر۔" اس نے کسی تبرک کی طرح لفافہ دونوں ہاتھوں میں تھام کر ان کی طرف بڑھایا۔

pklibrary.com

دھوپ دیواروں سے اتر کر صحن میں بس آنے ہی والی تھی لیکن اقبال سر سے پاؤں تک چادر اوڑھے سویا ہوا تھا۔

"اب اٹھ بھی جا اقبال، کیا دن چڑھے تک سوتا رہے گا۔"

اقبال نے سر سے چادر اتار کر دیکھا چھوٹی بھابی سرہانے کھڑی غصے سے اسے دیکھ رہی تھی وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ وہ سو کب رہا تھا اب نیند تو بس کبھی کبھی ہی اس پر مہربان ہوتی تھی۔ احساس جرم تھا جو کسی پل چین نہیں لینے دیتا تھا۔ آج رات تو مچھروں نے سونے ہی نہیں دیا تھا۔ کمرے میں اس کا دل گھبراتا تھا اس لیے گرمیوں میں صحن میں چارپائی بچھا کر سو جاتا تھا، ہوا نہ ہوتی تو پیڈسٹل فین لگا لیتا تھا لیکن پچھلے تین دن سے یہ پنکھا جو برآمدے میں پڑا رہتا تھا وہاں سے غائب تھا۔ اس نے کل رات چھوٹی بھابی سے پوچھا تھا کہ پنکھا کہاں ہے۔ آج بہت حبس اور گرمی ہے۔

"خراب ہو گیا ہے۔ بچے کھیل رہے تھے برآمدے میں گرا دیا بھاگتے ہوئے۔ اسٹور میں رکھوا دیا ہے جب فالتو پیسے ہوں گے تو ٹھیک کروالوں گی بہت گرمی لگتی ہے تو اپنے کمرے میں سو جایا کر۔"

چھوٹی بھابی کے مشورے پر اس نے شاکی نظروں سے اسے دیکھا تھا۔ اس کی عدم موجودگی میں اس کا کمرہ چھوٹی بھابی کے سپوتوں کے زیر استعمال تھا اس کے واپس آنے پر وہاں ایک چارپائی اور ڈلوا دی گئی تھی۔

"چچا بھتیجے ایک ہی کمرے میں سو جایا کریں گے۔"

چھوٹی بھابی نے بڑے آرام سے کہہ دیا تھا لیکن دونوں رات گئے تک جاگتے اور اس قدر شور و غل کرتے تھے کہ اس کا سونا محال ہو جاتا تھا چونکہ ابھی گرمیاں تھیں اس لیے وہ صحن میں سو جاتا تھا۔

"اسٹور کی چابی دیں میں دیکھتا ہوں۔" چھوٹی موٹی خرابیاں تو وہ خود بھی ٹھیک کر لیتا تھا۔

لیکن چھوٹی بھابی نے دو تین بار مانگنے پر ٹال دیا تو وہ سمجھ گیا کہ جان بوجھ کر پنکھا، بھابی نے اسٹور میں رکھ دیا ہے کہ جب بھی وہ پنکھا لگا کر سوتا تو وہ بجلی کے زیادہ بل کا شور مچائے رکھتی تھی۔ اسٹور چونکہ چھت پر تھا اس لیے اسے تالا لگائے رکھتے تھے کہ چھت پر ادھر ادھر کے گھروں سے آنے کا راستہ تھا۔

وقت وقت کی بات ہے یہ ہی بھابی تھی جو اس کے آگے پیچھے پھرا کرتی تھی وہ ایک گہری سانس لے کر پاؤں میں چپل ڈالنے لگا۔

"ہاں تمہارے بھائی کہہ گئے تھے کہ اٹھ جاؤ تو دکان کا چکر لگا لینا۔ سودا بھجوانا ہے گھر۔" چھوٹی بھابی ابھی تک کھڑی یوں ہی کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

"اچھا۔" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ دری اور چادر تہہ کی۔ چارپائی اٹھا کر برآمدے میں کھڑی کی۔

"ہوں کام کا نہ کاج کا دشمن اناج کا۔"

وہ بڑبڑاتی ہوئی چلی گئی تو وہ کچھ دیر یوں ہی کھڑا رہا اور پھر لنگڑاتا ہوا واپس صحن کی طرف چلا گیا کہ باتھ روم وغیرہ صحن میں ہی تھے۔ منہ ہاتھ دھو کر آیا تو بڑی بھابی برآمدے میں پیڑھی پر بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔

"ہو گئی تمہاری صبح۔" بڑی بھابی کے لہجے میں طنز تھا وہ شرمندہ ہوا۔

"جاگ تو میں کب سے رہا تھا بس یوں ہی سستی سے لیٹا ہوا تھا۔ رات مچھروں نے بہت تنگ کیا نیند نہیں آ رہی تھی دیر تک جاگتا رہا۔ پنکھا بھی نہیں تھا۔ اور ہوا بھی نہیں چل رہی تھی۔"

"بھابی! ناشتہ دے دیں تو دکان پر جاؤں۔ بھائی صاحب نے دکان پر بلایا ہے۔"

"یہ ناشتے کا بھلا کون سا ویلا (وقت) ہے اقبال۔ میں تو دوپہر کے لیے ہانڈی چڑھانے لگی تھی۔ ناشتہ کرنا ہو تو ٹیم (ٹائم) سے اٹھ جایا کر بھائی۔"

اب وہ کیا کہتا کہ وہ تو اٹھا ہوا ہی تھا آملیٹ اور

pklibrary.com

پراٹھوں کی خوشبو نے کتنی بار مجبور کیا کہ اٹھ کر چلا جائے خود ہی لیکن پھر صبر کیے انتظار کرتا رہا کہ کوئی اسے ناشتے کے لیے بلائے تو وہ اٹھ جائے۔ لیکن کسی نے بلایا ہی نہیں۔ سب ناشتہ کر کے اپنے اپنے کاموں پر چلے گئے تھے۔ بچے اسکول کالج اور دونوں بھائی دکان پر...... کبھی کبھار تو وہ خود ہی ڈھیٹ بن کر بن بلائے، ناشتے کھانے کے لیے چلا جاتا تھا لیکن آج دل نہیں چاہ رہا تھا۔

''اچھا دیکھ لے ادھر چنگیر میں روٹی پڑی ہو گی۔ میں نے تیرے لیے پکا تو دی تھی چائے بھی پڑی ہو گی گرم کر لے۔'' بڑی بھابی کبھی کبھار اس کا لحاظ کر لیتی تھیں۔

''رات کی دال پڑی ہے ادھر کٹوری میں۔''

اس نے بنا کچھ کہے چولھے پر رکھی چائے والی دیگچی کا ڈھکن اٹھا کر دیکھا۔ آدھا کپ کالی سیاہ چائے پڑی تھی پھر چنگیر میں دیکھا تو آدھی بچی ہوئی رات کی روٹی تھیں۔ بڑی بھابی اس کی طرف ہی دیکھ رہی تھی۔ وہ خاموشی سے باورچی خانے سے باہر نکل گیا۔

''لو میں نے خود اقبال کے لیے روٹی پکا کر رکھی تھی کدھر گئی۔''

باہر جاتے جاتے اس نے بڑی بھابی کی بڑبڑاہٹ سنی تھی۔ دونوں بھابیوں کو اس کا وجود کھٹکتا تھا جاتا تھا لیکن چھوٹی بھابی تو جیسے اسے دیکھ بھی نہیں سکتی تھی۔ اس گھر میں اس کا حصہ بھی تھا اس لیے اسے گھر سے نکال نہیں سکتے تھے۔ بھابیاں مجبوراً اسے برداشت کرتی تھیں۔ بھائیوں نے انہیں سمجھایا تھا کہ بیوی بچے تو ہیں نہیں۔ اس کا حصہ ہمیں ہی ملنا ہے۔ دو وقت کی روٹی ہی تو کھاتا ہے۔ برا سلوک کرو گی تو اپنا حصہ مانگ بیٹھا تو اتنی رقم نہیں ہے کہ اس کا حصہ دے دیں۔ گھر اور دکان فروخت کر دی تو روزی روٹی سے بھی جائیں گے اور ٹھکانے سے بھی۔

اس نے خود بڑے بھائی کو بھابیوں سے کہتے سنا تھا۔ لیکن کہاں جاتا۔ اسے یہاں ہی رہنا تھا۔ حصہ مانگ بھی لیتا تو وہ پیسے کتنے دن کھاتا۔ یہاں جیسے تیسے پکا پکایا مل ہی جاتا تھا۔ بیمار ہوتا تو بھائی دوا دارو بھی کر دیتے تھے۔ حال چال پوچھ لیتے تھے۔ خود کوئی کام اس سے ہوتا نہیں تھا۔ پاکستان آنے کے کچھ ہی دنوں بعد اس کا بہت خوفناک ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔ سات آٹھ ماہ تو بیڈ پر ہی پڑا رہا۔ ٹانگ ٹوٹ گئی تھی راڈ پڑا تھا۔ چلنے کے قابل تو ہو گیا تھا لیکن چلتے ہوئے تھوڑا لنگڑاتا تھا۔

والد کی پرچون کی دکان تھی لیکن وہ ایک روز بھی دکان پر نہیں بیٹھا تھا۔ شکار کا شوقین تھا۔ میٹرک کے بعد پڑھائی چھوڑ دی تھی۔ کچھ عرصہ چھوٹے چھوٹے کام کیے پھر شکار کے لیے آنے والے لوگوں کو شکار پر لے کر جانے لگا۔ اچھی خاصی آمدنی ہو جاتی تھی۔ جن دنوں شکار کا موسم نہ ہوتا وہ رحیم یار خان سے چیزیں لے کر ملتان اور بہاولپور وغیرہ جاتا اور وہاں کی اشیاء یہاں لا کر فروخت کر دیتا تھا لیکن اب یہ دونوں کام نہیں کر سکتا تھا۔ اس نے چاہا تھا کہ بھائیوں کے ساتھ دکان پر بیٹھ جائے لیکن انہوں نے منع کر دیا تھا کہ اتنی بڑی دکان نہیں ہے جہاں تین بندوں کی ضرورت ہو۔ شاید وہ نہیں چاہتے تھے کہ اسے ان کی آمدنی کے متعلق پتا چلے کہ گھر میں ہر وقت اخراجات پورے نہ ہونے کا ذکر ہوتا رہتا تھا۔ اپنے جیب خرچ کے لیے دو تین جگہ اس نے نوکری کی تھی لیکن پھرتی سے کام نہ کر سکنے کی وجہ سے ایک دو ماہ بعد فارغ کر دیا جاتا تھا۔

''اب یہاں کھڑے کیا دم کر رہے ہو۔ اگر فارغ ہو گئے ہو تو جاؤ دکان پر کیا پتا کوئی اور بھی کام ہو تم سے تمہارے بھائی کو۔'' چھوٹی بھابی اچانک ہی کمرے سے باہر نکلی تھی۔ وہ چونکا۔

''جا رہا ہوں بھرجائی۔''

وہ ہولے ہولے چلتا ہوا بیرونی گیٹ کھول کر باہر نکل گیا۔ دو تین دن سے چلتے ہوئے ٹانگ میں بہت تکلیف ہو رہی تھی۔ جیب میں اتنے پیسے نہیں تھے کہ ڈاکٹر کے پاس چلا جاتا۔ بڑے بھائی ازراہ

pklibrary.com

مروت پندرہ بیس دن بعد کچھ رقم ہاتھ میں پکڑا دیتے تھے۔

"یہ رکھ لو اپنے سگریٹ پانی کے لیے۔" وہ خاموشی سے لے لیتا لیکن خود سے کبھی نہیں مانگے تھے۔

"اور تمہارے ساتھ ایسا ہی ہونا چاہیے تھا بلکہ اس سے بھی برا۔" اس نے گلی میں چلتے ہوئے خود سے کہا اور جیب کو ٹٹول کر دیکھا۔ چند روپے تھے۔ ایک کپ چائے اور ایک سگریٹ کی ڈبیا تو آ ہی جائے گی۔

وہ اب نذیر کے چائے کے کھوکے کی طرف جا رہا تھا۔ نذیر اس کا بچپن کا سنگی تھا۔ جیب میں پیسے نہ بھی ہوتے تو ایک کپ چائے پلا ہی دیتا تھا۔ نذیر ٹرے میں رکھے کپوں میں چائے ڈال رہا تھا۔

"نذیر یار! ایک کپ چائے بنا دو۔"

وہ تھکا تھکا سا بینچ پر بیٹھ گیا۔ نذیر کے کھوکھے کے پاس ہی گلی میں دو تین بینچ رکھے ہوئے تھے اور چھوٹی چھوٹی دو لکڑی کی میزیں تاکہ اگر کسی نے وہاں ہی بیٹھ کر چائے پینی ہو تو پی سکے۔

"بس دو منٹ یار۔ یہ چائے بھجوا دوں۔" نذیر نے ٹرے چھوٹے لڑکے کو پکڑائی۔

"لے جاؤ...... اور ہاں عبدل صاحب اور راجہ صاحب سے پچھلا حساب لے آنا۔" یہ چھوٹا سا بارہ تیرہ سال کا لڑکا اس نے اپنی مدد کے لیے رکھا ہوا تھا۔ آس پاس کے بازاروں میں سارے دکان داروں کو وہ ہی چائے پہنچاتا تھا۔

"کیا حال ہے اقبال۔ ٹانگ کا درد کچھ بہتر ہوا۔" نذیر نے ساس پین میں چائے کے لیے پانی ڈال کر چولھے پر رکھا۔

"درد تو ویسا ہی ہے یار۔ بس گولی لے لو درد کی تو تھوڑی دیر آرام رہتا ہے۔" اقبال آج دو دن بعد آیا تھا۔ دو دن وہ ٹانگ کے درد کی وجہ سے گھر سے نکلا ہی نہیں تھا۔

"یہ تو اچھی بات نہیں ہے اقبال، ڈاکٹر کو چیک کرواؤ۔ کہیں تکلیف بڑھ ہی نہ جائے۔" اس نے پانی میں پتی ڈالی۔

"ہاں لیکن میرے پاس ڈاکٹر کی فیس اور دوائیوں کے لیے پیسے نہیں ہیں۔ سرکاری ہسپتال جانے کا سوچ رہا ہوں۔ لیکن وہاں بھی گھنٹوں بیٹھنا پڑے گا۔" اس نے نذیر سے اپنی حالت کبھی نہیں چھپائی تھی۔

"مجھ سے کچھ رقم لے لو۔ اور ڈاکٹر سے چیک کروا لو۔"

اسے نذیر کے خلوص پر شک نہیں تھا لیکن اس نے انکار کر دیا۔

"نہیں یار، تم رہنے دو بھائی صاحب سے بات کروں گا۔"

"ویسے یار اقبال، تمہیں کچھ سوچنا چاہیے اپنے لیے۔ نہ جانے کتنی زندگی ہے کیا یوں ہی پیسے پیسے اور چھوٹی چھوٹی ضرورتوں کے لیے اپنے بھائیوں کی طرف دیکھتے رہو گے۔" نذیر نے چائے کپ میں ڈال کر اس کے سامنے رکھی اور ساتھ ہی کاؤنٹر پر رکھے جار میں سے دو تین کیک رسک نکال کر طشتری میں رکھے۔ چولھے کی آنچ کم کی اور خود بھی اس کے سامنے بینچ پر آ کر بیٹھ گیا۔

"یہ کیک رسک کی ضرورت نہیں ہے نذیرے۔" اس نے چائے کا کپ اٹھایا اس وقت اسے چائے کی سخت ضرورت محسوس ہو رہی تھی۔

"لے لے یار۔ اب خالی پیٹ صرف چائے نہ پی۔" نذیر کو اندازہ تھا کہ آج بھی اس کی بھابیوں نے اسے ناشتے کے لیے نہیں بلایا ہوگا۔

"یہ کیک میری طرف سے۔"

اقبال نے متشکر نظروں سے اسے دیکھا اور رسک اٹھا کر چائے میں ڈبو کر کھانے لگا۔

☆

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)

pklibrary.com

انتظار کا موسم

مارچ کا مہینہ تھا اور بہار کا موسم
تجھ سے ملی تھی میں
مجھ پہ خوب آیا تھا
پھر نکھار کا موسم
دن کو گھومتے تھے ہم
رات جاگا کرتے تھے
ساحل سمندر پہ عہد باندھا کرتے تھے
کتنا اچھا تھا ساجن اعتبار
کا موسم
برکھا اچھا لگتی تھی، چاند خوب لگتا تھا
ساتھ تیرے اور میرے وہ بھی جاگا کرتا تھا
تھا بہت حسین جاناں تیرے پیار کا موسم
پھر نہ جانے کیسے کب موسمِ خزاں آیا
تو میں بھول بیٹھی تھی
موسمِ خزاں بھی ہے
چاند زرد ہے جاناں
آسمان روتا ہے
جاگتے ہیں ہم لیکن
کل جہاں سوتا ہے
ختم ہی نہیں ہوتا
انتظار کا موسم

سیدہ سیما

چھلک رہی ہے مئے ناب تشنگی کے لیے
سنور رہی ہے تری بزم برہمی کے لیے

نہیں نہیں ہمیں اب تیری جستجو بھی نہیں
تجھے بھی بھول گئے ہم تری خوشی کے لیے

جو تیرگی میں ہویدا ہو قلب انساں سے
ضیا نواز وہ شعلہ ہے تیرگی کے لیے

کہاں کے عشق و محبت کدھر کے ہجر و وصال
ابھی تو لوگ ترستے ہیں زندگی کے لیے

جہانِ نو کا تصورِ حیاتِ نو کا خیال
بڑے فریب دیے تم نے زندگی کے لیے

مئے حیات میں شامل ہے تلخیٔ حیات
جبھی تو پی کے ترستے ہیں بے خودی کے لیے

زہرا نگاہ

pklibrary.com

شگفتہ جاہ

باتیں خوشبو جیسی

رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
"زیادہ ثواب بڑی آزمائش کا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ جب کسی قوم سے محبت کرتا ہے تو ان پر آزمائش ڈالتا ہے۔ جو راضی رہے، اسے رضا ملے گی۔ اور جو ناراض ہوا اسے ناراضی حاصل ہوگی۔"

فوائد و مسائل:

1۔ آزمائش میں بندے کا فائدہ ہوتا ہے، اس لیے اللہ کے فیصلے پر راضی رہتے ہوئے شریعت کے دائرے میں رہ کر جدوجہد کرنا ضروری ہے۔ اگر کسی مصیبت پر بندہ ناراضی کا اظہار کرے گا تو مصیبت تو اپنے مقرر وقت ہی پر ختم ہوگی لیکن بندہ ثواب سے محروم ہو کر اللہ کو ناراض کر لے گا۔

2۔ مصیبت بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ بشرطیکہ احکام کی نافرمانی نہ کی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت

حضرت موسیٰؑ نے ایک بار اللہ تعالیٰ سے پوچھا۔
"میری امت کا سب سے بدترین شخص کون سا ہے؟" اللہ تعالیٰ نے فرمایا:
"کل صبح جو شخص تمہیں سب سے پہلے نظر آئے گا وہ تمہاری امت کا بدترین شخص ہوگا۔"

حضرت موسیٰؑ صبح جیسے ہی گھر سے باہر تشریف لائے۔ ایک شخص اپنے بیٹے کو کندھے پر بٹھائے وہاں سے گزرا۔ حضرت موسیٰؑ نے دل میں سوچا کہ اچھا یہ ہے میری امت کا سب سے بدترین انسان۔ پھر آپ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوئے اور کہا۔
"یا اللہ! میری امت کا سب سے اچھا انسان کون سا ہے؟ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ "شام کو سب سے پہلے جو آپ کو ملے گا، وہ آپ کی امت کا سب سے بہترین انسان ہے۔"

حضرت موسیٰؑ شام کا انتظار کرنے لگے کہ ان کی نظر اسی صبح والے شخص پر پڑی۔ حضرت موسیٰؑ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہوئے۔
"یا اللہ! یا رب کریم! یہ کیا ماجرا ہے؟ صبح والا بدترین شخص ہی سب سے بہترین کیسے ہو سکتا ہے؟"

اللہ تعالیٰ نے جواب:
"اے موسیٰ! صبح جب یہ بندہ اپنے بیٹے کو کندھے پر بٹھائے جنگل میں پہنچا تو اس کے بیٹے نے اس سے پوچھا: "ابا! کیا اس جنگل سے بھی بڑی کوئی شے ہے؟" باپ نے جواب دیا: "ہاں بیٹا! اس جنگل سے بھی بڑے یہ پہاڑ ہیں۔"

بیٹے نے پھر پوچھا: "ابا کیا ان پہاڑوں سے بھی بڑی کوئی شے ہے؟"

باپ بولا: "ہاں بیٹا ان پہاڑوں سے بھی بڑا یہ آسمان ہے جو بہت وسیع و عریض ہے۔"

بیٹے نے پھر پوچھا: "ابا! کیا اس آسمان سے بھی بڑی کوئی چیز ہے؟"

باپ نے ایک سرد آہ بھری اور دکھ بھرے لہجے میں بولا۔
"ہاں بیٹا آسمان سے بھی بڑے تیرے باپ کے گناہ ہیں۔"

بیٹا بولا: "ابا کیا آپ کے گناہوں سے بھی بڑی کوئی چیز ہے؟"

باپ کا چہرہ ایک دم چمک اٹھا اور اس نے کہا۔
''ہاں بیٹا میرے گناہوں سے بھی بڑی ہے اللہ کی رحمت اور اس کی مغفرت۔'' اس شخص کے اس طرح نادم ہونے اور میری رحمت کا اعتراف کرنے پر میں نے اس کے گناہوں کو نہ صرف بخش دیا بلکہ انہیں نیکیوں میں بدل دیا اور اسے بدترین سے بہترین شخص بنادیا۔''

نیکی

حضرت عمر خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ خلافت سنبھالنے کے بعد بیت المال آئے تو لوگوں سے پوچھا کہ:
حضرت ابوبکر کیا کیا کرتے تھے۔ تو لوگوں کو بتایا کہ ''وہ نماز سے فارغ ہوکر کھانے کا تھوڑا سا سامان لے کر ایک طرف کو نکل جایا کرتے تھے۔''
آپ نے پوچھا کہ کہاں جاتے تھے؟
لوگوں نے بتایا کہ یہ نہیں پتا بس اس طرف کو نکل جاتے تھے۔
آپ نے کھانے کا سامان لیا اور اس طرف کو نکل گئے لوگوں سے پوچھتے ہوئے کہ حضرت ابوبکر کس جگہ جاتے تھے۔ چلتے چلتے ایک جھونپڑی تک پہنچ گئے وہاں جا کر دیکھا کہ ایک بوڑھا آدمی دونوں آنکھوں سے اندھا ہے اور اس کے منہ پر چھالے بنے ہوئے ہیں۔ اس کو کھانا کھلانے لگے تو اس نے بڑے غصے کہا۔
''کیا بات ہے۔ ایک تو تین دن بعد آئے ہو اور کھانا کھلانے کا طریقہ بھی بھول گئے ہو؟''
آپؓ نے جب سنا تو رونے لگے اور اسے بتایا کہ ''میں عمرؓ ہوں اور وہ جو آپ کو کھانا کھلاتے تھے، وہ مسلمانوں کے خلیفہ ابوبکر تھے اور وہ وفات پا چکے ہیں۔''
جب اس بوڑھے نے یہ بات سنی تو کھڑا ہوگیا اور کہا کہ۔ ''اے عمر مجھے کلمہ پڑھا کر مسلمان کردیں پچھلے دو سال سے وہ آدمی روز میرے پاس آتا اور کھانا کھلاتا رہا۔ ایک دن بھی اس نے مجھے نہیں بتایا کہ وہ کون ہے۔''

اللہ سے محبت

خواجہ حسن بصریؒ سے کسی نے عرض کیا کہ مجھے نصیحت کیجیے۔
انہوں نے فرمایا۔ ''جہاں کہیں ہو، اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعظیم کرو، اللہ تعالیٰ دنیا والوں سے تمہاری تعظیم کرائے گا۔''
سید علی ہجویری کا ارشاد ہے۔
''جتنی محبت قوی ہوتی ہے۔ اسی قدر اطاعت کا حق ادا کرنے میں دشواری نہیں ہوتی۔''

نماز میں خشوع و خضوع

حضرت زین العابدین کی نماز میں خشوع کا عالم یہ ہوتا تھا جب آپ نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو سارے بدن پر لرزہ طاری ہوجاتا۔
لوگوں نے پوچھا کہ ''یہ آپ کو کیا ہوجاتا ہے؟''
تو کہنے لگے: ''تم کیا جانو، میں کس کے حضور کھڑا ہوتا ہوں اور کس سے سرگوشی کرتا ہوں۔''

ماں کے کردار کا اثر

حضرت عمر فاروقؓ نے دانشوروں کی ایک مجلس میں سوال کیا۔
''ایک بچہ جو دنیا میں آتا ہے، اس کا سب سے پہلا حق کیا ہے؟''
لوگوں نے مختلف جواب دیے آپؓ نے فرمایا۔
''اس کا پہلا حق یہ ہے کہ اس کو ایک باشعور ماں ملنی چاہیے۔ میں ایک چالیس برس کی عمر کے آدمی کو دیکھ کر بتا سکتا ہوں کہ اس کی ماں کی زمانہ حمل میں کیا صفات رہی ہوں گی۔''

حدیث رسول اللہ کا احترام

امام مالک مسجد نبوی میں حدیث شریف کا درس

دیتے تھے ایک مرتبہ حدیث شریف کا درس دے رہے تھے کہ ایک بچھو نے آپ کو ڈنک مارا مگر آپ حدیث بیان کرنے میں مصروف رہے۔ بچھو ڈنک مارتا رہا۔ آپ شدید اذیت میں تھے۔ چہرہ زرد ہو رہا تھا مگر درس کا سلسلہ جاری رکھے رہے۔ احترام حدیث کی وجہ سے جنبش نہیں کی۔ درس ختم ہو گیا اور لوگ چلے گئے تو عبداللہ بن مبارک فرماتے ہیں کہ ان سے چہرہ متغیر ہونے کی وجہ سے پوچھی۔ انہوں نے بتایا۔

جب کپڑا اٹھا کر دیکھا گیا تو بچھو سولہ مرتبہ ڈنک مار چکا تھا۔

یہ سچے عاشق رسول امام مالک بن انس تھے۔

غور کیجیے

☆ ایک غلطی جو آپ کو عاجز بناتی ہے اس کامیابی سے بہتر ہے جو آپ کو مغرور بنائے۔

☆ ہمیشہ یاد رکھیے کہ جب آپ معاف کرتے ہیں تو دراصل آپ کو شفا ملتی ہے اور جب آپ درگزر کرتے ہیں تو آپ آگے بڑھتے ہیں۔

☆ کیا وہ سب کچھ جو آپ حاصل کرنا چاہتے ہیں وہ خوشی ہے۔ ہرگز نہیں بلکہ جو کچھ آپ کے پاس ہے، اس سے لطف اندوز ہونا ہی خوشی ہے۔

☆ اگر کوئی آپ سے دوسرے لوگوں کے بارے میں باتیں کرتا ہے تو وہ آپ کے بارے میں بھی دوسرے لوگوں سے باتیں کرے گا۔

☆ ناکام لوگوں کی پہچان ہے کہ وہ اپنی ناکامیوں کا الزام دوسروں کو دیتے ہیں اور دوسروں کی ناکامی پر خوش ہوتے ہیں۔

ناکامی کا سبق

مشہور موجد تھامسن ایڈیسن نے پانچ ہزار سے زائد بار کوشش کے بعد بجلی کا بلب بنایا تھا۔ ایک انٹرویو میں اس سے پوچھا گیا۔ پانچ ہزار بار آپ کو ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔ آپ کو کیسا محسوس ہوتا تھا۔

ایڈیسن نے جواب دیا۔

''میں ناکام نہیں ہوا بلکہ میں نے پانچ ہزار ایسے طریقے سیکھے ہیں جن سے بجلی کا بلب نہیں بن سکتا تھا۔''

اقربا پروری

خلیفہ دوم حضرت عمر فاروقؓ کے بیٹے روزگار کی تلاش میں عراق گئے۔ ایک سال بعد مال سے لدے اونٹوں کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

''بیٹا اتنا مال کہاں سے ملا؟''

بیٹے نے جواب دیا کہ ''تجارت کی ہے۔''

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

''بیٹا تجارت کے لیے پیسہ کہاں سے آیا۔''

بیٹے نے جواب دیا کہ

''چچا نے قرض دیا۔'' (چچا سے مراد کوفہ کے گورنر تھے) حضرت عمرؓ نے کوفہ کے اس گورنر کو مدینے طلب کیا جو صحابی رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی تھے۔

جب گورنر کوفہ مدینے آکر خلیفہ سے ملے تو حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

''کیا وہاں بیت المال میں اتنی دولت آگئی ہے کہ ہر شہری کو قرضہ دے سکتے ہو؟''

گورنر نے جواب دیا۔

''نہیں ایسا تو نہیں۔''

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔

''پھر تم نے میرے بیٹے کو قرض کیوں دیا؟ یقیناً اس لیے کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ میں تمہیں معزول کرتا ہوں کیونکہ تم امانت داری کے اہل نہیں ہو۔''

جب حضرت عمرؓ کوفے کے گورنر کو ہٹا چکے تو پھر بیٹے کو حکم دیا۔

''سارا مال بیت المال میں جمع کروا دو، اس پر تمہارا کوئی حق نہیں۔''

☆☆

اس ماہ کی بیسٹ سیلرز

عادت

جب لائٹ جاتی ہے تو امریکی پاور ہاؤس کال کرتے ہیں، جب کہ جاپانی فیوز چیک کرتے ہیں۔
پاکستانی گلی میں جھانک کر کہتے ہیں: "سب کی گئی ہے۔"

اسٹیٹس

بیگم صاحبہ نے اپنی نوکرانی سے غصے سے پوچھا۔ "تو تین دن سے کہاں غائب تھی؟"
نوکرانی منہ بنا کر بڑے مزے سے بولی۔ "کمال ہے بی بی! گاؤں گئی تھی اسٹیٹس پہ تو لگا دیا تھا آپ نے چیک کر لینا تھا ناں۔"

حاضر دماغ ڈرائیور

مشہور ریاضی دان اور سائنس دان البرٹ آئن اسٹائن جب کہیں لیکچر دینے جاتے تو ان کا ڈرائیور ہال کے آخر میں بیٹھا لیکچر سنتا رہتا۔ ایک مرتبہ کسی یونی ورسٹی میں لیکچر دینے کے لیے گاڑی میں بیٹھے تو ڈرائیور نے کہا۔
"محترم! میں آپ کے لیکچر سن سن کر تنگ آ گیا ہوں۔ سچ تو یہ ہے کہ مجھے آپ کے تمام لیکچر یاد ہو گئے ہیں۔"
یہ سن کر آئن اسٹائن نے کہا۔
"ٹھیک ہے آج جس یونی ورسٹی میں میرا لیکچر ہے اتفاق سے وہ مجھے جانتے بھی نہیں لہٰذا آج میری جگہ تم لیکچر دے دو۔"
پہلے تو ڈرائیور نے حیل حجت سے کام لیا پھر آئن اسٹائن کے اصرار پر مان گیا اور یوں آئن اسٹائن نے ڈرائیور بن کر اس کی سیٹ سنبھال لی۔
ڈرائیور نے یونی ورسٹی میں بہت ہی عمدہ طریقے سے لیکچر دیا۔ لیکچر دینے کے بعد ایک شخص نے اس سے پوچھا۔
"محترم! آپ نے لیکچر میں ریاضی کا جو فلاں فارمولا بتایا ہے، وہ مجھے صحیح طرح سمجھ میں نہیں آیا ذرا اس کی وضاحت کر دیں۔"
اس نے کہا۔ "ارے جناب! یہ فارمولا تو اتنا آسان ہے کہ میرا ڈرائیور بھی آپ کو سمجھا دے گا۔"
یہ کہہ کر اس نے ڈرائیور یعنی آئن اسٹائن کو آواز دی اور کہا۔
"ان صاحب کو فلاں فارمولا سمجھا دو۔"

دنیا کا نظام

میں وضو کر کے باہر نکلا تو لاؤنج میں بیٹیوں کے ہنسنے کھلکھلانے کی آواز سنائی دی بیٹیاں بھی گھر کی رونق اور خوشیاں ہوتی ہیں میں نے بیگم سے کہا۔ "ان دونوں کے بغیر گھر کیسا سونا سونا لگتا ہے اب دیکھو ایک دن آئے گا کوئی الو کے پٹھے رنگ برنگی شیروانی، سرخ پگڑی اور چوڑی دار پاجامہ پہن کر ہمارے گھر آئیں گے اور انہیں لے جائیں گے۔"
بیگم نے سپارہ بند کیا، چوما اسے ماتھے سے لگایا پھر ایک طرف رکھا اور بولیں۔ "یہی دنیا کا نظام ہے آپ بھی تو ہمارے گھر آئے تھے ناں۔"

☆☆

pklibrary.com

شعاع کے ساتھ ساتھ

زینب بوسنگھ

السلام علیکم! شعاع سے تعارف کچھ یوں ہوا کہ ایک بک اسٹال پر نظر آیا تو خرید لیا یوں شعاع تب سے لے کر اب تک لازم و ملزوم ہے۔ اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ گھر میں نہ کبھی بھائیوں اور نہ امی ابو نے منع کیا، بڑے بھائی علی تو خود میرے ساتھ بیٹھ کر ورق گردانی کرتے ہیں انہیں قارئین کے نام بمعہ ان کے شہر کے یاد ہیں۔ میں ان سے کہتی ہوں ماریہ نذیر تو وہ کہتے ہیں بھاگٹا والا، میں کہتی کوثر خالد وہ کہتے جڑانوالہ، بازار جانا ہو تو کپڑے جوتوں سے زیادہ رسائل کا اشتیاق ہوتا۔

دن کا آغاز فجر کی نماز کے ساتھ ہوتا ہے اس کے بعد گھر کے کام، ناشتہ کرنا، کپڑے پریس کرنا، کپڑے سلائی کرنا، فارغ وقت میں شعاع، خواتین اور کرن زیر مطالعہ رہتے ہیں۔

افسانوی دنیا میں جا کر میں بالکل فریش ہو جاتی ہوں...... لیکن کبھی بھی افسانوں کو خود پر حاوی نہیں ہونے دیا۔ مطلب یہ کہ بگڑی نہیں بلکہ بہت کچھ اچھا ہی سیکھا۔

میری خامیاں تو بہت ہیں چند ایک یہ کہ کام ہمیشہ ایک موڈ کے مطابق کرتی ہوں۔ بے زار جلد ہو جاتی ہوں، فضول خرچ ہوں۔ خوبیاں یہ کہ سب کے کام آتی ہوں حساس بہت ہوں۔

پسندیدہ اقتباس:۔

"تم نے کسی بازی کی طرح مجھے جیتا اور دعوے کی طرح بھلا دیا۔ میری محبت کی سفید دھرتی پر تم گندے پاؤں چلنے لگے ہو۔"

"چلی جائیں۔ جائیں مینا جی! اس گھر میں آپ کو علی بخش تو شاید مل جائے گا لیکن "مہ جبین کا باپ" نہیں ملے گا۔" (برہا بھاگ کی مینا، سمیرا احمید)

پسندیدہ شعر:

کیوں نہ اک جھوٹی تسلی پر قناعت کریں
لوگ کہتے ہیں عدم خواب حسین ہوتے ہیں

پسندیدہ غزل محسن نقوی کی ہے۔

نفرت کی دھوپ برسات سے پہلے
حالات نہ تھے ایسے ملاقات سے پہلے

ہم کسی کو ہمدرد سمجھ لیتے تھے
ہم بھی کتنے سادہ تھے محبت کے تجربات سے پہلے

یہ بارش، یہ ہوا، یہ دھنک یہ موسم
جس کس سے محبت تھی تری ذات سے پہلے

بکھرے تو بس ایسے ٹوٹ کے بکھرے
لوگ دیتے تھے مثال ہماری حادثات سے پہلے

پسندیدہ کتاب:

قرآن مجید اس کے بعد نمل، نمل اور بس نمل۔

بارش مجھے پسند ہے ساون بہت فینسی میٹ کرتا ہے۔ سردیوں کی بارشیں زیادہ پسند ہیں۔ بس خیر کی بارش ہونی چاہیے کسی کا نقصان نہ ہو۔

☆☆

pklibrary.com

واصفہ سہیل

کھلتا کسی پہ کیوں مرے دل کا معاملہ

ناہید اسماعیل .... کراچی

سحر ملی نہ ہمیں شامِ غم گزار کے بھی
وہی حساب رہا قرضِ جاں اتار کے بھی
شگفتگی ہی بھلی ہے نہ تنگی دل کی
کہ درد، درد ہے چپ رہ کے بھی، پکار کے بھی

رابعہ .... پشاور

میری پسند بھی کتنی عجیب ہے ساجد
پرانے گیت، کھنڈر، چاندنی اور گلاب کے پھول

☆☆☆

مسلسل شکستِ دل سے منیر
وہ بے حسی ہے
کوئی بچھڑ کے چلا جائے غم نہیں ہوتا

رضوانہ وقاص .... کرلاں

اس کی آنکھوں میں بشارت تھی نئے خوابوں کی
میں اسے دیکھ کے چونکا بھی نہیں تھا شاید
ایک بادل کہ میرے نام سے منسوب ہوا
میرے صحرا میں تو برسا بھی نہیں تھا شاید

اریسہ شمشاد .... آزاد کشمیر

اب تیرا نام آتا ہے جب بھی سرِ محفل
دل میں تو کھٹکتا ہے، ظاہر نہیں کرتے

عذرا ناصر .... کراچی

ان کے دل پر اس طرح تحریر ہونا تھا مجھے
آئینہ وہ خود بنیں، تصویر ہونا تھا مجھے
گردشوں کے بعد آخر آپ ہم مل ہی گئے
یہ بھی طے تھا آپ کی تقدیر ہونا تھا مجھے

اقصیٰ ناصر .... کراچی

ہے ان کی چشمِ توجہ میں روشنی ایسی
کہ جیسے ان میں ستارے قیام کرتے ہیں

ارم کمال .... فیصل آباد

اداس شب میں، کڑی دوپہر کے لمحوں میں
کوئی چراغ، کوئی صورتِ گلاب اترے

فاکہہ سہیل .... کراچی

تمام عمر کی نامعتبر رفاقت سے
کہیں بھلا ہو کہ پل بھر ملیں، یقیں سے ملیں

شمائلہ خرم .... حیدر آباد

آج ذرا فرصت پائی تھی، آج اسے پھر یاد کیا
بند گلی کے آخری گھر کو کھول کے پھر آباد کیا
بات بہت معمولی سی تھی، الجھ گئی تکراروں میں
ایک ذرا سی ضد نے آخر دونوں کو برباد کیا

حمرہ خان .... کراچی

بے وفا کہا مجھ کو آپ نے بجا لیکن
اسی طرح نہیں کہتے ہر کسی کے بارے میں
یہ غریب لوگوں کے گھر سے دور رہتی ہے
تجربہ ہے یہ میرا چاندنی کے بارے میں

چمن خان .... گلشن رومی

اب اس نے وقت نکالا ہے حال سننے کو
بیاں کرنے کو جب کوئی داستاں بھی نہیں

زرینہ خانم لغاری .... مظفر گڑھ

خود کو کردار سے اوجھل نہیں ہونے دیتا
وہ کہانی کو مکمل نہیں ہونے دیتا
عالمِ ذات میں درویش بنا دیتا ہے
عشق انسان کو پاگل نہیں ہونے دیتا

صائمہ گل .... مردان

مجھے اکثر ستاروں سے یہی آواز آتی ہے
کسی کی یاد میں نیندیں گنوا کر کچھ نہیں ملتا

ریحانہ طارق .... پنڈی

کبھی جو تجھ سا تیرے جیسا جو مل گیا کوئی
میں زندگی کی طرف پھر سے لوٹ آؤں گا

☆☆

امت الصبور

تاریخ کے جھروکوں سے

قصہ اصحاب الفیل

چھٹی صدی کے اوائل میں وسطی عرب کے لوگ مختلف قبائل میں بٹے ہوئے تھے۔ وہ لڑتے، لوٹ مار کرتے اور اردگرد کی ریاستوں کا خیال نہ کرتے تھے۔ ان کے مغرب میں غسان کی بادشاہت بازنطینی سلطنت اور مشرق میں حیرہ کی بادشاہت فارس کی ماتحتی کو کسی حد تک تسلیم کرتی تھیں۔ جنوب میں یمن کی قدیم اور خوش حال حمیری بادشاہت تھی۔

حمیر کے آخری بادشاہ کا نام ذونواس تھا۔ مذہباً مشرک تھا۔ یہ وہی بادشاہ ہے جس نے اصحاب الاخدود (کھائی والوں) کو قتل کردیا تھا اصحاب الاخدود عیسائی مذہب کے سچے پیروکار تھے۔ اور تقریباً بیس ہزار کے لگ بھگ لوگ تھے۔ سب کو شہید کردیا۔

صرف دوس ثعلبان نامی ایک شخص بچ نکلنے میں کامیاب ہوا۔ اور قیصر روم عیسائی بادشاہ کے پاس جاکر فریاد کی اور عیسائیوں کی اس ہلاکت کا تذکرہ کیا۔ اس پر قیصر روم نے نجاشی بادشاہ جو ذونواس کے ملک کے قریب تر تھا کو خط لکھا کہ ان کی مدد کیجیے۔

چنانچہ نجاشی نے اپنے دو کمانڈروں ارباط اور ابویکسوم ابرہہ ابن صباح کو ایک بری فوج دے کر ذونواس سے عیسائیوں کا بدلہ لینے کے لیے اس کے ساتھ روانہ کردیا یہ فوج یمن میں داخل ہوئی اور یمن کو اس کے باشندوں سمیت تخت وتاراج کردیا۔ اور ذونواس بھاگتے ہوئے دریا میں غرق ہوگیا۔

اور اس حبشی فوج نے یمن پر قبضہ کرکے وہیں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ اور یہ دو کمانڈر وہاں حکمرانی کرنے لگے۔ لیکن ان کا آپس میں اختلاف ہوا۔ قتل قتال تک نوبت پہنچی۔

ان میں سے ایک نے کہا ”ہمیں فوجوں کو لڑانے کی ضرورت نہیں۔ یوں کرتے ہیں کہ صرف ہم دونوں آپس میں مقابلہ کریں۔ جو زندہ رہے گا، وہی حکمران ہوگا۔ دوسرے نے اس تجویز کو منظور کرلیا۔“

مقابلہ کا وقت مقرر ہوا۔ میدان میں دونوں کود پڑے۔ چنانچہ ارباط نے پہل کرکے ابرہہ پر زوردار حملہ کیا۔ جس سے ابرہہ کی ناک کٹ گئی، منہ اور چہرہ شق ہوگئے۔

اتنے میں ابرہہ کے غلام عتودہ نے جلدی سے ارباط پر حملہ کرکے اس کو قتل کردیا ادھر ابرہہ زخمی حالت میں لوٹا۔ مگر علاج معالجہ کے بعد صحت یاب ہوا اور یمن کا نظام حکومت مکمل اپنے ہاتھوں میں لیا۔

ادھر نجاشی بادشاہ حبشہ نے اس کو سخت وست کہہ کر ایک زوردار دھمکی آمیز خط لکھا۔ ”خدا کی قسم! میں تمہارے شہر پر قبضہ کرلوں گا۔ اور تمہاری پیشانی کاٹ ڈالوں گا۔“

اس پر ابرہہ نے انتہائی نرمی اختیار کی۔ اور تحفہ تحائف دے کر اپنا ایک نمائندہ اس کے پاس بھیجا۔ اور ایک تھیلے میں یمن کی مٹی ڈالی اور اپنی پیشانی کا بال کاٹ کر اس میں ڈال دیا اور ساتھ یہ لکھ دیا۔ کہ بادشاہ سلامت ضرور اپنی قسم پوری کریں مگر اس تھیلے کی مٹی کے ذریعے اپنی قسم پوری کرلیجیے، یہ میرے پیشانی کے بال ہیں جن کو میں نے آپ کی خدمت میں بھیج دیا ہے۔

جب نمائندہ یہ تحفے وتحائف اور پیغام لے کر پہنچ گیا تو یہ طرز گفتگو بہت پسند آیا۔ اس سے خوش ہوگیا اور اس کو اس حکمرانی پر برقرار رکھا۔

اس خوشی پر ابرہہ نے نجاشی کو لکھا کہ ”میں یمن کی سرزمین میں آپ کے لیے ایک ایسا گرجا تعمیر کررہا ہوں کہ اس جیسا گرجا آج تک کسی نے نہیں بنایا۔“

pklibrary.com

چنانچہ اپنے قول کے مطابق ایک عالی شان انتہائی خوب صورت، آنکھوں کو خیرہ کردینے والا ایک گرجا تیار کرادیا۔

گرجا اونچا اتنا تھا کہ اس کی بلندی کی طرف نظر کرنے والے کی ٹوپی گر جاتی تھی۔ اس وجہ سے اہل عرب اس کو قلیس (ٹوپی گرانے والا) کہا کرتے تھے، ابرہہ کو خیال ہوا کہ اہل عرب کعبہ کے طواف کے بجائے یہاں آجائیں اور اس کا طواف کریں اور حج کریں۔

اس ارادے کی تکمیل کے لیے پوری مملکت میں منادی کرادی کہ آئندہ حج کے لیے اس گرجا کا رخ کیا جائے۔ اور کعبہ کی طرف نہ جایا جائے۔ اس پر عرب کے عدنانی اور قحطانی قبیلوں کو ناگواری ہوئی۔ اور اہل قریش بھی سخت غضب ناک ہوئے۔ حتیٰ کہ کسی نے اس گرجا میں نجاست کردی۔

چوکیداروں نے جب یہ دیکھا تو ابرہہ کو اس کی اطلاع دی اور یہ کہنے لگے۔ "یہ شاید کسی قریشی نے غصے میں کیا ہو کہ اس گرجا نے ان کے بیت اللہ کی مشابہت کیوں اختیار کی۔"

اس پر ابرہہ جوش وغضب میں اٹھ کھڑا ہوا۔ اور قسم کھا کر کہنے لگا۔

میں ضرور ضرور مکہ تک پہنچ کر رہوں گا۔" اور ان کے کعبے کی اینٹ سے اینٹ بجادوں گا۔" مقاتل بن سلیمان نے لکھا ہے۔ قریش کے چند جوانوں نے گرجے میں گھس کر آگ لگادی اتفاق سے اس دن تیز ہوا چل رہی تھی۔ ہوا کی تیزی کی وجہ سے آگ میں شدت آ گئی۔

تھوڑی دیر میں پورا گرجا راکھ کا ڈھیر بن گیا۔ اس پر ابرہہ مزید طیش میں آ گیا۔ اور ایک لشکر جرار ترتیب دیا۔ تاکہ کوئی بھی اس کی مزاحمت نہ کر سکے۔ اور عظیم الجثہ ہاتھی ساتھ لیا۔ جس کا نام محمود تھا۔ جس کو حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے اس غرض کے لیے اس کو دیا تھا۔ اور اس کے ساتھ آٹھ ہاتھی اور تھے۔ بعض روایات کے مطابق ہاتھیوں کی تعداد بارہ تھی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

ہاتھیوں کو ساتھ لینے کا مقصد یہ تھا کہ بڑی بڑی زنجیریں کعبہ کے ستونوں کے ساتھ باندھ کر ہاتھیوں کے ذریعے کھینچ دی جائیں تاکہ کعبہ آسانی سے گر جائے۔

جب اہل عرب کو اس کی اطلاع ملی تو انہیں اس سے سخت پریشانی ہوئی مگر بیت اللہ کی حفاظت اور اس کے بدخواہوں کے مقابلے میں آخری دم تک لڑنے کا عہد کرلیا۔

ادھر یمن کے ایک بڑے اور شاہی خاندان کا ایک شخص جس کا نام ذونفر تھا اس نے ابرہہ کے مقابلے میں جہاد کرنے کا اعلان کیا۔ اس کے قبیلے کے کچھ لوگوں اور کچھ عرب قبیلوں نے اس کی آواز پر لبیک کہتے ہوئے اس کا ساتھ دیا۔ مگر وہ ابرہہ کے مقابلے میں شکست کھا گئے۔

مصلحت اس میں یہی تھی کہ اللہ تعالیٰ کو اپنے گھر کی عظمت کو قیامت تک آنے والے لوگوں پر آشکارہ کرنا تھا۔ بہر حال ابرہہ ذونظر کو قیدی بنا کر اپنے ساتھ لے گیا اور مکہ کی طرف رواں دواں ہوا۔

راستے میں خثعم کے علاقے میں جا پہنچے تو وہاں نفیل بن حبیب خثعمی نے ابرہہ کو روکنے کی کوشش کی۔ مگر ابرہہ نے اسے بھی شکست دی۔ قید کرکے قتل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ پھر اس کو معاف کرلیا۔ اور اس غرض کے لیے اپنے ساتھ لیا تاکہ حجاز کے راستوں کی طرف رہنمائی کرے۔

جب طائف پہنچا تو قبیلہ ثقیف نے اس سے صلح کرلی۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کے بت خانوں کو گرادے جس میں لات نامی ان کا بڑا بت رکھا ہوا تھا۔ ابرہہ نے بھی ان کا بڑا اکرام کیا۔ انہوں نے اپنے ایک آدمی ابورغال کو رہنمائی کے لیے ان کے ساتھ کردیا۔

ابرہہ جب مکے کے قریب مقام "المغمس" میں پہنچا۔ تو وہاں پڑاؤ ڈالا اور آس پاس چرنے والے جانوروں کو اپنے قبضے میں لیا۔

ان میں دوسو اونٹ صرف عبدالمطلب کے تھے۔

ابرہہ کے حکم سے ان جانوروں کو لوٹنے والا شخص ان کے ہراول دستے کا کمانڈر تھا، اور اس کا نام اسود

بن منصور تھا۔ عرب کے شعراء نے اس کی ہجو میں بہت سارے اشعار منظوم کیے ہیں جو سیرت ابن اسحاق میں موجود ہیں۔

ابرہہ نے حناط حمیری نامی ایک شخص کو اہل مکہ کے پاس اس غرض کے لیے بھیج دیا کہ وہ اس کا پیغام پہنچائے۔

''میں اہل مکہ سے لڑنے کے لیے نہیں آیا ہوں میں صرف کعبے کو گرانے کے لیے آیا ہوں۔ ہاں اگر کوئی تعرض کرے گا اس کو ضرور لڑنا پڑے گا۔''

مکہ کے سب سے بڑے سردار کے متعلق معلوم ہوا کہ وہ عبدالمطلب بن ہاشم ہیں۔ بادشاہ کا پیغام ان کو پہنچایا۔

عبدالمطلب نے کہا: ''ہم ان سے نہیں لڑیں گے۔ اور نہ ہم میں ان سے لڑنے کی قوت ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا گھر ہے اور اس کے خلیل حضرت ابراہیم کا گھر ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت فرمادے تو اس کی مرضی، اگر نہ حفاظت فرمائے تو پھر ان کی مرضی۔ البتہ ہم میں ابرہہ کی فوج کا مقابلہ کرنے طاقت نہیں ہے۔''

حناط حمیری نے کہا: ''چلیے میرے ساتھ ہمارے سربراہ کے پاس۔'' تو عبدالمطلب حناط کے ساتھ ابرہہ کے پاس چلے گئے۔

ابرہہ انہیں دیکھتے ہی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ کیونکہ عبدالمطلب انتہائی وجیہہ خوب صورت مضبوط اعضا و قوی والے تھے۔ ابرہہ ان سے متاثر تخت سے نیچے اترا اور اپنے ترجمان سے کہا:

''ان سے پوچھو، انہیں کیا چاہیے؟''

عبدالمطلب نے کہا: ''بادشاہ سے کہہ دیں کہ میرے دوسو اونٹ جو اپنے قبضے میں لیے ہیں وہ واپس کردیں۔'' ابرہہ نے ترجمان سے کہا:

''ان سے کہہ دو کہ میں تو تمہاری صورت دیکھ کر تم سے بہت متاثر ہوا تھا۔ مگر جب تم سے بات چیت کی تو وہ حالت نہ رہی! تم نے ان دوسو اونٹوں کا تو مطالبہ کردیا مگر اپنے اور اپنے آباؤ اجداد کے دین کا منبع و مرکز کعبے کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ جس کو گرانے کے لیے میں آیا ہوں۔'' عبدالمطلب نے کہا۔

''اونٹوں کا مالک میں ہوں۔ اور بیت (کعبہ) کا مالک اللہ تعالیٰ ہے وہ خود اس کی حفاظت کرے گا۔''

ابرہہ نے کہا: ''آج اللہ بھی اس کو مجھ سے نہیں بچاسکے گا۔''

تو عبدالمطلب نے کہا: ''ٹھیک ہے وہ جانے تو جان۔''

بعض روایات میں یہ بھی آیا ہے۔ کہ عبدالمطلب کے ساتھ شرفاء قوم کے کچھ لوگ بھی تھے۔ انہوں نے ابرہہ سے اس پر صلح کرنے کی کوشش بھی کی کہ مکہ کے اموال کا ایک تہائی تجھے دیں گے کہ تو کعبہ کو نہ گرا۔ مگر اس نے ماننے سے انکار کیا اور عبدالمطلب کے اونٹ انہیں واپس کردیے۔ عبدالمطلب نے قریش کے پاس جا کر انہیں حکم دیا کہ ''مکہ سے نکل جائیں اور پہاڑوں پر جا کر پناہ لیں۔''

اس کے بعد عبدالمطلب کعبے کے پاس آگئے۔ اور ان کے ساتھ قریش کے کچھ اور لوگ بھی تھے۔ باب کعبہ کے حلقے کو پکڑ کر اللہ تعالیٰ سے کعبہ کی حفاظت اور ابرہہ کی فوج کی ہلاکت کی دعا کی۔ اور حلقہ باب کو پکڑ کر یہ دعا کی:

''اے اللہ ہر انسان اپنی چیزوں اور گھر کی حفاظت خود کرتا ہے، اے اللہ! تو بھی اپنے گھر کو اپنے دشمنوں سے بچا۔''

یہ دعا کرنے کے بعد عبدالمطلب مکہ کو خالی کر کے پہاڑوں کی طرف نکلنے سے پہلے سو اونٹ قربانی کے لیے نشان لگا کر بیت اللہ کے آس پاس اس غرض کے لیے چھوڑ دیے کہ اگر ابرہہ کی فوج نے ان کو چھیڑا تو عذاب الٰہی کا مستحق ہوگا۔ اور اس پر اللہ کا عذاب آئے گا۔

دوسرے دن علی الصباح ہی ابرہہ اپنی فوج کو لے کر مکہ داخل ہونے کے لیے تیار ہوا۔ اور محمود نامی ہاتھی کو تیار کیا۔ جب وہ ہاتھیوں کا رخ مکہ کی طرف

کر کے چل پڑے تو نفیل بن حبیب نے اس ہاتھی کے کان پکڑ کر اس کے کان میں کہا۔

”محمود! بیٹھ جا۔ اور جہاں سے آیا ہے واپس وہیں چلا جا۔ تو اس وقت اللہ تعالیٰ کے عزت والے شہر میں ہے۔“

یہ کہنا تھا کہ ہاتھی فوراً بیٹھ گیا۔ اور نفیل جلدی قریب کی پہاڑی میں جا چھپا وہ ہاتھی کو اٹھانے کے لیے اس کو مارنے لگے۔ مگر پھر بھی وہ نہ اٹھا۔ مارتے رہے مارتے رہے مگر ہاتھی ہے کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہا۔ اسے اٹھانے کے لیے تمام حربے آزمائے حتیٰ کہ برچھے مارے مگر نہیں اٹھا۔ آخر کار امتحان کے لیے اس کا منہ یمن کی طرف کر دیا۔ تو فوراً اٹھ کھڑا ہوا اور چلنا شروع کر دیا۔ پھر شام کی طرف اس کا رخ کر کے چلانے لگے تو بڑی تیزی سے چلنا شروع کیا۔ مشرق کی طرف اس کو ڈال دیا تو چلنا شروع کر دیا۔ پھر اس کا رخ مکہ کی طرف کیا تو فوراً بیٹھ گیا۔

اتنے میں سمندر کی طرف سے چھوٹے چھوٹے پرندوں کا ایک غول بادل کی طرح نمودار ہوا۔ ہر پرندے کے پاس تین تین کنکریاں تھیں۔ ایک چونچ میں اور ایک ایک پنجوں میں۔ جو چنے یا ماش کے دانے کے برابر تھے۔ جس کو بھی وہ کنکری اس کو ہلاک کیے بغیر نہیں چھوڑتی تھی۔ اس سے فوج میں سخت بھگدڑ مچ گئی۔ انتہائی افراتفری کی حالت پیدا ہوگئی۔ اور بھاگ نکلنے لگے۔ اور نفیل نفیل کہہ کر شور مچانے لگے۔

عطاء بن یسار کہتے ہیں: اس سنگ باری سے اسی وقت سب کے سب ہلاک نہیں ہوئے بلکہ کچھ تو اسی وقت ہلاک ہو گئے اور کچھ کے اعضاء ٹوٹ کر گر گئے۔ اور وہ بھاگنے لگے اور مرنے لگے۔ اسی طرح ابرہہ کے اعضاء بھی کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ چلتے چلتے خثعم میں پہنچ کر بالکل گوشت کا لوتھڑا بنا۔ اور اس کا دل پھٹ گیا۔

☆☆

(لٹریری ہسٹری آف پرشیا اور قصص القرآن سے اقتباس)

ادارہ خواتین ڈائجسٹ کی طرف سے بہنوں کے لیے خوبصورت ناول

کتاب کا نام	مصنفہ
بساطِ دل	آمنہ ریاض
زرد موسم	راحت جبیں
زندگی اک روشنی	رخسانہ نگار عدنان
خوشبو کا کوئی گھر نہیں	رخسانہ نگار عدنان
شہر دل کے دروازے	شازیہ چوہدری
تیرے نام کی شہرت	شازیہ چوہدری
دل ایک شہر جنوں	آسیہ مرزا
آئینوں کا شہر	فائزہ افتخار
بھول بھلیاں تیری گلیاں	فائزہ افتخار
پھلاں دے رنگ کالے	فائزہ افتخار
یہ گلیاں یہ چوبارے	فائزہ افتخار
میں سے عورت	غزالہ عزیز
دل اُسے ڈھونڈ لایا	آسیہ رزاقی
بکھر نا جائیں خواب	آسیہ رزاقی
زخم کو ضد تھی مسیحائی سے	فوزیہ یاسمین
اماوس کا چاند	بشریٰ سعید
رنگ خوشبو ہوا بادل	افشاں آفریدی
درد کے فاصلے	رضیہ جمیل
آج صحن پر چاند نہیں	رضیہ جمیل
درد کی منزل	رضیہ جمیل
میرے دل میرے مسافر	نسیم سحر قریشی
تیری راہ میں رُل گئی	میمونہ خورشید علی
شام آرزو	ایم سلطانہ فخر

منگوانے کا پتہ:
مکتبہ عمران ڈائجسٹ، 37- اردو بازار، کراچی۔
فون نمبر: 32216361

موسم کے پکوان

واصفہ سہیل

فلافی میکسیکن آملیٹ

ضروری اشیاء:

انڈے	تین عدد
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچیں	چوتھائی چائے کا چمچہ
تیل / گھی	تین کھانے کے چمچے
شملہ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری پیاز	ایک کھانے کا چمچہ
ٹماٹر	ایک کھانے کا چمچہ

ترکیب:

انڈوں کی سفیدی اور زردی الگ کر کے علیحدہ علیحدہ پھینٹیں اس کے بعد ایک ساتھ پھینٹیں۔ زردی سفیدی کے مکسچر میں نمک، کٹی ہوئی سیاہ مرچیں، لمبائی میں کٹی شملہ مرچ، ہری پیاز اور ٹماٹر ڈال کر مکس کر دیں۔ ایک فرائی پین میں تیل یا گھی گرم کر کے انڈوں کا آمیزہ ڈال کر پھیلائیں۔ آنچ ہلکی کر کے ڈھکن لگا دیں جب دیکھیں آملیٹ سیٹ ہو گیا ہے تو فولڈ کر کے پلیٹ میں نکال کر سحری میں پراٹھے یا چپاتی کے ساتھ پیش کریں۔

چکن چیز رول

ضروری اشیاء:

چکن بریسٹ	دو عدد
نمک	حسب ذائقہ
سیاہ مرچیں	آدھا چائے کا چمچہ
موزریلا چیز	آدھا پیکٹ
ہرا دھنیا	آدھا کپ
ہری مرچیں	تین عدد
انڈے	دو عدد
بریڈ کرمبز	حسب ضرورت
میدہ	حسب ضرورت
تیل	تلنے کے لیے

ترکیب:

چکن کے پتلے پارچے کاٹ کر کوکنگ ہیمر یا بیلن سے کچل کر پھیلا لیں اس کے اوپر نمک اور کٹی سیاہ مرچیں چھڑک دیں۔

پیالے میں موزریلا چیز، ہرا دھنیا اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کریں۔

چیز کا آمیزہ پارچے پر رکھ کر رول کر لیں اور میدے میں اچھی طرح لپیٹ کر انڈے میں ڈِپ کریں پھر بریڈ کرمبز میں لپیٹ کر آدھا گھنٹہ کے لیے فریج میں سیٹ ہونے کے لیے رکھیں۔ فرائی پین میں تیل گرم کر کے اس میں چکن رول کو ڈھک کر ہلکی آنچ پر پکائیں۔ چکن کو الٹ پلٹ کرتی رہیں کہ چکن اندر تک گل جائے۔ اوپر سے ہلکا سنہری ہو جائے تو کچن پیپر پر نکال لیں سرونگ پلیٹ میں نکال کر کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

عربک پراٹھا

اجزاء برائے ڈو:

مایونیز	آدھا کپ
آٹا	آدھا کلو
نمک	حسب ذائقہ
پانی	حسب ضرورت

ترکیب:

تمام اجزاء کو مکس کریں اور گوندھ کر سخت ڈو تیار کر لیں۔

اجزاء برائے پراٹھا فلنگ:

مایونیز	آدھا کپ
قیمہ (چکن / بیف)	ایک پاؤ
انڈہ	ایک عدد
شملہ مرچ	ایک کپ
بند گوبھی	ایک کپ
گاجر	ایک کپ
لہسن ادرک	دو کھانے کے چمچے

pklibrary.com

کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
کٹی کالی مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
گھی / تیل	ایک کپ

ترکیب:

ایک پتیلی میں قیمہ اور پسا ہوا لہسن ادرک ڈال کر ایک چمچہ آئل میں بھون کر پانی خشک کر لیں۔ اب اس میں باریک کٹی گاجر، شملہ مرچ اور بند گوبھی شامل کر کے دوبارہ پانی خشک کریں پھر نمک اور کٹی ہوئی لال مرچ شامل کر کے ہلکا سا بھونیں۔ اب چولہے سے اتار لیں۔ قیمہ ٹھنڈا ہونے پر اس میں مایونیز اور ابلا ہوا انڈہ شامل کر لیں۔ لیجیے پراٹھا فلنگ تیار ہیں۔

تیار ڈو سے سات پیڑے بنائیں اور بیل کر گول روٹی بنائیں پھر درمیان میں فلنگ رکھیں اور چاروں سائیڈ سے فولڈ کر کے پراٹھے کو چوکور شکل میں بنالیں۔ توے میں آئل ہلکی آنچ پر گرم کر کے پراٹھے کو لال ہونے تک دونوں سائیڈ سے سینک لیں۔ لیجیے مزیدار عربک پراٹھا تیار ہے۔ جو افطار میں سب کو پسند آئے گا۔

چکن بوٹی پیٹیز

ضروری اشیاء:

چکن	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
گرم مسالہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
ہرا مسالہ	چار کھانے کے چمچے
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
گھی	حسب ضرورت
سموسے کی پٹیاں	دو درجن
ہری پیاز	ایک چائے کا چمچہ
دھنیا پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
آلو	ایک عدد
انڈے	دو عدد

ترکیب:

چکن میں پسا ہوا ادرک، لہسن، پسی ہری مرچ، لال مرچ، گرم مسالہ دہی لگا کر ابالنے کے لیے رکھیں، پانی اتنا ڈالیں کہ چکن بالکل گل جائے۔ چکن میں آلو، انڈے، ہری پیاز، دھنیا مکس کر لیں۔ سموسے کی پٹیاں 2 عدد لیں ان پٹیوں کو کراس کے نشان کی طرح رکھ کر بیچ میں مکسچر رکھیں اور اس کو لپیٹ لیں۔ آٹے کی لئی بنا کر اچھی طرح سے بند کر دیں۔ اب گھی گرم کر کے تل لیں۔ دہی کے رائتے یا پودینہ کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

آلو چاٹ

ضروری اشیاء:

آلو	دو عدد
شکر قندی	ایک عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ہری مرچیں	دو عدد
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا
لیموں کا رس	آدھا کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
کیلا	ایک عدد
املی کا گودا	دو کھانے کے چمچے
چاٹ مسالہ	ایک چائے کا چمچہ

ترکیب:

بڑے سائز کا آلو اور شکر قندی کو دھو کر اچھی طرح ابال کر گلا لیں۔ اب ٹھنڈا کر کے چھلکا اتار لیں باریک کٹا ادرک آدھا چائے کا چمچہ لیموں کا رس اور ایک چٹکی نمک کو ایک پیالے میں ڈال کر فریج میں رکھ دیں۔ آلو اور شکر قندی کے ایک انچ کے ٹکڑے کاٹ لیں۔ کیلے کے بھی ایک انچ کے ٹکڑے کاٹ لیں۔ اب ان کے اوپر آدھا چائے کا چمچہ لیموں کا رس ڈال کر مکس کریں اور ایک طرف رکھ دیں۔

ایک پیالے میں آلو، شکر قندی اور کیلا ڈال کر اس میں باقی بچا ہوا لیموں کا رس، املی کا گودا، ہری مرچیں، چاٹ مسالہ، نمک اور باریک کٹا ہرا دھنیا شامل کر کے مکس کریں۔ ☆☆

pklibrary.com

بیوٹی بکس

امت الصبور

کینو کھائیے حسن نکھاریے

کینو اس موسم کی بہار ہے ان کے کھانے اور مختلف انداز میں استعمال کرنے سے جلد کی رنگت اور عمومی مسائل سے بھی نجات مل سکتی ہے۔

کینو کا چھلکا، گودا، جوس اور بیج یہ چاروں ہی انسانی صحت کے لیے مفید ہیں۔

زمانہ قدیم سے ہی خواتین کینو کے چھلکوں کو ابٹن بنانے میں استعمال کرتی آتی ہیں۔ کینو کھانے سے پہلے اچھی طرح دھو کر کسی کپڑے سے خشک کرلیں اور کھانے کے بعد انہیں دھوپ میں سکھالیں۔

چھلکوں کو دھوپ میں سکھانے کے بعد ان کا پاؤڈر بنا کر محفوظ کیا جاسکتا ہے لیکن یاد رہے بداحتیاطی کے باعث اس میں پھپھوندی بھی ہوسکتی ہے۔

جلد کے کھردرے پن کے لیے

دو چمچے کینو کا عرق دو چمچے عرق گلاب آدھا چمچہ گلیسرین میں ملا کر چہرے پر لگانے سے چہرے اور ہاتھوں کی جلد کا کھردرا پن دور ہوسکتا ہے۔ اسے رات اور دن میں ایک سے ڈیڑھ گھنٹے لگانے کے بعد سادے پانی سے منہ دھولیں چہرے پر نکھار آجائے گا۔

رنگت نکھارنے کے لیے

کینو کے چھلکوں کا پاؤڈر دہی میں مکس کرکے چہرے پر لگائیں اور ہلکے ہاتھوں سے اسکرب کریں پھر پندرہ منٹ بعد دھولیں۔ یہ جلد سے چکنائی کم کرکے رنگت نکھارتا ہے۔ جلد پر چھائیاں یا کسی بھی قسم کے نشانات ہیں تو کینو کا چھلکا اس کے لیے بھی فائدہ مند ہے کیونکہ اس میں قدرتی طور پر بلیچ کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔

چکنی جلد کے لیے

اگر آپ کی جلد چکنی ہے اور مسام کھلے ہیں یا چہرے پر داغ دھبے اور دانے ہیں، پاؤڈر کو ایک چمچ انڈے کی سفیدی اور چند قطرے لیموں کا رس میں اچھی طرح مکس کرکے پندرہ منٹ چہرے پر لگا رہنے دیں اور پھر دھولیں۔ ہفتے میں ایک بار کا استعمال فائدہ مند ہے۔

دانتوں کی سفیدی کے لیے

کینو کے چھلکوں کا پاؤڈر دانتوں سے پیلے دھبے ختم کرکے ان کو سفید کرنے کا آسان اور سستا ذریعہ ہے۔ اس کے لیے پاؤڈر کا پانی کے ساتھ پیسٹ بنا کر یا پاؤڈر کو دانتوں پر ملیں، روزانہ کے استعمال سے دانت سفید ہوجائیں گے۔

بالوں کی خشکی کے لیے

بالوں کی خشکی دور کرنے، کنڈیشننگ اور بڑھنے کے لیے کینو کے چھلکوں کا پاؤڈر اور کیسٹر آئل (ارنڈی کا تیل) کو ملا کر ہیر ماسک تیار کریں اور اسے بالوں میں لگائیں، بیس سے تیس منٹ بعد اسے نیم گرم پانی سے دھولیں۔ اگر چھلکوں کا پاؤڈر نہ بنا سکیں تو چھلکوں کو چٹنی کی طرح پیس کر استعمال کرسکتے ہیں۔

بالوں کی چمک کے لیے

ایک سے دو کینو کو چھیل کر اس کا گودا بنالیں اس کے بعد اس میں سر پر لگانے والا کوئی بھی تیل جو آپ لگاتی ہیں ملالیں اور اسے بالوں اور سر پر بیس سے پچیس منٹ تک لگا رہنے دیں۔ اس کے بعد اسے کسی ہربل شیمپو سے دھولیں۔ کسی پارلر میں جاکر ٹریٹمنٹ کی ضرورت نہیں کیونکہ آپ حیرت انگیز چمک دیکھیں گی۔

جلد کی نمی کے لیے

خشک اور پیلی جلد کی نمی کے لیے کینو کے چھلکوں کا پاؤڈر ایک چمچہ لیں اور اس میں دودھ ملا کر پیسٹ سا بنالیں۔ دس سے پندرہ منٹ بعد نیم گرم پانی سے دھولیں۔

☆☆

pklibrary.com